ازواج الہند

عرف

عورت ذات

از

حضرت ضیاء الملک ملا رموزی، فاضل الٰہیات، ایم، آر، اے، ایس، (لنڈن
ایم، ایل، ایس، (فلاڈیلفیا امریکہ)

جس میں

یورپ کی بیوی، امریکہ کی بیوی، افریقہ کی بیوی، ایشیا کی بیوی، ہندوستان کی، پھر ہندوستان کے
کسان کی بیوی، مزدور کی بیوی، مہاجن کی بیوی، تمبولی کی بیوی، کنجڑے کی بیوی، مالی کی
بیوی، حلوائی کی بیوی، بھٹیارے کی بیوی، چمار کی بیوی، گداگر کی بیوی، بھنگی کی بیوی،
تیلی کی بیوی، دھوبی کی بیوی، جُلاہے کی بیوی، رنڈی بیوی، بلوچی بیوی، مشاطہ بیوی،
تھیٹر اور سینما کی بیوی وغیرہ، اور ان کے شوہروں کے حد سے سوا ہنسانے والے اور پُرلطف
حالات، ازدواجی زندگی کا دلفریب نمونہ

بابتہ ۱۳۴۹ ہجری اسلامی،
۱۹۳۱ عیسوی

در مطبع گیلانی لاہور باہتمام بابو نظام الدین مہتمم لاہور طبع شد

ملنے کا پتہ = ملا رموزی، بھوپال، قیمت فی جلد علاوہ محصول ہے

۲

خطوطِ مُلّا رموزی

یہ طرزِ انشاء و تحریرِ مُلّا رموزی کے جدت نگار و ندرت آفریں قلم کا تیسرا نمونہ ہے، جو صرف ادنیٰ نے ایجاد کیا ہے، یہ خطوط اصل میں مستقل اور نہایت طویل مضامین ہیں جنھیں پُرانے رنگ کے منشیوں کے خطوط کے رنگ میں کچھ اس درجہ لطافت و سلاست کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ پڑھئے اور انداز تحریر اور سادہ عبارت میں ظرافت و نکتہ آفرینی کی اور بہار آرا جدتوں اور ترکیبوں پر حیران رہ جائیے، پُرانے رنگ کے منشیوں کے اس انداز تحریر میں مُلّا رموزی نے سیاستِ حاضرہ، تمدّنِ جدید، اور ضروریاتِ روزمرّہ پر جس کمال قابلیت سے بحث کی ہے اس کی بے مثالی اور لاجوابی کے اثر سے یہ خطوط اردو کے سب سے بلند اخباروں اور رسالوں میں بڑی مسرت کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں،

ادبیاتِ اُردو میں ایک بالکل ہی انوکھی صنعت تحریر کا یادگار نمونہ،

قیمت فی جلد ۱۲؍

(صادق صبحی)

ملنے کا پتہ:۔ مُلّا رموزی بھوپال

فہرست مضامین عورت ذات

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اس عنوان کے تحت، تالیف و تصنیف کے عام قاعدہ کے موافق جو "بلاغت زبودی،، فرمائی جاتی ہے اور "سبب تالیف کتاب" کو ظاہر کرنے کے لئے جو چمن پیرا عبارات اور منطق آرا الفاظ جمع کئے جاتے ہیں اُن سے ہٹ کر صرف چند سیدھی اور سادہ باتیں بیان کر دینا اس لئے مناسب ہے کہ یہ اتنی موٹی کتاب موجود تو ہے، اب اس میں جو کچھ ہے [illegible] فرمالیجے، مگر آپ فرمائیں گے کہ اگر یہ ہے تو بس اب اس کے آگے آپ بھی کچھ نہ لکھئے، ہم خود ہی سب کچھ سمجھ لیں گے، تو اس موقع پر آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ملا رموزی صاحب مقدمہ کے عنوان سے جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ کتاب میں نہیں ہے اس لئے اُن کا لکھنا تو ہوا "برحق" اور آپ کا اسے پہلے سے سمجھ لینا ہوا نا، ....

[illegible] بعد یہ کہ

جب سے ہم مُلا رموزی صاحب مشہور ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ اُس کے بعد سے خدا نے ہمیں "رفتہ رفتہ،، کے عام قاعدہ سے کبھی زاد لطفہٗ، بنایا تو کبھی دام ظلہٗ اور کبھی دام اجلالہٗ، کبھی قبلہ تو کبھی حضرت لیکن اب خدا کے فضل سے ہم دام ظلہٗ اور دام

اقبال کے رُتبۂ رفیع پر پہونچا دیے گئے ہیں، اور کہنے میں صرف یہ آتا ہے کہ جب چار
مُلّا صاحب بال بچوں والے آدمی ہو گئے، اس لئے خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر
یہ اپنے بال بچوں کو کس دن کے لئے محفوظ رکھتے ہو ابھی بھی اگر زندگی میں لکھ دو تو *
ہکارِ ثواب ہی ہے پس اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ ہندوستان کی تمام عورت ذات پر
نظر جا پڑی، یا یہ تمام عورتیں ہماری نظر پر " آ پڑیں "، اب جو اس خیال سے ان کو دیکھا
تو عالم ہی دوسرا نظر آیا یعنی ہندوستان کی بنی ہوئی عورت کچھ اس درجہ بھی مجبور ا
برباد، بے کس، اور عجیب و غریب سی نظر آئی کہ جی چاہا کہ یا تو اسے عورت کے عوض
عجائب خانہ کہہ کر پکاریں یا پھر صحیح معنٰے میں اسے عورت بنا کر چھوڑیں،

پس یہ اتفاق تھا کہ سلا۱۹۲ء میں ایشیا کی سب سے نامور و نام آور ترکی قوم کا معرکۂ
جدال و قتال یونانیوں سے شروع ہو گیا، پھر اُسی معرکہ میں ترکی عورتوں نے اپنے
مردوں کے ساتھ مل کر انتظامی اور جنگی معاملات میں جن کاموں کو انجام دیا وہ ایشیاء
کے لئے عموماً اور ہندوستان کے لئے خصوصاً حد سے سوا حیرت انگیز اور بیدار کن تھے،
اور اسی اثر سے مُلّا رموزی نے ان مجاہد و ذی علم ترکی عورتوں کے حالات پر ایک
کتاب اُسی زمانے میں لکھی جس کا نام "خواتینِ انگورہ" ہے اور جو مبلغ ایک روپیہ میں مہتمم صاحب
دائرۂ ادبیہ لکھنو سے ملتی ہے، اس کتاب کے لکھنے سے دماغ پر یہ اثر ہوا کہ مُلّا رموزی
صاحب اُسی وقت سے " ثلث عورت "، ہو چکے تھے، اگرچہ اخباری مضامین کی کثرت
اور رسالوں میں بمقدار کثیر مضامین لکھنے اور " نوکری پر حاضر رہنے کے باعث "، کبھی اتنی فرصت

نصیب نہیں ہوئی کہ دن رات عورتوں ہی کو دیکھتے اور سمجھتے رہتے، مگر جناب جس وقت والدہ صاحبہ محترمہ نے اپنی پسند سے ہماری شادی کرائی اور جو ہمارے ننھے میاں کی والدہ ہمارے گھر میں تشریف لائیں تو بس یوں سمجھ لیجیے کہ مُلّا رموزی نصف مرد اور نصف عورت، ہو کر رہ گئے اور اب جو اپنی شادی اور "نتیجۂ شادی" پر غور کیا تو دن میں تین ہزار مرتبہ کہنا پڑا کہ "اُفوہ، یوں ہوتی ہیں ہندوستانیوں کی شادیاں"، اور "اللہ اکبر ایسی ہوا کرتی ہیں ہم لوگوں کی بیویاں"!!!

ادھر تو یہ ہوا اور اُدھر ہندوستان میں جنگ یورپ بابتہ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں یورپ امریکہ اور ایشیا میں روسی اور ترکی عورتوں کے حالات نے ہندوستانی عورتوں کو نصف کے قریب مرد بنا دیا، یہاں تک کہ اس کتاب کے لکھتے وقت تو ہندوستانی عورت "رضاکار" کا نام رکھ کر مردوں کے ساتھ "ترک موالات"، "مقاطعۂ جوعی، عدم تشدد، کھادی و کھدر، برطانوی مال کا مقاطعہ"، "پکٹنگ"، "ستیہ گرہ"، "گو بیک سائمن، انقلاب زندہ باد، ملوکیت برباد باد"، "گرفتاری، قید"، "رہائی اور پھر دیسی کی وہی ہو کر یوں نظر آنے لگی اور یوں بڑھنے لگی کہ بس جناب اُفوہ،

پھر ان حالات پر کوئی وجہ نہ تھی کہ مُلّا رموزی ایسا غریب ہوں اور ارباب علم کی نظر میں قابلِ قدر آدمی اور امیروں اور دفتری لوگوں کی نظر میں ناقابلِ قدر آدمی متأثر نہ ہوتا، جی میں تو آیا تھا کہ اگر ہندوستانی عورتوں کے ایسے ہی کام ہندوستانی عورتوں کی بیداری ترقی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ پن ہیں، تو اپنے ننھے میاں کی والدہ سے بھی کہہ دیں کہ جاؤ بھائی تم بھی

دکانوں کے سامنے پکٹنگ کرو اور جلسوں میں تقریریں، مگر وہ تو خدا ہی نے روکا ہمیں اس حرکت سے اور ہمیں خیال ہوا کہ اس سے پہلے ہندوستان کی عورتوں کی ترقی، بیداری اور تعلیم و ہنرمندی پر ایک نظر ڈال لیں، اگر ضرورت ثابت ہو جائے تو پھر ایک ننھے میاں کی والدہ کیا دس والدائیں نہ بھیجیں کہ نام تو ہو کہ ہاں بھئی ملّا رموزی صاحب خاصے شریکِ ترقی ہوئے لیکن یہاں پہنچ کر ایک سوال تھا وہ یہ کہ صحیح معنے میں "عورت ذات" کسے قرار دیا جائے کیونکہ صرف و نحو کے قاعدوں سے تو عورت اسم نکرہ ہے یعنی ہر وہ آدمی نا چیز جو کرتا ہوں کے عوض "کرتی ہوں" کہے اور آتا ہوں کے عوض "آتی ہوں" کہے "فہو العورت ذات"، مگر ڈر پیدا ہو کہ اس طرح ہر "آتی ہوں" اور "کرتی ہوں" کو عورت قرار دینے سے یہ "لونڈیاں" لڑکیاں، بچیاں، بلیاں"، اور بُڑھنگیاں، بھی عورت قرار دیدی جائیں گی، کیونکہ یہ بھی تو لڑکپن سے بڑھاپے تک یہی کہتی ہیں کہ "آ تو رہی ہوں مرے کیوں جاتے ہو"، اس لئے ضابطہ یوں بنانا پڑا کہ "عورت ذات وہ جو کسی مرد کی بیوی ہو"، پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر بیوی فقط کوتوالوں، مجسٹریٹوں، عالموں اور رئیسوں ہی کے ہاں تو ہوتی نہیں ہے بلکہ وہ تو کسان کے ہاں بھی ہوتی ہے اور مہاجن کے ہاں بھی، دھوبی کے ہاں بھی اور چمار کے ہاں بھی، جُلاہے کے گھر میں بھی، اور تمبولی کے گھر میں بھی، بھٹیارے کے گھر میں بھی، اور مالی کے گھر میں بھی، پھر یہ بھی نہیں کہ وہ صرف ہندوستان کے گھروں ملتی ہے بلکہ وہ یورپ میں بھی ہوتی ہے، امریکہ میں بھی، افریقہ میں بھی، اور ایشیاء کے دوسرے ممالک میں بھی، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ لکھو تو ان سب کو لکھو ورنہ ایک کو بھی نہ لکھو

اب جو یہ طے پایا تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، یہ سوچکر کہ اسے خدا کے بندے مُلّا رموزی تو اتنی دور دور کی اور اتنی زیادہ بیویوں کے ازدواجی حالات لکھنے چلا ہے تو تیری نا طلب قوم میں علم و تصنیف کا یہ ذوق کہاں کہ وہ تجھے یورپ کا ٹکٹ بھی دلا دے اور امریکہ کا بھی، افریقہ بھی بھیجدے اور ایشیاء میں بھی ہر شہر دکھا دے، اور تو ہندوستان تک کے ہر فرقے اور ہر قبیلے کی بیوی کے حالات بچشم خود دیکھنے کے لئے اگر جانا چاہے تو یہ تیری ہی قوم کے ریلوے ٹکٹ کلکٹر تجھے بے ٹکٹ پاکر وہ کالی وردی والے ریلوے سب انسپکٹر پولیس کے حوالے کردیں اور شرافت سے یہ بھی نہ کہیں کہ معاف کیجے گا مُلّا صاحب یہ ہے معاملہ ضابطہ کا، اور اے بے چارے مُلّا رموزی تیرے لئے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تیری قوم کے دولت مند لوگ ایک ایسا عظیم الشان کتب خانہ عطا فرمادیں جس میں تمام دنیا کی بیویوں کے حالات موجود ملیں اور اُنھیں ہر زبان کا ترجمان اور مترجم ترجمہ کرکے تیری میز پر رکھتا جائے اور لکھتا جائے اس لئے تو بھی بس اتنا کرکہ بیرونی ممالک کے جتنے حالات تجھے آسانی سے اخباروں رسالوں اور کتابوں میں مل جائیں اُن سے نہایت خشک اور ہلکے ہلکے خاکے بیرونی بیویوں کے اس لئے پیش کردے تاکہ یہ تیرے ہندوستان کی بیویاں اُن نمونوں سے اپنے حالات کا اندازہ کرکے کسی مفید انقلاب کو اپنے لئے منتخب اور اختیار کرسکیں، لہٰذا اس کتاب کے حصۂ اول میں یورپ، امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے جن ممالک کی بیویوں کے حالات کم یا خشک نظر آئیں تو اس کی سزا اُنھیں دیجے، جو یورپ و امریکہ جاتے وقت مُلّا رموزی ایسے بالغ نظر اہلِ قلم اور محقق مضمون نگار سے جھوٹ کو اتنا بھی نہیں کہتے کہ ارے بھئی نہر سوئیز، اور پیرس تک ہی تم بھی

* چلو اور اگر دل چاہے تو لنڈن تک بھی چلے چلو،

یہی نقشہ نظر آئیگا آپ کو دھوبی، بھنگی، حلوائی، بھٹیارے، کنجڑے، تیلی، کسان، رنڈی اور تھیٹر کی بیویوں میں کہ ان میں سے ہر ایک کے مکمل [illegible] ات کے لئے ہمیں ایک گراں قدر منصب دیکر لکھنؤ میں بھی رکھا جاتا اور پنجاب میں بھی، کلکتے میں بھی، اور بمبئی میں بھی، تاکہ ہر صوبے اور ہر ضلعے کی ازدواجی زندگی اور میاں بیوی کے مکمل حالات خود دیکھ کر لکھتے مگر جب یہ نہ ہوا تو فیصلہ کیا کہ ان حالات کو بھی اتنا ہی لکھدو جتنا کہ اپنے اُن گھر میں رہ کر جانتے ہو جس میں تم مُلّا رموزی صاحب سے ملنے کے لئے بڑے بڑے لیڈر ایڈیٹر، اور افسر آتے ہیں اور یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ واقعی مُلّا رموزی تم بہت غریب آدمی ہو، یہ دیکھو تو تمہارا مکان کتنا شکستہ ہو رہا ہے، مگر کوئی نہیں بنوا دیتا اس کو، خیر بھائی صبر کرو مُلّا صاحب،

پس ان حالات پر یہ نہ سمجھ لیجے کہ تصنیف و تالیف اور تحقیق و جامعیت کے ساتھ مُلّا رموزی نے یہ کتاب لکھی ہے، بلکہ یوں سمجھو کہ اس کتاب نے خود مُلّا رموزی کو لکھا ہے، تاکہ رہتی سہتی دنیا کو اس کتاب کے ذریعہ معلوم ہوتا رہے کہ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان میں زبانِ اُردو بولنے والے اور اُنکے لکھنے والے یوں لکھا کرتے تھے کہ ایسی اُردو تک پر لعنت،



اب تصنیفی اور ترتیبی اعتبارات و اُصول سے اس کتاب کا معاملہ یوں ہے کہ

ہندوستان میں عورت کا جو مفہوم خود عورتوں نے اور مردوں نے سمجھا وہ یہاں کی مختلف اقوام کے میل جول اور رسم و رواج سے ہمیشہ متأثر اور منقلب ہوتا رہا، چنانچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ بعض معتقدات و اعتبارات ہندو عورتوں سے مسلمان عورتوں نے اختیار کر لئے اور بعض ہندو عورتوں نے مسلمان عورتوں کی باتیں سیکھ لیں، اسی طرح عورت اور اُس کی فضیلت کا معاملہ بھی کبھی طے نہ ہونے پایا، البتہ انگریز قوم کے غلبہ پانے سے اس معاملہ میں پھر ایک طرح کی جان آگئی، یہاں تک کہ تقریباً نصف صدی سے ہندوستان میں یورپ کی "تقلیدی عورت" پیدا کرنے کا خیال محسوس ہونے لگا، لیکن اس خیال کی رفتار اتنی ہی تیز تھی جتنی کہ ایک تندرست آدمی کی رفتار افیون کھا لینے کے بعد ہو جایا کرتی ہے، لیکن جنگ یورپ بابت ۱۹۱۴ء کے بعد سے خود ہندوستان میں انگریزوں سے ہندوستان آزاد کرانے کی تحریک نے جس ذہنی بیداری کو ترقی دی اُس میں "عورت کی ضرورت" کا احساس اب اتنا ہی تیز نظر آنے لگا جتنا کہ ملک مصر میں بلوہ ہو جانے کے وقت یورپ کے ہوائی جہاز اپنی رعایا کو بٹھا کر بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر یہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے "عورت کی ترقی" کا معاملہ اصل میں ایک بحرانی اور پُرجوش جذبہ تھا جس نے بغیر صحیح قسم کی تعلیم و تربیت کے عورت عورت کی آواز اور مطالبہ کی صورت اختیار کر لی، اور اسی لئے بعض "شُدبُد شدہ عورتیں" نمائش اور عمل کے اُن بلند تر مقامات پر ایک دم نظر آنے لگیں، جہاں بڑے بڑے پختہ کار اور آزمودہ کار لوگ نظر آتے ہیں اس لئے

مانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تم جس ترقی یافتہ عورت کو دکھانے چلے
یا جو عورت ہو کر اپنی برادری کو "حقوق طلب" اور "مساوات خواہ" ثابت
رتی ہے . دیکھے کہ اصل عورتیں کن حالات میں مبتلا ہیں اور کہاں پڑی ہیں؟
ان میں سے ہر ایک کے لئے کن کن اسباب ترقی کی ضرورت ہے؟ اس لئے
ں کرنا پڑا کہ اپنی بیوی سے لیکر جتنی بیویاں ہوسکیں لکھ دیں اور جس طرح ہو سکا
عدیں، تاکہ مصلحین ملک اور رہنما خواتین کو اپنے اصلاحی امور میں اس کتاب
سے مدد ملے، اس لئے اس کتاب میں جتنے خاکے نظر آئیں اُنھیں مکمل نہ سمجھئے
رنہ ۱۹۱۴ء سے پہلے کے، کیونکہ اس میں جو کچھ ہے وہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے ہے
لہ تازہ بتازہ نو بنو، کہا جاسکے جبکہ مقصود اصلاح بھی "عورات حاضرہ" کا ہے
لہ "عورات غیر حاضرہ" کا

ں اگر آپ نے آنے والے صفحات میں تفریح اور مذاق کو چھوڑ کر یہ معلوم فرما لیا
ہ ہندوستان کی اصل عورت یہ نہیں جو یورپی اقوام کے لباس ان کی عادات
اطوار، اُن کی زبان اور اُن کے ہر عمل کا تقلیدی ڈھانچ بنی ہوئی ہے بلکہ ہندوستان
اصل عورت وہ ہے جو اس کتاب کے بیچ میں، کسان، مزدور، دھوبی، جُلاہے،
نگی، تمبولی، بھٹیارے، مالی، تیلی، کنجڑے، حلوائی، رنڈی، چمار، گداگر، مہاجن اور
رموزی کی بیوی بنی ہوئی ہے، تو مُلّا رموزی خوش ہوگا کہ خدائے رحیم و رحمان نے
ں کی نیک نیتی اور محنت کو قبول فرما لیا، کیونکہ انھی عورتوں سے آپ کو "نسوانی ہندکی

اصلاح و ترقی کے صحیح راستے ملیں گے،

وَصَلِّ عَلٰی نَبِیِّ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

ملّا رموزی

۱۱- اپریل ۱۹۳۱ء، مطابق ۲۲- ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیوی کی ضرورت

انسانیت کی تکمیل و تہذیب، عروج و ترقی، اور نظم و انصرام کیلئے شادی کی فرضیت اور ضرورت ہر قوم اور ملک میں مسلم ہے۔ ہندوستان میں بھی اس ضرورت سے انکار تو نہیں کیا جاتا لیکن اسے "خوفناک" اور ہلاکت بار، ضرور کہا جاتا ہے۔ جس کا اصل سبب آگے بیان کیا جائے گا۔

دنیائے انسانیت اور بنی نوع بشر کے مصلح اعظم اور مسلمانوں کے ہادی و مرشد رسول خدا حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو "عمل خیر" کہا ہے اور ایسے اشخاص کو جن کی مالی اور جسمی مقدرت مسلم ہو چار عورتوں سے شادی کرنا جائز فرمایا ہے، اور آج دنیا جہان کے حکما اور ارباب فضل و تحقیق بھی بہ یک وقت چار شادیاں کرنیکے حق میں ہیں بشرطیکہ شوہر ان چار عورتوں کے حقوق و فرائض کو مساوی طور پر ادا کرنے کے ساتھ ہی ان میں ربط و یگانگت بھی قائم رکھ سکے۔

انسانی ضروریات کے لحاظ سے شادی اس درجہ ضروری چیز ہے کہ بغیر اس کے انسان اپنی کسی تحریک اور ضرورت کو اچھی طرح سے پورا نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وہ

خود اپنی زندگی کو سہولت، دلجمعی، سکون، نظم و جامعیت، اور تنظیم و تہذیب کے ساتھ بسر نہیں کر سکتا، جماعت میں بھی اُس کو کوئی وزن و وقار حاصل نہیں ہوتا اور خاندان میں بھی وہ باوصف خاصی عمر کے "لونڈا" اور چھچھورا ہی بنا رہتا ہے۔

اہل شہر، اہل محلہ، اور کوتوال شہر کی نظر میں بھی اگر وہ رات کو اپنے گھر پر موجود نہ ملے تو مشتبہ ہی رہتا ہے، اور عورت ذاتوں میں تو اُس کی کوئی عزت ہی نہیں۔"

مذہب محترم اسلام کی نظر میں بھی اُس کا کوئی وقار اس لئے نہیں کہ وہ ایک مسنون طریق و ضابطہ سے گریز کرنے والا ہے۔"

ہائی کورٹ کی نظر میں بھی وہ حقوق وراثت اور جانشینی کی مراعات سے بنی نوع بشر کو دانستہ طور پر محروم رکھنے کا مجرم ہے۔"

حکیموں اور ڈاکٹروں کی نظر میں بھی اُس کا دماغ "پاگل" ہوتا ہے یا وہ خود مجنون ہوتا ہے، یعنی غیر شادی شدہ انسان کی صحت نہ معتدل سمجھی جا سکتی نہ قابل اعتبار گویا وہ ایک طرح کا گدھا بھی ہوتا ہے، اور انشا پردازوں اور مدیرین وقت کی نظر میں صرف "بے جورو آدمی" ہی ہو سکتا ہے، جو الفت و عاشقی، رحم و کرم، عدل و انصاف، عفو و درگذر، کفایت و انصاف، مساوات و رواداری، صبر و تحمل، اضطراب و اشتعال اور بین الانسانی اخلاق و روابط اور خواص و خصائل سے یکسر سمجھا جا سکتا ہے کہ بلا شادی کئے ان جذبات و تأثرات کا تجربہ ناممکن ہے، اور اسی لئے انسان کا احساس عمل اور ذہنی صلاحیت قابل اعتماد نہیں۔"

پھر اس لئے بھی شادی ضروری ہے کہ ہندوستان سے
میں بی اے پاس کرنا اور انگریزوں سے اپنی حکومت بغیر لڑے چھین
نہیں رہ گیا ہے بلکہ اُس کے ذمہ اور دوسرے اور بے شمار کام بھی ہیں جس میں
سب سے بڑا کام روزی کمانا بھی ہے جسے ملازمت بھی کہتے ہیں اور تجارت و زراعت
بھی مگر تمدن یا جماعتی قاعدوں کے حساب سے انسان روزی اُسی وقت کما سکتا ہے
جب وہ کافی محنت اور مستعدی سے کام لے، پھر جب وہ روزانہ کافی محنت اور
مستعدی سے کوئی کام کرے گا تو اُسے سات بجے شام سے صبح کی اذانوں تک آرام
اور کامل راحت کی بھی ضرورت ہوگی اور وہاں پکی ہوئی روٹی بھی چاہے گا، یعنی
اُسے یہ بھی ضرورت ہے کہ وہ انسانوں میں رہ کر "جامۂ انسانیت" میں بھی رہے
اور جامۂ انسانیت "کہتے ہیں اس کو کہ انسان کا ایک مکان ہو اُس کے صاف ستھرے
کپڑے ہوں پمپ جوتا ہو، اوڑھنے بچھانے کو لحاف ہو، کمبل ہو، چادر ہو، اور روٹی
پکانے کے برتن ہوں، مرغا مرغی ہوں، بکرا بکری ہوں، صندوق ہوں، الماریاں ہوں
سر کے انگریزی بال سنوارنے کے لئے آئینہ ہو، روشنی کے لئے بجلی کا ہنڈا نہیں تو
ایک دیا تو ہو، اور جو ذرا بڑا انسان ہو تو پھر اُس کے لئے داڑھی صاف کرنے کے
اُسترے، صابون، لونڈر، آئینہ، تولیہ، ٹینس کا بلا، ہاتھ کی گھڑی، پتلون،
کوٹ، پان کا ڈبہ، سیگریٹ کیس، اور ہیئت کے ساتھ ہی صبح سویرے انڈے
پراٹھے چائے، کیک، بسکٹ، اور حلوا بھی ہو، پس ان تمام چیزوں کی حفاظت،

فائی، اور دیکھ بھال کیلئے بیوی اور فقط بیوی ہی درکار ہے، اور جو آپ یہ کہیں کہ ایک ملازمہ، یا پال لیجئے ایک لڑکی پھر رہنے دیجئے تھوڑے دن اُسے اپنے گھر میں، کچھ دن بعد ہی یہ نتیجہ نکلے گا کہ کوتوالی میں رپٹ لکھاتے پھریں گے اور گواہ ڈھونڈھتے پھریں گے اور اس سب پر آپ سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ ملازمہ کو آپ اشرفیوں، گنیوں، نوٹوں اور روپیہ کا بکس بھی دیدیں، یا اُسے اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھانا بھی کھلائیں، یا یہ کہ آپ اپنے ہاتھ سے اُسکے منہ میں، انڈے، پراٹھے، کباب، قیمہ گوشت، متھرا کے پیڑے، آگرے کے دال موٹ، علی گڈھ کا مکھن، الہ آباد کے امرود، ملیح آباد کے آم بھوپال کا گٹکا، لکھنؤ کا خمیرہ، جبل پور کی بیڑی، پنجاب کی لسّی مصر کا سیگریٹ اور لنڈن کا جوتہ دیتے جائیں اور خوش بھی رہیں، یا اپنی بھانجی کی شادی میں اُسے دُلہن کے کپڑے پہنا کر بھیجدیں اور ساری عورتیں اُسی کا استقبال کریں، اور جو آپ اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ بھی کریں تب بھی وہ ایک دن کسی محلے والے کے ساتھ بمبئی بھاگ جائیگی لہٰذا ثابت ہوا کہ بیوی ہی ہو سکتی ہے جو انسان کے گھر کے اندر رہ کر اُس کی ہر طرح کی معاون اور خدمت گذار رہ سکتی ہے"

ان سب کے سوا پھر یہ دیکھئے۔ کہ انسان کی فطرت ذرا چور بھی واقع ہوئی ہے اور بعض معاملات و مسائل میں انسان بہت سی باتیں اپنے دل میں محفوظ رکھتا ہے۔ مگر وہ قدرتاً اس ذخیرہ کو ہر وقت محفوظ بھی نہیں رکھ سکتا۔ اور ایسے حالات میں اُسے ایک معاون، رازداں اور رازدار کی ضرورت بھی لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً آپ دل میا

ارادہ کریں کہ مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور۔ پر نشا
لے کر شہر کابل پر حملہ کریں۔ اور بچہ سقا کو نکال کر غازی نادر خاں کو تخت کابل پر بادشا
بنا کر بٹھادیں یا بادشاہ امان اللہ خاں کو اٹلی سے [illegible] یا
ہندوستان کی قانون بنانے والی مجلس واقع دہلی کے بھرے اجلاس میں بم کا گولا ایسے
ممبروں پر پھینک ماریں جو انگریزوں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں۔ یا آپ لاہور کے
کسی بند مکان میں بیٹھ کر بم کے گولے بنائیں۔ اور چاہیں کہ سی۔ آئی ڈی کا کوئی آدمی
ہمیں جھانک نہ لے۔ یا آپ اسٹیشن منماڑ پر ریل کے ڈبے میں بم کا گولا چلا دیں، یا نئی
دہلی کے قریب آپ وائسرائے کی ریل گاڑی کو بم کے گولے سے بچا کر اڑا دینا چاہیں
یا آپ جناب سائمن کمیشن صاحب کو کالی کالی جھنڈیاں دکھا کر ڈرائیں۔ تاکہ وہ ہندوستان
میں انگریزوں کی حکومت قائم رہنے کا کوئی پائیدار قانون نہ بنائیں۔ یا آپ رات کے وقت
انگریزوں کو ڈرانے کیلئے دیواروں پر "سرخ رنگ کے" اشتہار چسپاں کریں، یا آپ
سمرقند اور شہر بخارا جا کر روسی لوگوں سے اس لئے روپیہ لانا چاہیں کہ اس روپیہ سے
ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف لوگوں کو فساد اور بے چینی پھیلانے پر
آمادہ کریں گے یا اس روپیہ کو اخبارات کو دے کر ان سے انگریزوں کے
خلاف مضامین لکھوائیں گے۔ یا اس روپے کو آپ ہندوستان کے کسانوں میں
یہ کہہ کر تقسیم فرمائیں کہ جب ہندوستان پر حکومت روس کی فوجیں حملہ کریں تو تم بھی
کلہاڑیاں ہاتھوں میں لیکر انگریزوں پر ٹوٹ پڑنا، یا تم کلہاڑیوں سے حملہ نہ کر سکو تو

۔ روسی فوجوں کو غلہ، چارپائیاں، لوٹے۔ گھی، چاول، دال، قیمہ گوشت، اور حقہ دینا یا آپ چاہیں کہ شہر بمبئی کے مزدوروں کو یہ کہکر تاؤ دلائیں کہ تمہاری دن بھر کی مزدوری سے یہ کارخانوں کے مالک تو پیتے ہیں شراب اور موٹروں پر بیٹھے پھرتے ہیں اور تمہیں دیتے ہیں فقط چار آنے روزانہ۔ اس لئے تم کام چھوڑ دو عرف ہڑتال کردو تو پھر یہ لوگ تمہاری اُجرت میں اضافہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، یا آپ چاہیں کہ علی گڈھ یونیورسٹی اور ہندوستان کے ہر اسکول میں جاکر کہدیا جائے کہ تم ہندوستانی طالب علم ہو کر اپنے ملک کے بنے ہوئے کپڑے اور اپنی ملکی زبان کو استعمال نہ کروگے تو تمہارا گلا گھونٹ دیا جائیگا، یا آپ شہر لاہور کی کسی رنڈی پر فریفتہ ہو کر اُس کے دوسرے دوست کو قتل کر کے اس کی نعش کو ایک صندوق میں بند کر کے کسی دریا کے کنارے پھینکنا چاہیں، یا چلتی ہوئی ریل میں آپ مسافروں کا سامان چرانے کے لئے رات دن ریلوں میں چڑھے پھریں، یا آپ خفیہ پولیس کی ملازمت کر کے سادھوؤں اور مولویوں کا لباس پہن کر ادھر سے اُدھر چکر لگاتے پھریں، یا افلاس سے تنگ آکر اور تنخواہ کی کمی کے باعث اغوا، ڈاکہ، مداخلت بیجا بخانہ بوقت شب یا بوقت دوپہر، یا استحصال بالجبر، اقدام قتل، قتل عمد، یا خودکشی کے ارادہ سے ایڈیٹر اخبار "ہمت" لکھنو مولانا جالب دہلوی کے برابر افیون کھانا چاہیں یا ان میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب کر گزریں یا ارتکاب کا ارادہ فرمائیں، یا ارادہ کر کے باہر نکلیں۔ کہ پولیس والے آپ کو آگے دھرلیں، یا ریل میں سوتے ہوئے مسافروں کے صندوق ریل سے باہر اپنے

مقرر کئے ہوئے دوستوں کے لئے پھینک دیں اور خود پولیس کے سپاہی بھی بنے رہیں
یا کانگرس کے اجلاس، اجمیر شریف کے عرس اور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی قوالی
میں آپ لوگوں کی جیب کاٹنے تشریف لیجائیں، یا اپنا نام سیماب اکبرآبادی اور ساغر علی
گڑھی رکھکر رئیسوں کو قصیدے سنانے جائیں اور جب وہاں سے ناکام واپس ہوں تو
ملاّ رموزی کے خلاف مضامین لکھنا چاہیں اور نہ شرمائیں تو ان تمام قسم کے اعمال و جرائم
میں رازداری کی ضرورت ہوگی اور اس رازداری کے لئے آپ کو بیوی سے زیادہ محبوب
صادق، مستقل مزاج اور پابند عہد کوئی دوسرا رازدار نہ ملیگا۔ کیونکہ عورت جب کسی کی
ہو جاتی ہے تو اس کی ساری زندگی اسی شخص سے متعلق ہو کر رہ جاتی ہے جسکی وہ بیوی ہو چکی ہے
لہذا کسی راز کو ظاہر کر کے وہ اپنے شوہر کو کوتوالی پہنچائیگی نہ خود کو توالی جائے گی
پھر فرض کیجئے کہ آپ بچپن میں محلے کے لونڈوں کے ساتھ بیڑی اور سیگریٹ پینا شروع
کریں پھر آپ تھوڑی سی چرس بھی پینا شروع فرمادیں، پھر ذرا سی شراب بھی کہ اتنے میں
آپ کی شادی ہو جائے اور اب آپ گانجا اور چانڈو بھی پینا شروع کر دیں تو اس سے
آپ کے جسم کی تمام بجلی ایک دم ٹھنڈی ہو جائے گی اب نہ آپ ملازمت کے قابل
رہیں گے نہ تجارت کے نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ فاقہ کشی کی حد پر پہنچ جائیں گے اس وقت بس
ایک آپ کی بیوی یوں کام آئے گی کہ آپ اگر اُس کا زیور جہیز کے برتن اور کپڑے فروخت
کر کے کھاتے رہیں گے تو زندگی کے بقیہ دن بغیر جیل جانے کے کٹ جائینگے اور بیوی کی
نالش سے بھی محفوظ رہیں گے کیونکہ وہ بیوی ہی نہیں سمجھی جاتی جو اپنے شوہر پر نالش کرے

فرض کیجئے کہ آپ کو چلتے چلتے بخار آجائے اور آپ گھر میں آکر کہیں اسے لحاف تو اُڑھا دو، ارے اللہ میاں، میں تو مر گیا، پھر آپ کے لئے ڈاکٹر انصاری بلائے جائیں وہ آکر آپ کے سینہ پر ایک آلہ لگائیں اور سینہ کو خوب ٹھوکیں اور اتنے داموں کی ایک دوا دے جائیں کہ ان سے سارا شہر خرید لیا جائے مگر آپ کو آرام نہ ہو تو آپ کے لئے پھر کوئی "شفار الملک" قسم کے حکیم صاحب بلائے جائیں اور یہ آپ کو دیے جائیں گل بنفشہ، تخم خطمی، گاؤزباں، عناب اور شربت سکنجبین مگر آپ اسی حالت میں کھالیں آم کا اچار تو ہو جائے آپ کو دوسری بیماری، پھر اسی حالت میں آپ کو زکام بھی اور نمونیہ بھی اور اسی حالت میں آپ الہ آباد کے امرود بھی کھالیں اور اب آپ کو سورہ یٰسین سنانے میں بہت کم مدت رہ جائے تو ظاہر ہے کہ آپ رات کو خود نہ سوئینگے نہ دوسروں کو سونے دیں گے۔ اور جب اس طرح آپ پر کئی راتیں گذر جائیں گی تو ایک دن آپ کی والدہ صاحبہ تک تہجد کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو جائیں گی اب اوس وقت اگر آپ کو معلوم ہو گی پیاس تو ایک شخص اس حالت میں خموشی سے آپ کو پانی کا گلاس دیگا اور آنسوؤں کو صاف کرتا جائیگا اور یہی آپ کی بیوی ہوگی جو آپ کی بیماری کی حالت میں کام آئیگی، فرض کیجئے کہ کسی دن آپ کا دل چاہیگا کہ آج مچھلی کھائیں مگر ملازمت کی حاضری کا وقت پورا ہو جانے کی وجہ سے آپ کسی راہ گیر کے ہاتھ اس مچھلی کو گھر بھیجدیں اور تاکید فرمادیں کہ اس میں خوب خوب گھی ڈال کر اسے پکانا میں دفتر سے آکر کھاؤں گا۔ مگر اتفاق سے آج ہی آپ کے دفتر کا افسر بدل جائے

اور اس کی جگہ کوئی علیگڈہ کا پڑھا ہوا افسر ہوکر آجائے اور آتے ہی اپنا رعب بٹھانے کے لئے وہ رات کے گیارہ بجے تک کام کرتا رہے تو یاد رکھیئے کہ اس عرصہ میں اس مچھلی کو آپ کے والد صاحب والدہ صاحبہ، بہن اور بھائیوں نے چٹ کرلیا ہوگا اور آپ بارہ بجے رات کو اس خوشی میں گھر پہنچیں گے کہ مچھلی کھاؤں گا پھر گھر پہنچکر علیگڈہ کے پڑھے ہوئے افسروں کی فرعونیت، غرور اور کرشتانی خواص پر آپ تاؤ بھی کھاتے جائیں گے اور مچھلی کھانے کے لئے ہاتھ بھی دھوتے جائیں گے۔ کہ کوئی آہستہ سے کہیگا کہ ارے لاحول ولا وہ مچھلی تو ہمنے کھالی ورنہ خراب ہوجاتی، اس وقت اس خبر سے آپ اس قدر کھول جائیں گے کہ اپنے تمام خاندان کو یہ کہکر گورنمنٹ کے حوالے کردیں کہ انہیں یا پھانسی پر لٹکا دیا جائے یا کالے پانی بھیجدیا جائے کہ بس اسی نازکی حالت میں اوسی مچھلی کا ایک نہایت نظر نواز پیالہ آپ کے دسترخوان پر آجائیگا اور یہ پیالہ وہ ہوگا جو آپ کی بیوی نے سارے خاندان کی نظر بچا کر پہلے ہی کسی طاق میں رکھدیا ہوگا کہ ایسی محبت اور ہمدردی قدرت نے بیوی ہی کو عطا فرمائی ہے علی گڈہ کے لونڈوں کو نہیں، فرض کیجیے کہ آپ ملا رموزی کی طرح دن بھر نوکری کی پابندی اور اور افسروں کی خوشامد سے تھک کر رات کو مضمون نگاری کے لئے تازہ دماغ ہونیکے واسطے قوالی کی محفلوں سے تہجد کی نماز کے وقت گھر واپس آنے کے عادی ہوں لہذا جب اس قدر رات گزرجانے پر آپ آکر دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو آپ کے والد صاحب چارپائی پر ہی سے آپ کو نالائق، مردود، خبیث، اور آوارہ کہیں گے، والدہ صاحبہ

اگر بیدار ہو جائیں گی تو بد دُعا فرمائیں گی یا اتنا ضرور کہیں گی کہ۔ یہ روزانہ کہاں جا کر مر جاتے ہو، بہن بھائی آپ کی آواز سنکر لحافوں میں منہ چھپا کر فرضی سو نا سو جائیں گے۔ مگر ایک اور ذات ہو گی جو اپنے بچہ کو روتا چھوڑ کر کچھ گنگناتی ہوئی آئے گی اور آپ کے لئے دروازہ کھول دے گی اور یہ وہ ذات ہو گی جسے بیوی کہتے ہیں

فرض کیجے آپ کبھی علی گڑھ میں پیدا ہو گئے تھے مگر آپ تھے رنڈی کے پیٹ سے اس لئے آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر کسی نے توجہ نہ کی کہ اتنے میں کسی اکبر آبادی شاعر کی نظر آپ پر پڑی اور اس نے راتوں رات آپ کو گانا سکھایا اور لیکر گیا امیروں کے پاس اور آپ کے گانے سے خوب روپیہ کمایا اتنے میں ہو گئی آپ کی آواز خراب جاہل تو پہلے ہی تھے اس لئے اب آپ بجز چوری کے اور کیا کرتے لہذا آپ نے چوری کی اور کوتوالی میں مار کھائی اور جیل خانے گئے پھر جیل خانے میں کسی پٹھان قیدی کی امداد سے آپ رات کے وقت جیل خانے کو پھاند کر بھاگ گئے اور پھر دہلی یا آگرہ میں پکڑے گئے اور جیل خانے بھیجے گئے اور اسی طرح آپ کو گزر گئے تیس برس تو اب آپ ساری دنیا میں بجائے شاعر اور ایڈیٹر کے ”نمبری بدمعاش“ مشہور ہو جائیں گے اور کوئی نہ ہو گا جو آپ کے سلام کا جواب تک دے۔ کہ اسی حالت میں آپ اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کر کے کسی مسجد میں جا بیٹھیں گے اور محلے کے لوگ کسی یتیم خانہ کی لڑکی سے آپ شادی کرا دیں گے، تو یہ لڑکی آپ کی ”نمبری بدمعاشی“ کو کبھی خاطر میں نہ لائیگی اور عمر بھر آپ کی عزت اور خدمت میں اپنا سب کچھ خرچ کر دے گی کہ ایسی ہی محبت

ہوا کرتی ہے بیوی کو اپنے شوہر سے خواہ وہ آگرہ کا بھانڈ ہو یا علی گڑھ کا قوال،

فرض کیجئے کہ آپ دنیا کے زبردست اور لاجواب ادیب اور علامہ ہوں۔ لیکن غلامی کی ماؤف ذہنیت کی وجہ سے آپ کے کمال اور ہنر کی قدر باہر کے لوگ تو کریں مگر شہر والے آپ کو کوئی خاص وقعت نہ دیں، آپ حکمت و موعظت کے لاکھوں سبق دیں اور اپنے کمال کی بنا پر سارے ہندوستان کی آنکھ کے تارے بن جائیں لیکن دفتر کے افسر لوگ "پانیر" اخبار کے سوا کبھی آپ کے جواہر ریزوں پر نظر بھی نہ ڈالیں تو آپ اس صدمہ سے دل تنگ ہو کر گھر میں آئیں اور گھر والے بھی آپ کو گھر کی مرغی سمجھیں تو اس سے آپ کا صدمہ دوچند ہو جائیگا۔ مگر ایک آپ کی بیوی ہو گی جو آپ کی نیک شہرت بلند قابلیت اور اعلیٰ ذہانت پر یوں فخر کرے گی کہ آپ کی فضیلت کی دھاک وہ اپنی ساری سہیلیوں پر بٹھا دیگی اور آپ کی شہرت کی اطلاع پا کر وہ آپ پر خود کو نثار کرتی رہے گی۔

پس یہ اور اسی قسم کے بے شمار و بے قیاس اسباب ہیں جو شادی کی ضرورت اس کی فرضیت اور فوائد کو ثابت کرتے ہیں اور انہی اسباب کے تحت دنیا کی ہر قوم اور ہر فرد کے نزدیک شادی ایک ضروری کام ہے ٭

۲۵

بیوی کی تعریف

آپ یہ نہ سمجھ لیجے کہ "بیوی کی تعریف" سے یہ مطلب ہے کہ مُلّا رموزی اپنی بیوی کی اس طرح تعریف کرنے چلے ہیں کہ ہماری بیوی بے حد حسین ہے، بے حد جمیل ہے، بے حد موٹی تازی ہے، بے حد تیز ہے۔ اور بے حد دلیر اور جفاکش ہے بے حد وفادار ہے۔ بے حد خدمت گزار ہے، بے حد سلیقہ مند ہے، بے حد کفایت شعار ہے۔ اور سب سے بڑی خوب صورتی یہ کہ بے حد صاحب اولاد ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا کو بتا دیا جائے کہ جب بیوی خریدی جائے تو کس قسم کی؟

چنانچہ بیوی کے اندر جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ مع فوائد و اثرات یہ ہیں۔

۱- نہایت درجہ صحیح نسب اور خاندان کی لڑکی ہو، نسب اور خاندان کے صحیح ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اوس کی تمام عادتیں حد سے زیادہ قابل تعریف اور لائق اطمینان ہوتی ہیں جیسی کہ ماشاء اللہ چشم بد دور ہماری بیوی صاحبہ کی ہیں کہ جس رنگ میں دیکھو سبحان اللہ ہی سبحان اللہ

۲- بیس برس کی عمر ہو کہ یہی وقت عقلی اور ذہنی قویٰ کی پختگی اور ترقی کا ہوتا ہے اور شوہر جس قسم کی تعلیم دینا چاہے اوس کے قبول کرنے اور سمجھ لینے کی صلاحیت کافی ہوتی ہے، اس سے سوا عمر کی عورت سے شادی کرنے کے

یہ معنی ہیں کہ ایک شوہر نے دوسرے شوہر سے شادی کر لی ؟

۴۔ قوی میں حد سے سوا اعتدال ہو اس سے بیوی آئے دن کی کھانسی، زکام، بخار، انفلوانزا، نمونیا، ہیضے، طاعون، سل، دق، اور دوسرے محفوظ رہتی ہے اور ایسی بیوی کا شوہر کنین، مکچر نمبر ٹو، کلورا فارم، ٹنچر، انجکشن آپریشن، گل بنفشہ، تخم خطمی، گاؤزباں، عناب، سپستاں، شربت انار اور عرق نیلوفر، کی خریداری سے محفوظ رہتا ہے، ایسی ہی بیوی ہوتی ہے جو معتدل مزاج بھی رہ سکتی ہے اور جب معتدل مزاج ہے تو وہ کبھی شوہر سے نہ کہیگی کہ

حق میں اچھا نہ ہوگا اگر آج تم نے مجھے پمپ جوتا لا کر نہ دیا، اور حق میں اچھا نہ ہوگا جو اب تم نے کبھی ننھے کے معاملہ میں مجھ سے ایک لفظ بھی کہا ہے۔

اور حق میں اچھا نہ ہوگا جو تم آج میری بالیاں خرید کر نہ لائے اور سنتے بھی ہو کہ نہیں کہ وہ جو تم نے مجھ سے کمخواب کی شلوار کا وعدہ کیا تھا وہ کہاں ہے ؟

بس تو مجھے میرے میکے جانے دو اور

بس تو مجھے بھی تمہاری پروا نہیں ہے اور

بس تو سنبھالو تمہاری اولاد کو، اور

بس جواب ایک حرف بھی زبان سے کہا ہے، اور

بس رکھدو میرا مہر، اور

لاؤ میرے جہیز کا زیور جو تم فروخت کر کے کھا گئے ہو۔ اور

بس اس پر گھمنڈ نہ کرنا کہ میں ڈپٹی کلکٹر ہوں، اللہ میرے باپ کو رکھے وہ بھی پٹھان ہے اور جاگیردار بھی، اور میں بھی کلب کی ممبر ہوں، اور

بس منہ سنبھال کر بولنا، میں پانچ بھائیوں کی ایک بہن ہوں میری روٹی کسی پر بھاری نہیں ہے۔

تو لو یہ چلی میں بھی اب دیکھوں رکھہ تو لو میری اولاد کو تم اپنے قبضہ میں!

کیا کہا ذرا پھر کہنا؟

۴۔ حد سے سوا خوبصورت ہو! وہ بے حد حسین مگر نہ اسقدر کہ پھر شوہر کو دفتر جانا بھی محال نظر آئے۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ شوہر صاحب مغرب کے بعد ہی گھر میں آجاتے ہیں اور صبح بھی خدا خدا کرکے گھر سے نکلتے ہیں، ہماری طرح نہیں کہ

۵۔ جیسے پیا گھر رہے ویسے رہے بدبس۔

حسن بے حد سے آپس میں اتفاق اور محبت بڑھتی رہتی ہے، اور ایسے میاں بیوی عمر بھر فارخطی اور طلاق سے محفوظ رہتے ہیں بیوی کے بے حد حسین ہونے سے خوبصورت اور تندرست انسانوں میں اضافہ ہوتا ہے، خوبصورت عورت قدرۃً مزاج کی صفائی پسند اور سلیقہ مند ہوتی ہے یہ نہیں کہ ایک ایک ماہ تک بیوی بھی بدبو بھنبار بنی ہوئی ہیں اور اُن کی اولاد بھی اُنہوں کی،

خوبصورت بیوی سے شوہر کی تعریف میں محلے اور شہر کی ہر قسم کی خالہ بی اور نانی اماں سرگرم رہتی ہیں اور برادری میں عزت بڑھتی ہے اور خوبصورتی کے

باعث خود بیوی شوہر کے اکثر مظالم سے محفوظ رہتی ہے، مثلاً پھر شوہر عمر بھر دوسرا نکاح نہیں کرتا جس طرح ملا رموزی فکر میں ہیں۔

خوبصورت بیوی کے لئے زیادہ بھاری زیور کی ضرورت کم ہوتی ہے ورنہ اپنی بدصورت حالت کا بدلہ وہ شوہر سے قیمتی لباس اور زیور بنوا کر لیتی ہے۔

خوبصورت بیوی اپنی آرائش میں بہت کم وقت صرف کرتی ہے کیونکہ اوسے اپنی قدرتی خوبصورتی پر خود ہی گھمنڈ ہوتا ہے۔

خوبصورت بیوی کا بدصورت شوہر بھی کبھی غلیظ میلا گندہ اور سست نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ بیوی کی خوبصورتی اور صفائی سے ہر وقت مرعوب اور شرمندہ رہتا ہے اس لئے اپنے اندر بھی نفاست اور خوبصورتی پیدا کرنے پر مائل ہوتا ہے ملا رموزی صاحب کی طرح نہیں کہ خود ہی دل گھبرایا تو کپڑے بدل لئے اور خود ہی کپڑوں کو پسند کر لیا، جب چاہا گھر میں آئے اور جب چاہا نکل گئے، جب چاہا سو گئے اور جب چاہا بیدار ہوئے، خوبصورت بیوی سے نہ ساس لڑتی نہ نند، ان سے بیوی کو اوس کی ساس ہر محفل اور ہر تقریب میں لیجاتی ہے اور عورتوں کو دکھا دکھا کر فخر کرتی ہے، اور نند صاحبہ بھی "بھابی جان" کہکر پڑی بنی رہتی ہیں ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ ساس کے طعنے صبح سے شام تک جاری اور پھوپال کا طنز شام سے صبح تک موجود، جس سے سارے گھر کا امن برباد اور خوش حالی رفوچکر۔"

۵۔ بیوی مالدار آدمی کی بیٹی ہو اور صاحب مال، اس سے شوہر مالی افکار اور مشکلات سے محفوظ رہتا ہے مگر نہ اس درجہ مالدار ہو کہ شوہر صاحب اوس کے موٹر ڈرائیور معلوم ہوں، مالدار بیوی شوہر کی مالی مشکلات کا بہترین مددگار ہے اس سے خود بیوی شوہر کے مظالم سے محفوظ رہتی ہے، تنگ دست اور غریب بیوی نہ شوہر کی نظر میں ذی اثر نہ ساس سسر کی نظر میں اچھی، بس پڑی رہو اور روکھی سوکھی کھاتی رہو۔"

مالدار بیوی سے غیرت دار شوہر میں بہت زیادہ روزی کمانے کی حیا پیدا ہوتی ہے اور کاروباری قوتیں اس لئے بیدار و مشتغل رہتی ہیں کہ کہیں بیوی کی نظر میں شوہر ذلیل اور محتاج نہ سمجھا جائے۔

مالدار بیوی سے شوہر اپنے سسرال کی مشکلات سے محفوظ رہتا ہے ورنہ غریب بیوی کے باوا کو بھی عمر بھر روٹی دیجئے اور بیوی کی والدہ کو بھی۔"

مالدار بیوی سے لڑائی بھی کم ہوتی ہے اس لئے کہ نفاق اور باہم آویزی تنگ دستی اور افلاس کی پریشانیوں سے پیدا ہوتی ہے۔"

مالدار بیوی محلے کی عورتوں میں بھی ذی عزت اور خاندان کی عورتوں میں بھی ذی عزت رہتی ہے، اس پر شوہر بھی فخر کرتا ہے اور اولاد بھی۔"

مالدار بیوی گھر کے انتظام سے لیکر اولاد کی پرورش میں کامیاب رہتی ہے۔

مالدار بیوی کے بعض نقصانات یہ ہیں۔

اور شوہر سے آزاد اور بے خوف رہتی ہے۔

۲۔ وہ شوہر کے تمام خاندان کو حقیر سمجھتی ہے۔"

۳۔ وہ جب چاہتی ہیں کلب چلی جاتی ہے اور جب چاہتی ہے ٹھنڈی سڑک اور تھیٹر کا تماشہ دیکھنے۔

۴۔ مالدار بیوی کا شوہر سست، کاہل اور اکثر فیونی ہو کر رہ جاتا ہے مگر ملا رموزی کے خیال میں ان نقصانات پر بھی بیوی کا مالدار ہونا نہایت درجہ مفید اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تمام نقصانات شوہر کی دماغی قابلیت سے دور ہو سکتی ہیں اور محتاج بیوی کی تکلیفوں سے بہت کم ہیں۔

۶۔ جہاں تک ہو بیوی کا دنیا میں کوئی نہ ہو اور اگر ہو تو ایک دو رشتہ دار کیوں کہ بیوی کے بڑے خاندان کے باعث شوہر آئے دن سسرالی جھگڑوں اور رسوم میں مبتلا رہتا ہے، اوس کا گھر ساس، سسر، سالہ، سالی، پھر دادا سسر چچا سسر، ماموں سسر، پھوپا سسر، خالو سسر، نانا سسر، اور نانی ساس، دادی ساس دادی ساس، خالہ ساس، چچی ساس، پھوپی ساس، اور خدا جانے کتنی ساسوں سے بھرا رہتا ہے۔ آج سسر کے سلام کو جائیے تو کل ساس کے پرسوں خالو سسر کو جھک کر آداب عرض کرنی چاہیئے۔ تو پھر پھوپا سسر کا نسخہ بازار سے لا کر دیجیئے، کبھی سالوں کی تعلیمی نگرانی اپنے سر لیجیئے تو کبھی سالی کے بچوں کو کھلونے دلانے جائیے۔ پھر سالی کے لڑکے کی شادی میں بھی شرکت کیجیئے اور سالے کے لڑکی کے

عقیقے میں بھی، پھر عید پر سالوں کو بھی روپے دیجیے، اور سالیوں کو بھی، اور اگر سسر کی دو بیویاں ہوں تو لگا لیجے حساب پندرہ سولہ سالوں اور سالیوں کے مصارف کا، پھر اتنے ہی سسرال والوں کا علاج بھی کیجیے اور معالجہ بھی، پھر انہوں ہی کے کفن کے لئے بھی چندہ دیجیے اور دفن کے لئے بھی، بس اتنے زیادہ رشتہ داروں والی بیوی سے تو آدمی بکریاں چراتا پھرے جنھیں سنبھالنے اور چرانے سے دودھ بھی کھائے اور دولت بھی کمائے۔

کم رشتہ داروں والی بیوی مجبوراً وفادار بھی ہوتی ہے اور متحمل مزاج بھی جفاکش بھی اور مہربان بھی، ورنہ بات بات پر برقعہ اور ڈولی موجود اور لیجے وہ چلیں اماں بی کے گھر۔

۷۔ اپنے ہی گاؤں، قصبے، اور شہر کی بیوی ہو، اس سے شوہر مالی اور دماغی پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے اور اگر اپنی ہی برادری کی ہو تو سب سے بہتر ورنہ پھر لندن سے بیاہ لانا تو آسان ہے مگر رکھنا جیسا کچھ مشکل ہے وہ ہندوستانی ڈپٹی کلکٹروں کے لڑکوں سے دریافت کر لیجے۔

پردیسی بیوی کے ساتھ ہر ماہ اور ہر سال ریل کے ٹکٹ اور بدمعاش ٹکٹ کلکٹروں کے مصارف اور جھگڑوں سے نجات نہیں، جس اسٹیشن پر دیکھو کوئی ہندوستانی ٹکٹ کلکٹر قینچی بجاتا ہوا آپ کے سر پر یوں سوار ہے کہ

اور کیوں صاحب یہ آپ کے گھر کے لوگ ہیں نا؟

اور کیوں صاحب یہ ان کے برقعہ کے اندر کوئی بچہ ہے یا صندوق؟

تو بس تو پھر لائیے اس بچے کے نصف ٹکٹ کے دام،

اور کیوں صاحب وہ جو سرخ برقعہ اوڑھے بیٹھی ہیں وہ آپ کے ساتھ جارہی ہیں یا کسی اور صاحب کی سواری ہیں؟ تو پھر ان کا ٹکٹ کہاں ہے؟

یہ تو آپ نے فقط دو ٹکٹ دیے ہیں، تو بس تو پھر اُتاریئے انھیں ریل سے یا ڈبل کرایہ ادا کیجیے، ورنہ چلیئے مع اہلیہ محترمہ اسٹیشن ماسٹر صاحب کی "انگریزی روبکاری میں یا پھر آپ ہیں کہ ٹکٹ کلکٹر کا گریبان پکڑے اوس سے کہہ رہے ہیں کہ ابے تو حرامزادے تو زنانہ ڈبے کے اندر کیوں گیا؟

تو مردود لعین تو نے مجھ سے پہلے ٹکٹ کیوں نہ مانگا،

پھر بتاؤں تجھکو ٹکٹ مانگنا،

ابے ہاں ہم نے خود دیکھا کہ تو ڈبے کے اندر جھانک رہا تھا، تو پھر لیے کیوں نہیں کہتا اندھے کے بچے ملے یہ دیکھ اون کا ٹکٹ اور یہ ہے میرا ٹکٹ

پس ظاہر ہے کہ بیوی کے ایسے سفر کا نتیجہ یا ریلوے کے تھانے میں پہونچانا ہے یا عدالت میں،

پھر پردیسی بیوی کو آج کل جو سب سے بڑا خطرہ ہے وہ ان اللہ کے بندوں کا جو دہلی کے اسٹیشن سے اُڑا کر یوں لے بھاگتے ہیں کہ آپ لاہور پہونچ جاہیئے اور بیوی دہلی میں ہندو سے مسلمان کرلی جاتی ہیں یا مسلمان سے ہندو،

پھر لڑتے پھریئے پردیسی عدالتوں اور چندے کرایئے انجمن ہائے تبلیغ و شدھی پھر یہ اخبارات دوڑیں تو لاکھوں آدمیوں کے سامنے آپ کو آپ کی بیوی کو مع عدالتی کارروائی کے یوں چھاپ کر رکھدیں کہ پھر چھپائے نہ چھپے اور مٹائے نہ مٹے' پھر اگر بیوی کے ساتھ اون کے دس بھائی آئیں تو کرایہ دیجئے اور دس بہنیں آئیں تو آپ کرایہ دیجئے' روحانی اور دماغی اذیت یہ کہ بیوی پردیس کے سسرال میں وفات پا رہی ہیں اور آپ کو ملازمت سے نہ رخصت علالت ملتی نہ رخصت مرگ ناگہانی' نتیجہ یہ کہ وہ پردیس میں وفات پاگئیں اور آپ اپنے دفتر میں اور بچے گھر میں چہلم تک روتے رہیں تو نہ یہ گورنمنٹ پر داکری نہ کوئی حاکم عدالت دعویٰ قبول کرے' پھر کرتے پھریئے دوسرے اور تیسرے' پھر اگر پردیسی بیوی کے علیٰ ہذا اور علیٰ ہذا القیاس قسم کے نقصانات' بھی جمع کر لیجئے تو ایسی بیوی سے تو یہ بہتر ہے کہ آدمی ہر سال ایک حج کر آئے۔

۸۔ آدمی خواہ کسی حیثیت کا ہو مگر بیوی جب انتخاب کرے تو اعلیٰ تعلیم یافتہ مقصد یہ نہیں ہے کہ تمام کاشتکار بھی بی' اے' پاس بیویاں تلاش کرنے پر مستعد ہو جائیں' مگر ہاں یہ ضرور ہے' اگر شوہر سے بیوی زیادہ ہوشمند ہو تو نفع ہی نفع ہے۔ تعلیم یافتہ سے مراد یہی نہیں کہ بیوی ہر حال میں اسکول ہی کی پڑھی ہوئی ہو اور پھر وہ بھی انگریزی ہی پڑھی ہوئی ہو منشار تو یہ ہے کہ وہ اپنی ہی زبان اور اپنے ہی علوم کی ماہر ہو کیوں کہ تعلیم یافتہ بیوی ہر حال میں مفید اور راحت بخش

ہوتی ہے، اس کے باعث گھر کی انتظامی حالت میں سلیقہ احتیاط، کفایت، سکون، آسودگی، اور ترقی نظر آتی ہے۔ خصوصاً ایسے شوہر کے لئے تو تعلیم یافتہ بیوی نعمت ہی نعمت ہے جو خود بھی صاحبِ عقل و ہوش ہو اور موجودہ زمانے میں غیر تعلیم یافتہ بیوی کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے وہ مجنون صاحب کی لیلیٰ مرحومہ سے کوئی شخص آج شادی کرنا چاہے،

تعلیم یافتہ بیوی سے جس طرح گھر کی رونق حاصل ہوتی ہے اوسی طرح اولاد اور خاندان کی اصلاح و خدمت میں اس سے وہ امداد ملتی ہے جو حکومت فرانس نے مراقش کے مسلمانوں سے تلوار کے زور سے حاصل کی تھی، تعلیم یافتہ بیوی شوہر کی حد سے سوا وفادار، خیر خواہ، اور خدمت گزار ہوتی ہے اور شوہر اس کی عقلی شائستگی سے ہر آن اور ہر لحظہ آرام پاتا ہے، جاہل بیوی کے مقابل اس میں ضبط و تحمل اور تأمل اندیشی کی قوت زیادہ بیدار ہوتی ہے اور بڑی راحت یہ کہ ہر کام شوہر کی مرضی کا کرتی ہے بے علم بیوی سے نااتفاقی، فرار، اغوا، چمپت ہو جانے اور شوہر کی ہلاکت اور ذلت کا ہر کام یقینی ہے اس لئے کہ وہ تعلیم نہ ہونے کے باعث کسی ذمہ داری اور اہمیت کو پہچان ہی نہیں سکتی۔ بے علم بیوی میں خوف خدا، نہ جماعت کے آداب کا لحاظ نہ اسے آمد و خرچ کا سلیقہ نہ لباس اور زیور کی تمیز، جتنا چاہتی ہے دوسروں کو کھلاتی ہے، بڑی مصیبت یہ ہے کہ شوہر کا بھیجا ہوا خط دروازہ پر کھڑے ہو کر راہ گیر سے پڑھواتی ہے اور اوسی سے جواب لکھواتی ہے، اگر اس کا

شوہر سیدھا چلتا ہے تو یہ ہمیشہ اُلٹی چلتی ہے، اگر اس کا شوہر میٹھی بات کرتا ہے تو یہ ہمیشہ جوتا مارتی ہے، غرض جاہل بیوی شوہر کے لئے اتنی ہی تکلیف دینے والی ہوتی ہے جتنے یہ کانگریس والے انگریزی حکومت کے لئے، اس لئے ہر مرد کیلئے تعلیم یافتہ بیوی ہی مفید ہے خواہ وہ مرد کسی برادری اور کسی حیثیت کا ہو،

۹۔ بیوی کی سب سے آخری تعریف یہ ہے کہ شوہر نے شادی سے پہلے اوسے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا بھی ہو اور پسند بھی کیا ہو، یعنی جو بیوی بھی کی جائے بغیر دیکھے اور پسند کئے نہ کی جائے، بغیر دیکھے کسی عورت سے شادی کر لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھے حافظ جی دوسرے اندھے حافظ جی سے شادی کر لیں، ناپسندیدہ اور بے دیکھی بیوی شوہر کیلئے آخرت کا عذاب بھی اور دنیا کا بھی، ہندوستانی مسلمانوں میں بیوی کے انتخاب کے جو طریقے رائج ہیں وہ خلاف اسلام اور خلاف عقل ہیں اس لئے اونہیں پوری شدت اور جرأت سے توڑ دینا چاہیئے، لیکن جو لوگ ان جاہلانہ قیود کو توڑنے کے مخالف ہیں سمجھو کہ یہی لوگ انسانیت اور مذہب کے دشمن ہیں۔

۱۰۔ ہمیشہ کم سے کم مہر اور کم سے کم داموں کی بیوی خریدنا چاہیئے، خریدنا اس لئے لکھا ہے کہ مسلمانان ہند میں جو دولت بیوی کے حصول پر خرچ کیجاتی ہے وہ صحیح معنی کی تجارت اور معاوضہ ہوتا ہے اس لئے ایسی ہی بیوی مفید ہوتی ہے جس پر روپیہ کم خرچ ہو، وہ بیوی ہی نہیں جس کے حاصل ہونے کے بعد شوہر

مہاجنوں کا قرضہ ادا کرتے ہوئے مرجائے مگر ادا نہو

یہ دس چیزیں ہیں جن کا ہونا ایک بیوی کے اندر ضروری ہے پس جب ایک عورت میں یہ دس کی دس خوبیاں ہوں اوسے بیوی بنا یا جائے، یہ نہیں کہ اگر ایک خوبی ہے تو کرلیا اور دو ہیں تو بیوی بنا لیا، اور باقی کمزوریوں کو خدا کا حوالہ کہکر قبول کرلیا،

دوسری قوموں کی بیوی

دوسری قوموں کی بیوی سے مراد ہے "یورپ، امریکہ اور افریقہ کی بیوی یہ تینوں علاقے تین براعظم ہیں یعنی خشکی کے وہ حصے جہاں انسان آباد ہیں، ان کے بعد ایشیا کا براعظم ہے جس کے ایک حصے میں ہندوستان ہی آباد ہے پس مذکورہ بالا تینوں براعظموں کی بیوی کے حالات بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی باشندوں کی بیویوں کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے پہلے دوسری قوموں کی بیویوں کے حالات کا ایک دھندلا سا خاکہ بھی سامنے رہے، لہذا معلوم کیجے کہ یورپ، امریکہ، اور افریقہ کے اکثر علاقے سرد برفانی اور آب وہوا کے لحاظ سے نہایت درجہ معتدل اور خوش گوار واقع ہوئے ہیں، اور انھی اثرات سے وہاں کے باشندے ایشیا کے باشندوں سے بہ لحاظ دماغ، قوی، اور جسم کے نہایت افضل اور قابل تعریف ہوتے ہیں۔ پھر آب وہوا کے بہترین

اثرات کے بعد یورپ، امریکہ، اور افریقہ کے اکثر باشندوں کو "آزادی" کی نعمت حاصل ہے یعنی ان باشندوں کو کسی قوم کی غلامی اور رعایا ہونے کی ذلت نصیب نہیں ہوئی ہے اور کچھ شک نہیں کہ غلامی کے باعث انسان کے دماغ میں ہمیشہ فکر، پریشانی اور خوف کا غلبہ رہتا ہے جس کے باعث اوس کی فطری قوتیں ہمیشہ برباد اور ضعیف رہتی ہیں۔

تیسری دولت جو یورپ امریکہ اور افریقہ والوں کو حاصل ہے وہ اُن کی دولت مندی اور ہنر مندی ہے، یعنی یورپ اور امریکہ والے خصوصیت سے دنیا کے تمام باشندوں سے علم و ہنر اور حکمرانی میں آگے ہیں مگر اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اون کی یہ ترقی کسی تعویذ یا گنڈے کے اثر سے ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اوس طرف کے باشندوں نے سب سے پہلے اپنی قدرتی اور فطرتی بہادری، مردانگی، ہمت، حوصلے، اور عمل سے کام لیکر دور دراز ملکوں اور شہروں کو فتح کیا کروڑوں باشندوں کو پہلے خون میں نہلایا اور پھر ملک فتح کیا مگر حوصلہ نہ ہارا، اس کے بعد انھوں نے علم و ہنر کی قدر پہچانی اور پھر علم و ہنر کے حاصل کرنے میں مصروف ہوئے۔

پھر دنیا میں دولت کا دروازہ کھولنے والی چیز یعنی تجارت کے لئے خطرناک سے خطرناک مقامات کا سفر کیا، اور اپنے وطن اپنے رشتہ داروں اور اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر اُن مقامات میں جا کر آباد ہو گئے

جہاں اون کو تجارت سے فائدہ پہونچتا تھا۔

پھر یہ تمام باتیں بھی ایک دن میں حاصل نہیں ہوئیں بلکہ موجودہ یورپ امریکہ اور افریقہ کی ترقی کم سے کم چھ سو برس اور زیادہ سے زیادہ ایکہزار برس کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کی بیوی ایشیا کی تمام بیویوں سے آگے اور ترقی یافتہ نظر آتی ہے۔

مثلاً ان ممالک کی بیوی اپنے شوہر کے برابر تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہوتی ہے، ذی حوصلہ، خود مختار، ملازم، اور صناع ہوتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی طرح تنہا سفر بھی کرتی ہے اور تجارت بھی صنعت و حرفت، ایجاد و اختراع، سیاست و انتظام اور امور خانہ داری میں یوں طاق کہ دس شوہر ایک طرف اور وہ اکیلی ایک طرف اوسے شوہر کی اصلاح و نگرانی اور ہدایت کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ملکوں اور شہروں کے فتح کرنے اور اپنے وطن کو دشمن سے بچانے کے لئے میدان جنگ میں مردوں کے ساتھ توپ اور تلوار سے بھی مقابلہ کرتی ہے، اور اندرون ملک بھی وہ کسی کام سے محتاج اور عاجز نہیں رہتی۔

یہی حالت کسی وقت عرب کے مسلمان عورتوں کی تھی جنہوں نے ملکی لڑائیوں اور انتظامی معاملات میں مردوں کے برابر حصہ لیکر دوسرے مسلمانوں کو سبق دیا تھا کہ وہ بھی اون کی طرح کام کرکے دنیا میں ناموری کی زندگی حاصل کریں۔

الغرض مذکورہ بالا ممالک کی بیوی کی ترقی آج حد ادب تک پہونچ چکی ہے
ور یہ انتہائی ترقی کا نتیجہ ہے کہ اب ان تمام ممالک کی بیوی اپنے شوہر کے حق میں
بجائے راحت کے مصیبت بنتی جارہی ہے مثلاً آج کل یہ بیوی اپنے شوہر سے
ہ آگے نہیں تو بالکل برابر رہنے کے لئے شدید مقابلہ کررہی ہے اس کے ہاں آئے
ن کی طلاق اور شوہر پر مقدمہ چلادینے کی عادت کوئی شرمناک بات نہیں
ہی وہ ملازمت میں بھی شوہر کے برابر حق طلب کرتی ہے وہ شادی کے
سئلہ میں بھی مرد کے برابر آزاد ہوچکی ہے وہ پردے اور کھیل تماشوں کی
بندسے بھی آزاد ہوچکی ہے۔ وہ موٹر بھی چلاتی ہے اور ہوائی جہاز بھی وہ
ارگھر میں بھی کام کرتی ہے اور عدالت میں وہ لیڈی ڈاکٹر بھی ہے اور
سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی وہ تاجراعظم بھی ہوتی ہے اور تھیٹر کی مالک بھی،
ہ گھوڑدوڑ میں شریک ہوتی ہے اور دنگل میں بھی غرض دنیا کا کوئی کام اور
وئی میدان نہیں ہے جس میں وہ اپنے مرد کے برابر شریک نہ ہوتی ہو۔

اگرچہ ہندوستان بھی عورتوں کی ترقی سے بالکل ہی محروم نہیں بلکہ
ہندوستانی خواتین میں سے بعض نے اپنی دماغی اور عملی فضیلت کے لحاظ سے
ان ممالک کی عورتوں پر غلبہ حاصل کیا ہے جسکے لئے ہم علیا حضرت نواب
سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے ریاست بھوپال کا نام پیش کرسکتے ہیں
جنکی سیاست دانی اور اعلیٰ بیدارمغزی کا اعتراف یورپ تک کے مدبرین

اور اصحاب فضیلت نے کیا ہے یہی حال ہندوستان کی دوسری خواتین کا ہے جن میں اب وکیل مجسٹریٹ اور صاحب ایجاد خواتین پیدا ہو رہی ہیں فرق یہ ہے کہ یورپ امریکہ کی دماغی ترقی وہاں کی دیرینہ اور کئی صدی قبل کی کوششوں کا نتیجہ ہے' اور ہندوستان میں عورتوں کی ترقی کی کوشش کا اب آغاز ہوا ہے جسے پچیس (۲۵) سال کا مشکوک زمانہ کہہ سکتے ہیں پس اس سبب کے تحت اب آپ مذکورہ بالا ممالک کی بیویوں کے چند خاکے ملاحظہ فرمائیے، تاکہ پھر ہندوستانی بیوی کے حالات کے فرق کو سمجھ لینا آپ کے لئے آسان ہو جائے۔"

یورپ کی بیوی

یورپ کی بیوی کے حالات سے پہلے چند سطروں میں یورپ کو سمجھ لیجیے تاکہ یورپی بیوی کے حالات سمجھنے میں آسانی ہو' چنانچہ یورپ نام ہے خشکی کے اوس حصہ کا جو دنیا کے تمام دوسرے خشک حصوں میں سے صرف ایک حصہ کو چھوڑ کر باقی تمام حصوں سے چھوٹا ہے، یہ ۱۳- لاکھ مربع میل زمین کا خشک حصہ ہے اس پر ذیل کی مشہور حکومتیں یا قومیں آباد ہیں، انگریز، فرانسیسی، جرمن آسٹروی' بلقانی' اطالوی' ترکی' ان کے سوا اور بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اور ریاستیں ہیں' اس قطعہ زمین عقلی اور عملی ترقی دنیا کے تمام حصوں سے زیادہ ہے جس کے اسباب یہ ہیں کہ۔

۱۔ یہ قطعہ زمین منطقہ معتدلہ میں واقع ہے اس لئے یہاں نہ گرمی کی شدت ہوتی۔ نہ سردی کی، نہ بارش کی زیادتی ہوتی نہ قلت۔

۲۔ یہ حصہ زمین رُوئے زمین کی خشکی کے مرکز پر واقع ہے اس لئے یہاں کے باشندوں کو تجارت کی خاص سہولتیں حاصل ہیں۔

۳۔ اس کا ساحل اسکے رقبے کے مقابلے میں ہر خشکی کے حصہ سے بڑا ہے۔

۴۔ یہاں بارش کی زیادتی نہیں، مگر کافی ہوتی ہے، جنوب ومغرب سے منقلب تجارتی ہوائیں ہمیشہ برساتی ہیں،

۵۔ معدنیات خصوصاً لوہے اور کوئلے کی زیادتی ہے ان قدرتی اسباب کے باعث یہاں کے باشندوں کا خون ہندوستانیوں کی طرح پسینہ بنکر ایک مرتبہ بھی نہیں بہتا۔ بلکہ اون کی صحت نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ اون کی عملی اور عقلی قوتیں صحت کے عمدہ ہونے کے باعث ہندوستانیوں سے بہت زیادہ اچھی اور طاقتور ہوتی ہیں اور اسی لئے اون میں سے ہر ایک کے حوصلہ استقلال اور بہادری کا معاملہ ہندوستانیوں سے بلند ہوتا ہے اور اور یہ انہی قدرتی اسباب کا اثر ہے کہ یورپ کے باشندے ایک عرصہ تک بے علم اور بے ہنر رہنے پر جب علم حاصل کرنے اور دنیا کمانے پر آئے تو اُنھوں نے ایسے انوکھے علوم وفنون حاصل کئے کہ اپنے ہندوستان کی موٹی موٹی کتابیں چاٹنے والے آج بھی ان کے سامنے ذلیل اور شرمندہ نظر آتے ہیں، اسیطرح

جب ان باشندوں نے تلوار سنبھالی تو دنیا کا ہر حصہ فتح کر کے رکھدیا اور ہم آپ آج تک یہی کھے جاتے ہیں کہ ایسے تمھارے باوا فتح کر نہیں سکتے وہ ڈھوکہ دہوکہ دیکر تم نے فتح کرلیا۔

الغرض یورپ کے تمام باشندے اقوام عالم کی ابتدائی ترقیوں کیطرح خود نہایت پست اور جاہل تھے لیکن آج اون کی یہ رفتہ رفتہ ترقی اس حد کمال کو پہونچ چکی ہے جسے شباب کہا جاسکتا ہے چنانچہ عقلی ترقی کی انتہا ہے کہ یورپ میں اس وقت ۹۹ فیصدی مرد اور عورتیں تعلیم یافتہ ہیں، چونکہ ذہنی اور فکری اصلاح و ترقی کا قدرتی لازمی یہ ہے کہ انسان ایجاد و اختراع پر متوجہ ہوتا ہے اس لئے یورپ کے باشندے ہوائی جہاز، دریائی جہاز، ریلیں، مشین گنیں شیل کے گولے، بم، اور ۷۵ میل تک مارنے والی توپ بنانے کے بعد اپنی تھذیبی، جماعتی، سیاسی، اور اخلاقی حالت میں ایجاد و ترمیم پر متوجہ ہوئے جو ذہنی کمال اور ترقی کا فطری نتیجہ ہے، لہذا اون کی اس جماعتی اور اخلاقی ترقی اور ترمیم و اصلاح سے آجکل جو بیوی پیدا ہوئی ہے یا پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

ماں باپ اور خاندان کی اعلی دماغی صلاحیت کے باعث اس کے پیدا ہونے پر نہ اس کی والدہ مارے خوشی کے اپنے ڈوپٹے سے باہر ہوتی نہ اس کے والد صاحب کوٹ پتلون سے باہر، گو اس کے ہاں بھی اظہار مسّر

اور فضول رسموں کا کافی وجود ہے مگر نہ اتنا جتنا کہ ہندوستانیوں میں پایا جاتا ہے، اسی لئے اس کی پیدائش کی تقاریب اول تو یکسر ندارد اور جو ہوئیں بھی تو نہایت باوقار طریقہ پر، یہ نہیں کہ پیدائش سے لیکر دس بارہ دن تک مارے بندوقوں کے فیر اور باجوں کی آواز کے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا مشکل اور گھر میں سکون سے گفتگو کرنا حرام، پھر پیدائش کے وقت اس کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ لڑکی کی نانی صاحبہ کو ایک مہینہ کے لئے مہمان بلایا جائے۔ اور نانا میاں کو بھی خالو میاں کو بھی اور خالہ بی کو بھی، پھوپی صاحبہ کو بھی اور پھوپا صاحب کو بھی، اسی طرح زچہ کے لئے جو دایا آئے وہ تمام گھر سے انعامات وصول کرتی پھرے، بلکہ یورپ کا ہر شہر آدھا آدمی تجارت پیشہ اور ملازمت پیشہ ہوتا ہے اور اس درجہ حریص اور لالچی کہ اگر اوسے تجارت اور ملازمت کے لئے یورپ سے نکال کر کوہ قاف لے جایئے تو وہ مع بیوی کے بڑی خوشی سے کوہ قاف میں جا کر آباد ہو جاتا ہے اس لئے یورپ کی بیوی کی پیدائش اکثر غیر ممالک میں اور وطن سے دور واقع ہوتی ہے اس لئے قدرتاً پیدائش کے وقت اسکے یہاں مہمان کا طوفان بدتمیزی نظر نہیں آتا۔ بس ایک حسب ضابطہ دایا ہوتی ہے، جسے یہ لوگ "لیڈی" "ڈاکٹر" کہتے ہیں اور بس البتہ وطن میں پیدائش کے وقت چند عزیز ضرور آتے ہیں سو وہ بھی حد سے سوا " باضابطہ طریق پر "

اب دولت اور علم کے باعث پیدائش کے وقت ہی سے اس کی پرورش

کے لئے نہایت بہتر اور اعلیٰ درجہ کے قاعدے اختیار کئے جاتے ہیں اور انتہائی صفائی اور اصول کی پابندی سے اس کی پرورش کا آغاز ہوتا ہے، اسکی پرورش کے لئے نہایت سلیقہ مند اور تعلیم یافتہ ملازمہ رکھی جاتی ہے اور آٹھ دس سال کی عمر تک اسے گھر پر تعلیم دینے کے بعد فوراً کسی اسکول میں داخل کر دیا جاتا ہے تعلیم اور ہنر مندی کے بعد اوس کی شادی اوسی کے اختیار میں اس طرح دیدی جاتی ہے کہ وہ جس مرد سے راضی ہو اوس کے ساتھ بیاہ دی جائے چنانچہ شادی کے لئے میاں بیوی کو قبل شادی ایک دوسرے کو دیکھنے اور آپس میں تبادلہ خیالات کرنے کے جملہ مواقع نہایت آزادی سے دیے جاتی ہیں، اور چند اصول کے سوا باقی تمام معاملات میں وہی آزادی اور ذاتی پسند جائز ہے جسے اسلام نے مسلمانوں کی شادی بیاہ کے لئے مفید بتایا تھا اور جو اب چند خود غرض اور بے مغز مولویوں کے باعث مسلمانوں سے چھین لی گئی ہے۔ اور یہ ایسی ہی خلاف عقل و شرع پابندیوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں ۹۹ فیصدی شادیاں میاں بیوی کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں اور میاں بیوی عمر بھر ایک دوسرے کے مخالف رہتے ہیں جسطرح آپ کے مُلا رموزی صاحب کی شادی ہوئی ہے مگر یورپ کی بیوی کسی کی بیوی ہونے سے قبل اپنے شوہر کے جملہ حالات کو پسند کر کے شادی کی اجازت دیتی ہے۔ جو محض اعلیٰ تعلیم و تربیت کا اثر ہے۔

شادی میں اگرچہ بظاہر فضول رسموں کی کمی نظر آتی ہے۔ پھر اسکی شادی کے مصارف کم نہیں ہوتے، البتہ وہ شوہر کے گھر پہونچکر شرم و حجاب کی مریضہ نہیں بن جاتی جس طرح ہندوستانی دُلہن مارے فرضی حجاب کے سال بھر تک نہ ساس سے بات کرتی نہ سسرے اور گھر کا کام کرنا تو ہندوستان کی نئی دولہن کے لئے نہایت درجہ معیوب سی بات ہے، مگر یورپ کی بیوی جہاں اپنے شوہر کے گھر پہونچی کہ اب وہ سارے گھر کی کمانڈر انچیف نظر آنے لگی، تمام حساب و کتاب اور آمد و خرچ اوس کے اختیار میں دیدیا جاتا ہے، البتہ دولت کی کثرت کے باعث وہ گھر کا تمام کام خود نہیں کرتی بلکہ ملازمہ اور خدام کے ذریعہ وہ انتظام کرتی ہے اور کافی توجہ سے ہر کام کی نگرانی کرتی ہے، یہ نہیں کہ ہندوستانی بیوی کی طرح گھر کے ہزاروں کام کرنے کے بعد شام اور صبح کو دس سیر گیہوں لیکر اس طرح چکی چلائے کہ قوالی تانیں بھی بلند ہوتی رہیں اور گیہوں بھی پیستے رہیں، اگرچہ یورپ کی غریب بیوی بھی گھر کا تمام کام کرتی ہے اور بد دل نہیں ہوتی، مگر فرق یہ ہے کہ ہندوستان کی بیوی گھر کا کام دن رات کر کے بھی شوہر ساس اور سسر کے طعنے اور گالیاں سنتی رہتی ہے اور یورپ کی غریب سے غریب بیوی بھی گھر کا کام کر کے تھیٹر، اور سینما کے تماشہ کی تفریح میں جا کر شریک ہو سکتی ہے، وہ ٹھنڈی سڑک پر بھی گھومتی ہے اور ہوٹلوں میں بیٹھکر سوڈا واٹر اور فالودہ پینے سے تو کبھی چوکتی ہی نہیں۔

یورپ کی بیوی کا لباس نہایت قیمتی ہوتا ہے بلکہ لباس کے حساب سے وہ ہندوستان کی جاہل عورتوں سے کہیں زیادہ حریص اور شایق ہوتی ہے۔ اسی طرح گو وہ زیور مقدار میں کم پہنتی ہے مگر قیمت کے لحاظ سے وہ ہندوستانی عورتوں کے زیور سے کہیں سوا ہوتا ہے، کانوں میں نفیس سے بُندے گلے میں بیش قیمت ہار، ہاتھ میں ایک دو چوڑیاں، اُنگلی میں یاقوت اور جواہر کی انگوٹھی اور پائوں زیور سے خالی، یہ نہیں کہ پائوں میں بھی ڈہائی سیر کی جھانجیں توڑے، پازیب اور دوسرے قسم کا زیور اتنا کہ چلیں تو چھم تو بیٹھیں تو چھم وہ تو ہندوستان کی عورتوں کے بس کی بات نہیں ورنہ یہ اپنے پائوں پر سرکاری بینڈ باجہ تک باندہ کر چلنا بہت زیادہ پسند کریں۔

یورپ کی تمام قومیں چونکہ آزاد ہیں، اونہیں قومی حکومت حاصل ہے اور تعلیم میں بھی وہ سب سے آگے ہیں اس لئے اونہیں سب سے بڑی دولت جو حاصل ہے وہ "وحدتِ قومی" یعنی یورپ کی ہر قوم کے جو آداب و ضوابط تمدن و معاشرت اور مذہب و اخلاق سے متعلق ہیں اون میں ہمیشہ یکسانیت ہوتی ہے اور پوری پوری پابندی، مثلاً جس وقت اون کا بادشاہ چار پیتا ہے، اوسی وقت وہاں کا فقیر اور کسان بھی چاے پیتا ہے، اسی طرح میاں بیوی کے لئے بھی جو فرائض اور ذمہ داریاں ہیں اونھیں بلند اور پست طبقات میں پوری یکسانیت کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے الّا بعض حالات

میں فرق ہوگا مگر کثرت میں وحدت اور یکسانیت کے اصول برتے جاتے ہیں،
اسی لئے جو حقوق کہ یورپ کی عورت کے لئے خاص کر دیے گئے ہیں اون میں
مرد دخیل نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی بیوی اگرچہ بہت زیادہ آزاد
اور خطرناک ہے لیکن وہ اپنے شوہر کے لئے شفیق و مہربان بھی ہے سب سے بڑی
خوبی فرائض کی بجا آوری ہیں ان لوگوں کی پابندی اور مستعدی ہے لیکن
علوم اور دولت کی کثرت نے ان کے پچھلے قومی آداب و رسوم میں بھی دخل دیا ہے
اور اب یورپ کی بیوی شوہر کے لئے خود شوہر ہو چکی ہے مثلاً یورپ کی بیوی
اپنے شوہر کے لئے اوسی وقت تک مہربان اور شفیق ہے جب تک اوس کا
شوہر اوس کے ساتھ فرماں بردار اور خادم کی حیثیت سے برتاؤ کرتا ہے،
لیکن اگر شوہر صاحب کسی دن تاؤ کے ساتھ اپنی بیوی کو ایک آدھ چانٹا
رسید کر دیں تو صبح ہوتے ہوتے اون کی بیوی اون کے اوپر" ایک عدد
دعوی داغ دیتی ہے" اور جب تک شوہر صاحب بھری عدالت میں بیوی
صاحبہ کے قدموں پر اپنی ٹوپی رکھکر معافی نہ مانگ لیں بیوی صاحبہ مقدمہ واپس
نہیں لیتی ہیں، اور یہ حالت اصل میں علم و احساس کی زیادتی کا قدرتی
نتیجہ ہے مثلاً جب ایک ہندوستانی عورت اپنی زندگی کی ضروریات
ہی کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی تو وہ اپنی عزت اور حقوق کے متعلق کیا خاک
اندازہ کر سکتی ہے۔"

یورپ کی بیوی کو روپیہ کمانے کا اوتنا ہی شوق ہوتا ہے جتنا ہندوستانی بیوی کو خرچ کرنے کا فرق یہ ہے کہ ہندوستانی بیوی بے ہنر اور بے تعلیم ہونیکے باعث شوہر کے باوا تک کی جائداد فروخت کرکے اپنے لئے زیور بنانے پر حادی ہوتی ہے اور ریشم کی ساڑی اور پمپ جوتے کے بغیر اوسے چین نصیب نہیں ہوتا اور یورپ کی بیوی شوہر کی طرح ملازمت اور تجارت کرکے خود روپیہ کماتی ہے اور بنک میں جمع کرتی ہے، پھر وہ اپنی اس دولت کا زیادہ حصہ اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم پر خرچ کرتی ہے یا اسے تجارت میں لگا کر مزید آمدنی کے مواقع پیدا کرتی ہے اور اسی حیثیت سے وہ تجارت اور ملازمت کے لئے زیادہ مستعد زیادہ جفاکش اور زیادہ صاحب حوصلہ ہوتی ہے اور اسی آزاد عملی زندگی کے باعث وہ شوہر کے لئے خطرناک مواقع پر بھی نہایت درجہ شفیق رفیق زندگی ثابت ہوتی ہے مثلاً قومی اور ملکی جنگ کے مواقع پر یورپ کی ہر بیوی اپنے شوہر کے ساتھ میدانِ جنگ اور اندرونِ ملک غنیم کے مقابلہ کے لئے ہر امکانی خدمت بجالاتی ہے۔ چنانچہ جنگ یورپ بابت ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء یورپ کی ہر قسم کی بیوی نے اپنے شوہر کو میدان جنگ میں اور اندرون ملک امداد بہم پہونچائی اگرچہ جنگ میں یورپ کی بیوی اوس کمال بے جگری اور کثرت تعداد کے ساتھ اپنے شوہر کے کام نہ آئی جیسی کہ مراکش ریف، اور ترکی کی مسلمان عورتیں اپنے مردوں کی معاون ثابت ہوئیں پھر بھی یورپ کی

بیوی شجاعت وشہامت اور دلیری کے لحاظ سے اپنی فطری نزاکت کے اعتبار سے زیادہ قابل تعریف ہوتی ہے اور ابتوا وس کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہوائی جہاز چلاتی ہے اور نہیں ڈرتی، اگرچہ ہندوستان کی ایک رانی صاحبہ بھی سنہ ۱۹۳۰ء میں ہوائی جہاز پر سوار ہو چکی ہیں مگر ہندوستانی عورتوں کے مقابل یورپ کی عورت بیوی بنکر بہت زیادہ شجاع اور کارآمد ہو جاتی ہے۔

یورپ کی بیوی کا شوہر گھر کے انتظامات اور مصارف میں بیوی کو مختار کل بناتا ہے یہ ہندوستانیوں کی طرح نہیں کہ خود تو ہوٹل میں بریان اور پلاؤ کھا آئے اور بیوی سے کھدیا کہ بس جوار کی روٹی کھاتی ہو تو کھاؤ ورنہ اپنے باوا کے گھر جاؤ اسی لئے یورپ کا شوہر شام کے وقت کلب میں جاتا ہے اور بیوی سودا سلف لینے بازار میں چمکتی ہوئی نظر آتی ہے، پھر بازار میں بھی اپنے ہاں کی بوڑھی خالہ بی کی طرح نہیں کہ جو ایک آنے کی ترکاری لینے جائیں تو دس جگہ راستہ میں بیٹھکر کھانستی رہیں اور گھر اوس وقت واپس آئیں جب آپ دوسری ترکاری خود لاکر اور پکا کر کھالیں، بلکہ ہندوستان میں جتنی یورپی بیویاں سودا لیتے دیکھی گئی ہیں اس طرح کہ یہ آئی یہ دکان میں یہ چیز اُٹھائی وہ چیز دیکھی اسے جانچا اوسے سونگھا اور یہ لیا اور وہ گئی۔

عبادات حساب سے یورپ کی بیوی "بقدر ضرورت" پابند ہے اور اسی لئے ہندوستان کے مقابل یورپ کی بیوی کا اخلاق قابل اعتراض

قرار پائے ہیں۔

معاشرتی حیثیت سے یورپ کی بیوی نہایت درجہ محتاط صاف ستھری چاق چوبند ہوتی ہے وہ بچوں سے لیکر گھر کی ادنی ضرورت کا بوجہ بھی شوہر پر نہیں ڈالتی اسی لئے شوہر دکان یا ملازمت سے گھر آکر نہایت شان سے کھانا کھاتا ہے اور آرام کرسی پر لیٹ کر اخبار پڑھتا اور تاش کھیل کر سو جاتا ہے یہ نہیں کہ بیوی روٹی پکائے تو شوہر صاحب بچے کو کھلاتے رہیں، یا بیوی بچے کو کھلائے تو شوہر صاحب لکڑی پھاڑیں تب روٹی تیار ہو ورنہ جائیے اور ہوٹل میں کھانا کھا کر بچے والی بیوی کے لئے روٹی لیتے آئیے۔

یورپ کی بیوی تعلیم کی وجہ سے نیز قومی آداب واصول تربیت کے اثر سے شوہر سے اندھی محبت نہیں کرتی بلکہ اوس کی محبت شوہر سے نہایت "قانونی" ہوتی ہے اسی لئے شوہر میدان جنگ جائے، تجارت کے لئے وطن سے جہنم تک کے سفر پر جائے، نوکری کے لئے یورپ سے ہندوستان آئے غرض کہیں جائے، اوس کی بیوی پر ہراس نا امیدی مایوسی وحشت اور گھبراہٹ طاری نہیں ہوتی بس وہ جہاز یا ریل پر شوہر کو رخصت کرتے وقت اپنے ہاتھ کا رومال اوس وقت تک اڑاتی رہتی ہے جبتک شوہر کا جہاز یا ریل نظر آتی ہے مگر یہ نہیں کرتی کہ شوہر سے جھوم کر یا جھمٹ کر یا لپٹ کر یا لٹک کر اتنی زور سے رونے لگے کہ شوہر بھی گھر واپس آجائے

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یورپ کی بیوی شوہر سے زیادہ روپیہ کو عزیز رکھتی ہے اور اسی لئے وہ شوہر کے باہر چلے جانے کے بعد بچوں ہار مونیم باجوں اور اخباروں سے دل بہلاتی رہتی ہے۔ بڑے ہی عشق کا اظہار کرتی ہے تو پردیس گئے ہوئے شوہر کے لئے عید بقرعید پر میوے وغیرہ کا ایک آدھ پارسل بھیج دیتی ہے۔ سو یہ بھی اوس وقت جب وہ شوہر کے ساتھ پردیس نہیں جاتی ورنہ ہندوستان میں دیکھتے نہیں ہو کہ یورپ سے کس طرح وہ شوہر سے چمٹی ہوئی آتی ہے کہ پھر شوہر کو ہندوستانی خزانے سے پنشن دلا کر ہی واپس جاتی ہے پردیس کے تمام خطرات اور مصائب کے مقابلہ میں یہ نہایت دلیر اور شجاع ہوتی ہے۔

وہ شوہر کے گھر آ کر اپنے ماں باپ کو یوں بھول جاتی ہے گویا وہ اون کے ہاں پیدا ہی نہیں ہوئی تھی، وہ پردیس میں برسوں شوہر کے ساتھ رہتی ہے مگر اپنی اماں جان کو دیکھنے کے لئے شوہر کو چھوڑ کر نہیں جاتی یہ نہیں کہ ہر جمعہ کے دن دروازہ پر ڈولی رکھی ہوئی ہے اور بیوی صاحبہ اپنی اماں بی کے گھر جا رہی ہیں۔

مذکورہ بالا حالات واسباب کے لحاظ سے یورپ کی بیوی ہندوستانی بیوی کے نقطۂ نظر سے نہایت شوخ، بے حیا، غیر مہذب، اور نقصان رساں ہے مگر یورپ والوں کے خیال میں وہ بڑی قیمتی چیز ہے، اور ہونا بھی چاہئے جبکہ

ہر ملک اور ہر قوم کے آداب زندگی علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں اس لئے اگر یورپ کی بیوی سے کوئی کام کی بات لی جائے تو سب سے پہلے یہ کہ ہندوستانی عورت کو بیوی بن کر اپنے شوہر کا ایسا ہی رفیق بننا چاہئے۔ جتنا کہ یورپ کی بیوی ہوا کرتی ہے یعنی کام اور کسب دولت کے لحاظ سے اور یہ اوسی وقت ہوگا جب ہندوستانی عورت ذات اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہوگی اور ہندوستانی عورت کے لئے تعلیم اوس وقت ممکن ہوگی جب ہندوستانی گھرانوں اور خاندانوں کے تمام مرد تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہوکر قومی اور خاندانی دولتمندی میں اضافہ کریں۔

یورپ کی بیوی اپنے شوہر کی اوس محبت سے محروم رہتی ہے جو ہندوستانی بیوی کو حاصل ہوتی ہے، یعنی یورپ کے شوہر کو دولت کمانے سے کبھی فرصت حاصل نہیں ہوتی اس لئے بیوی اوس سے لطف حاصل نہیں کرسکتی اور اسی لئے یورپ کی بیوی کی زندگی ایک طرح کی افسردہ اور حسرت نصیب زندگی ہوتی ہے، یورپ کی بیوی مزاج کی نہایت درجہ تیز ہوتی ہے لہذا ہر ہفتہ شوہر سے لڑائی کے لئے تیار رہتی ہے، چنانچہ یورپ میں طلاقوں کی جو کثرت پائی جاتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری قوم میں نہیں، رنگ کی حد سے زیادہ سفید اعضا میں اعتدال، قد میں کہیں کہیں شوہر سے دو بیل اونچی۔"
علمی اعتبار سے بے پردہ ہونے کے باعث یورپ کی بیوی آج کل

زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے برابر شریک ہے یعنی وہ فوجی سپاہی سے لیکر پارلیمنٹ کی رکن، وزیر، جج، مجسٹریٹ، وکیل، اور ہر دفتر میں منشی جی صاحب" بنی ہوئی نظر آتی ہے صرف یہ نہیں سنا کہ وہ کوتوال صاحب بھی ہوتی ہے مگر ہاں وہ محکمہ جاسوسی اور سی، آئی، ڈی، کے کاموں میں بڑی مفید ثابت ہوئی ہے، غرض ہر چیز میں وہ کامل تعلیم اور تجربہ حاصل کرتی ہے اور ہندوستانی بیوی کو اگر اردو کا اخبار غلط سلط طریقہ پر پڑھنا آجائے یا وہ شوہر کو غلط املا کے ساتھ ایک آدہ خط لکھدے تو شوہر صاحب بڑے فخر سے اوسے "تعلیم یافتہ بیوی" کہتے ہیں اور بڑی مصیبت یہ کہ ایسی نیم خواندہ بیوی خود بھی تعلیم یافتہ سمجھتی ہے اور کلب میں جانے اور شوہر کی لکھی ہوئی تقریر پڑھنے پر امرتی ہے مگر شرماتی نہیں ہے باقی خیریت ہے"

یہ ہے یورپ کی بیوی کے متعلق ملا رموزی کا نقطۂ خیال لیکن اسی بیوی کو ہندوستان کے شعری نقطۂ خیال یا ایک نکتہ رس شاعر کی نظر سے دیکھنا ہو تو حضرت جوش ملیح آبادی کی ذیل کی نظم پڑھیئے۔ جو ہندوستان کے سب سے بلند نظر شاعر ہیں واضح ہو کہ ہندوستان میں "مغرب" یا مغربی سے مراد یورپ اور یورپ والا ہے۔ جیسا کہ اس نظم میں کہا گیا ہے۔ نظم یہ ہے ؎

شمالی امریکہ گرین لینڈ، برٹش شمالی امریکہ کہتے ہیں، گرین لینڈ ہی کو لیجئے جو رقبہ میں نصف ہندوستان کے برابر ہے۔ اور حکومت ڈن مارک کے قبضے میں ہے اسی طرح خود امریکہ پر غیر امریکی باشندوں کا قبضہ رہا ہے جن میں انگریز لوگ خاص ہیں اسے "اضلاع متحدہ" بھی کہتے ہیں یعنی "مرکزی حکومت" اس لئے کہ امریکہ مختلف جزیروں اور ریاستوں وغیرہ پر منقسم ہے اس لئے اس کی انتظامی جماعت کا مرکزی نام "دولت متحدہ امریکہ" ہے یہ دنیا کی سب سے بڑی اور زبردست جمہوری حکومت ہے یعنی یہاں کے باشندوں کا تمام انتظام انہی کے نمایندوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ کوئی بادشاہ نہیں بلکہ پنچایتی طریقہ سے انتظام کرنے والے پنچوں کا "سرپنچ" ہوتا ہے جو امریکہ کے باشندوں میں سب سے زیادہ قابل اور فاضل ہوتا ہے اور پانچ سال کے لئے امریکہ کے تمام باشندوں کے اتفاق اور انتخاب پر مقرر کیا جاتا اور اسی کی آخری منظوری سے امریکہ کے باشندوں کے انتظامات سرکاری حیثیت سے کئے جاتے ہیں اس کے ماتحت نمایندوں کی جو مجلس ہوتی اوسے انگریزوں کے ہاں "پارلیمنٹ" اور امریکہ میں "سینٹ" کہتے ہیں، اس کے بعد وزیروں کی جماعت ہوتی ہے اضلاع متحدہ خصوصاً اوس حصہ کو کہتے ہیں جس میں شمالی امریکہ کا وہ حصہ بھی شامل جو حکومت کنیڈا اور ریاست ہائے میکسیکو کے درمیان واقع ہے

الغرض ان حدود کے باشندے، علم وحکمت، ایجاد واختراع تجارت وزراعت تہذیب وتمدن، سیاست وحکمرانی اور بین الاقوامی حالات اور کاموںکی حیثیت سے گو یورپ کے باشندوں کے بعد ہیں مگر ان تمام چیزوں میں اکثر چیزوں میں وہ یورپ والوں سے اس درجہ بھی آگے ہیں کہ یورپ والے اونہیں ملا رموزی صاحب کے تیز سے تیز موٹر کار پر سوار ہو کر بھی نہیں پا سکتے، خصوصاً دولتمندی میں امریکہ کے برابر دنیا کے تمام حصوں کے باشندے مقابلہ نہیں کر سکتے جس کا یہ مطلب ہے کہ امریکہ کے باشندے دماغی اور عملی قابلیت میں تمام دنیا کے باشندوں سے بجز ملا رموزی کے آگے اور سر بلند ہیں الغرض اب ایک نظر امریکہ کی بیوی پر ڈالئے جو یوں واقع ہوتی ہے کہ امریکہ میں ایک دلھن جس وقت اپنے گھر میں پہنچتی ہے علم وفضل سے آراستہ ان تمام طریقوں سے اچھی طرح واقف ہوتی ہے۔ جو اسے گھر چلانے کے لئے جاننے ضروری ہیں۔ وہاں گھروں میں بہت زیادہ کام مشینوں سے کیا جاتا ہے جس سے ایک تو محنت کم پڑتی ہے۔ دوسرے وقت بہت بچتا ہے۔ گھر میں مشکل کام برتن صاف کرنا اور کپڑے دھونا اور کھانا پکانا ہیں۔ جو مشینوں کی مدد سے آسان ہو گئے ہیں۔ وہ ان سے بہت جلد فارغ ہو جاتی ہے اور اگر گھر میں بچے نہیں تو اس کے سوا کہ دستکاری یا لکھنے پڑھنے کے مشغلوں سے اپنا دل بہلائے اور کوئی مصروفیت اس کو

نہیں ہوتی۔ کبھی اخبار پڑھتی ہے کبھی رسالے دیکھتی ہے۔ کتابوں کا مطالعہ کرتی ہے۔ مگر آخر کب تک ؟ تھک جاتی ہے سوچتی ہے۔ اب کیا کروں اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جمائیاں لیتی ہے۔ اونگھنے لگتی ہے سو جاتی ہے۔ مگر جاگنے پر پھر وہی خیال اس کے سامنے آموجود ہوتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی۔

آہ میری مسرت! وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے۔ میری شادی تو ہو گئی۔ مگر میری مسرت کہاں ہے۔ وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ وہ اسکی نظر کے سامنے نہیں۔ بیوی کی طرف سے بالکل غافل۔ تجارتی حساب میں مستغرق ہے۔ وہ سوچتی ہے کبھی میرے شوہر کو مجھ سے محبت تھی۔ ممکن ہو کبھی ہو مگر اب اسے محبت پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں ہے۔ اس کی تجارتی کامیابی اس کے دل میں بیوی کی جگہ ڈالر کی محبت پیدا کر دی ہے۔ ہفتے کے چھ دن تجارت میں منہمک رہتا ہے۔ گھر میں آتا ضرور ہے۔ مگر اس قدر متفکر، پریشان اور تھکا ہارا۔ کہ اطمینان سے بیٹھ کر دو باتیں بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا جسم گھر میں ہوتا ہے۔ دماغ دفتر میں۔ بات بیوی سے کرتا ہے۔ خیال حساب میں ہوتا ہے۔

بیوی اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ اتوار آتا ہے لیکن شوہر آج بھی گھر میں نظر نہیں آتا۔ وہ کسی میدان میں گولف یا فٹ بال کھیل رہا ہے۔ چھ دن سخت

دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی تندرستی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مگر اس کی بدنصیب بیوی کا حق ڈالر۔ تجارت اور صحت کی چکی میں پڑ کر پس گیا ہے۔ بیوی کا دل گھر سے اوچاٹ ہو جاتا ہے میدانوں۔ تماشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے مگر بالکل بے فائدہ جب گھر میں تسلی نہیں تو دوسری جگہہ کیا خاک ہو گی۔

امریکہ کی سب سے زیادہ قابل فخر درسگاہیں مشترک یونیورسٹیاں ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گزارتی ہے۔ وہ کیا سیکھتی ہے اعلیٰ دقیق علوم فلسفہ، علم النفس۔ علم الحیات وغیرہ وغیرہ جو اس کی خانگی زندگی میں کچھ کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے نوجوان لڑکی سے سوال کیا تم علوم کیوں پڑھتی ہو؟ اس نے فوراً جواب دیا۔ حقائق اشیا معلوم کرنیکے لئے لیکن اب حقائق اشیا کا یہ قیمتی علم بلائے جان ہو گیا ہے۔ آجکل امریکہ کے مرد عورت سب اسی کے جنون میں مبتلا ہیں وہ زندگی کی ہر بات علمی مسئلہ کی صورت میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ محبت شادی۔ اولاد۔ محنت خانہ داری۔ کھیل یہ سب اپنی اپنی جگہہ پر حقیقتیں ہیں۔ علمی مسائل ہیں علم الحیاۃ اور علم الاقتصاد کے اصول پر انہیں حل ہونا چاہئے۔ پھر وہ حل بھی ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو۔ یہی سبب ہے کہ امریکہ میں جرات کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں امریکن نوجوان اس بات میں جرات دکھاتا ہے جو اقتصادی حیثیت سے مفید ہو +

امریکہ کی مشترک یونیورسٹیاں اس لئے قائم کی گئی ہیں۔ کہ مرد عورت کی تفریق مٹ جائے یہ قول ایک یونیورسٹی کی پرنسپل کا ہے۔ میں نے اسے ایک مشہور فرانسیسی پروفیسر کے سامنے نقل کیا۔ تو وہ چلا اٹھا "اف ناقابل تصور سنگدلی ہے۔ زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سر سے پیر تک بناوٹی اور اصولی زندگی ہے جس میں امریکہ کا ہر فرد مبتلا ہو گیا ہے"

ناول اور افسانے۔ میں نے بہت سی یونیورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کی فہرستیں ناولوں سے تقریباً خالی ہیں + اقتصادیات۔ طبعیات فلسفہ و نفسیات۔ غرضکہ تمام دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ امریکن نوجوان زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں یہی وجہ کہ رقیق جذبات ان میں بہت کم ہو گئے ہیں۔ وہ مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں یہ ایک فن میں مہارت کی دھن۔

امریکہ کی گھریلو زندگی کو بدمزہ کرنے والی ایک چیز اور بھی ہے مرد کی تعلیم عام طور پر کسی ایک علم یا فن کی ہوتی ہے کہ وہ ایک پیشہ میں خاص درجہ حاصل کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اگر بیوی اس فن میں ماہر نہیں تو دونوں کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رحجان کچھ اور ہوتا ہے بیوی کا اور۔ دونوں اپنی بات چیت کے لئے کوئی دلچسپ موضوع نہیں پاتے۔ معمولی اور رسمی باتوں کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں۔

اس وقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے جو تعلیم یونیورسٹی میں حاصل کی تھی۔ بے فائدہ نکلی۔

ان مشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مضرت بھی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں جن سے ان میں تدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دوستی محبت کی شکل اختیار کر تی ہے۔ اور اس کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ برا نہ تھا۔ اگر مناسب عمر میں ہوتا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادیاں ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہیں (جو یورپ میں عام طور پر تعلیم پانے کی عمر ہے) اور اس سے سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ مرد عورت دونوں شادی کے بعد کی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بلکہ ابھی دونوں طالب علم ہی ہوتے ہیں۔ گھر میں چار چار بچے کھیلتے ہیں۔ اور ماں باپ یونیورسٹی کے کمروں میں استادوں کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس طریقۂ زندگی سے جو خرابیاں اور پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ ظاہر ہیں لیکن تعجب ہے کہ امریکہ کے عقل مند اس کی روک تھام نہیں کرتے بلکہ اسے پسند کرتے ہیں۔

یہاں مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ بازاروں میں کپڑوں کی اکثر دکانوں پر یہ عبارت نظر آتی ہے۔ کہ یہاں عورتوں کو کپڑے سینے کی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔

کہیں سائن بورڈ پر لکھا ہے "یہاں علم تدبیر منزل (خانہ داری) پر لکچر مفت سنائے جاتے ہیں" یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکن عورت بالکل بیکار نہیں رہتی۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں تو ضرور بدنصیب ہوتی ہے۔ مگر علمی اور صنعتی ترقی برابر کر رہی ہے لیکن دراصل اس ترقی نے اسے مسرت سے محروم بھی کر رکھا ہے۔ وہ بہت مصروف ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت بازار میں ملتا ہے۔ دکانیں عورتوں سے بھری رہتی ہیں دکاندار اپنے اعلانوں میں عموماً عورتوں ہی سے خطاب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مردوں کو خرید فروخت کی مہلت نہیں وہ روپیہ کمانا جانتے ہیں۔ خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں ان کی ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں آکر بے دریغ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ گذشتہ دس سال کے اندر منہ پر ملنے والے روغنوں کی تعداد کی فروخت میں فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہوگیا ہے۔

امریکہ کے زنانہ کلب دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بڑے ہی شاندار خوب صورت اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں۔ عورتیں چونکہ شوہر کو گھر میں نہیں پاتیں اور دلچسپی سے محروم رہتی ہیں۔ اسلئے اپنا زیادہ وقت کلب ہی میں گزارتی ہیں۔ عام طور پر عورتیں ہی شوہر کو موٹر میں بٹھا کر دفتر لے جاتی ہیں۔ اور اسے وہاں چھوڑ کر خود سارا دن کلب میں صرف کرتی ہیں

شام کو پھر موٹر لے کر دفتر گئیں اور لے آئیں رات کا کھانا عموماً میاں بیوی مل کر ہوٹل میں کھاتے ہیں۔ اور پھر گھر آکر سو رہتے ہیں۔

سب سے زیادہ کلب مڈل وسٹ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی دلچسپ اور مفید ہیں لیکن ایک عیب ان میں یہ بہت بُرا ہے کہ غور و فکر کی ساری قوت سلب کر لیتے ہیں اور دماغ میں اس قدر معلومات بھر دیتے ہیں۔ کہ وہ اسے ہضم نہیں کر سکتا۔ دن بھر کلب گھروں میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں ایک دن میں نے شکاگو کے ایک زنانہ کلب میں چار مختلف مضموں پر لکچر سُنے مضمون یہ تھے۔

۱۔ مرد کا کام گھر میں ۲۔ غذا کی تاثیر جسم انسانی پر ۳۔ موجودہ ادبیات اور خوارق عادت۔ سحر و ساحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے لکچر سُنے تھے۔ لیکن جب آخر میں سوچا کہ میں نے کیا سنا تھا تو باوجود سخت کوشش کے اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ دماغ مختل ہو چکا تھا صرف دو باتیں حافظے میں محفوظ رہ گئی تھیں ایک یہ کہ دوپہر کو کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی اقتصادی حالت ایسی ہو گئی ہے۔ کہ انسان دولت جمع کرنے کا آلہ بن گیا ہے۔ صرف ایک دن میں میرا یہ حال ہوا۔ لیکن ان عورتوں کا کیا حال ہوگا جن کی ساری زندگی انہیں کلب گھروں میں گزر

امریکہ میں بے شمار انجمنیں اس غرض سے موجود ہیں کہ ماؤں کو مفت مشورے دیا کریں۔ ان میں ہمیشہ لیکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور ماؤں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کون کون سی کتابیں پڑھیں۔ کس قسم کا کھانا کھائیں کیا سوچیں کیا دیکھیں۔ غرضکہ ہر معاملے میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے صاف یہ معنی ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب معاملات اصول و قواعد کے تحت رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح نسوانیت بھی علمی اصول کے تحت لائی جا رہی ہے۔ اور یہی خبط کہ ہر چیز کو علم کے سانچے میں ڈھال لیا جائے انسانیت اور مرد و عورت کی جنسیت اور فطرت کا خاتمہ کئے دیتا ہے۔

دنیا میں امریکہ کی نوجوان عورت سے بڑھ کر کوئی چیز باقاعدہ نہیں۔ وہ الھڑ نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی طرح کسی نہ کسی علم یا ہنر میں ماہر ہوتی ہے۔ اپنے گھر کو ترتیب و انتظام سے رکھ سکتی ہے۔ امریکن عورت انگلستان کی عورت سے کہیں زیادہ سلیقہ مند اور منتظم ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں سے بے حد محبت کرتی ہے ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے گھروں میں بچوں کے لئے علیحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوتا ہے اور وہ دن بھر اودھم مچاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دائیاں اور کھلائیاں رکھنے کا رواج بھی کم ہے۔ خود ماں ہی دائی ہوتی ہے اور اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت

گوارا نہیں کرتی خود ان کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہے ان کی تعلیم و تربیت میں وہی اصول مدنظر رکھتی ہے۔ جو لکچروں میں سنتی اور کتابوں میں پڑھتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود بھی اس کی زندگی ایک بڑی حد تک مسرت سے خالی ہوتی ہے کیونکہ جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ علم اور تجارت کی ترقی نے ازدواجی مسرتوں کا دائرہ اس پر تنگ کر رکھا ہے۔ امریکہ کی عورت علم اور مادی ترقی سے اب نالاں ہے اور چونکہ امریکہ کی عورت خوش نہیں ہے اس لئے باوجود بے شمار دولت رکھنے کے امریکہ بھی خوش نہیں ہے وہ تمدن کی شدت سے اکتا گیا ہے اور پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ صورت حال کا آیندہ پلٹا کیا ہو گا۔[۱]

ان حالات کے بعد ہندوستانی کی حیثیت سے یہ دعا ملا رموزی صاحب کے لئے واجب ہو جاتی ہے کہ "خدا ہمیں امریکہ کی بیوی سے بچائے" مگر جن لوگوں کے آداب زندگی اور عادات ہی یہ ہوں اون کے نقطۂ نظر سے بھی بیوی ساری دنیا کی بیویوں سے زیادہ بہتر ہوگی پھر بھی خدا کی پناہ۔"

[۱] "تہذیب نسواں لاہور" اگست ۱۹۲۹ء

افریقہ کی بیوی

انسانی آبادی کا یہ علاقہ مختلف ناموں سے مشہور ہے کوئی اسے ”تاریک براعظم“ کہتا ہے تو کوئی اسے ”گرم براعظم“ اور کوئی اسے ”بلند ترین براعظم“ کے نام سے پکارتا ہے تاریک حصہ زمین ہونے کی مختلف وجوہ ہیں مثلاً

ایک یہ کہ یہاں حبشی یعنی کالی نسل کے لوگ آباد ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس کے حالات سے دوسری انسانی آبادیاں عرصہ دراز تک ناواقف رہیں!

تیسرے یہ کہ اسکے اکثر باشندے جاہل، وہمی، اور غیر مہذب تھے

چوتھے یہ کہ اس حصہ زمین کی سطح کا ۳/۴ حصہ منطقہ حارہ میں واقع ہے۔

پانچویں یہ کہ گو اس میں کوہ ہمالیہ کی طرح بلند ترین پہاڑ تو نہیں ہیں مگر اکثر مقامات پر اس کی سطح مرتفع ہے اور اس کی اوسط بلندی تمام براعظموں کی نسبت زیادہ ہے۔ اس کا شمالی حصہ چوکور ہے اور جنوبی حصہ مثلث شمال میں ایک زبردست پہاڑی سلسلہ ہے۔

مشرقی حصہ کو ایک دریا سیراب کرتا ہے جسکی طغیانی آس پاس کے

علاقوں کو زرخیز اور پیداوار کے قابل بنائے رہتی ہے۔

اسکے مغربی حصے میں دنیا کا مشہور خشک علاقہ ہے جسے صحرائے اعظم کہتے ہیں جنوبی حصہ ایک مثلث نما سطح مرتفع ہے جو پہاڑی سلسلوں سے گھری ہوئی ہے انسانی آبادی کا یہ زبردست حصۂ زمین یورپ کے جنوب اور ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کو بحیرہ روم اور آبنائے جبرالٹر براعظم یورپ سے اور خلیج عدن اور بحیرہ قلزم ایشیا سے جدا کرتا ہے۔ حالانکہ نہر سویز میں سے جہازوں کی آمدورفت کے لئے ایک نہر کاٹی گئی ہے اس لئے افریقہ کو جزیرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہ علاقہ وسعت میں ایشیا سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ایک کروڑ پندرہ لاکھ مربع میل ہے یعنی ایشیا کے تقریباً تہائی حصہ کے برابر اور ہندوستان سے آٹھ گنا۔

آج سے (۳۰) برس پہلے اس کی آبادی کا تخمینہ (۱۶) کروڑ تھا۔ اس علاقے کے باشندوں کی جہالت اور بے ہنری دیکھ کر یورپ کے بہادر، جری، ذی حوصلہ، عالی ہمت، جنگ جو، جفاکش، محنتی، ذی علم، اور ہنرمند باشندوں نے اس علاقے پر چڑھائی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ کروڑ افریقی باشندے ان کے غلام بن گئے اور یورپ کی ہر قوم نے اس کا کوئی نہ کوئی علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا، پھر اس علاقے سے یورپ والوں نے

بے شمار دولت، سونے کی کانوں، کوئلے کی کانوں، جواہر، غرض ہر قسم کے مال وزر کی چیزیں حاصل کیں، اس علاقے میں یورپ کی جن قوموں نے فتح پائی اور علاقے کے علاقے اپنے قبضے میں کر لئے ان میں، انگریز، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، پرتگالی، اور بلجیمی، خاص ہیں۔

کہنے کو اس علاقے کے چند حصے "خود مختار" اور آزاد علاقے کہے جاتے ہیں مگر ایسی آزادی پر لاحول ولا قوۃ پس ایسے لاحول ولا قسم کے آزاد علاقوں میں۔ صوبجات بربر" تھے جنھیں "مراکو" مراکش اور مراقش بھی کہتے ہیں۔ اس علاقے کے تمام باشندے عرب مسلمان ہیں لیکن اس آزاد علاقے کے باشندوں کا اب یہ حال ہے کہ حکومت فرانس نے مار مار کران کا کچومر نکال دیا ہے چنانچہ ہندوستان کے تمام مسلمان علماء کی مرکزی جمعیتہ العلماء ہند" کے اخبار" الجمعیتہ دہلی نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۱ء کے صفحہ نمبر ۲ کالم نمبر ۳ و نمبر ۴ پر ان باشندوں کی حق میں حکومت فرانس کے تازہ مظالم کو ان الفاظ میں چھاپا ہے۔

الجزائر کے اسلامی مدارس اور تعلیم گاہوں میں قرآنی تعلیم بالکل بند ہے، شرعی کچہریوں کو مٹا دیا گیا ہے مدرسین اور اوستاد عیسائی ہیں عیسائیوں کی تبلیغی جماعتیں تیزی سے کام کر رہی ہیں۔

مئی ۱۹۳۰ء میں حکومت فرانس نے اس علاقے کے برائے نام سلطان سے ایک اعلان جاری کرادیا جسکی رو سے ساری سلطنت کے مسلمان باشندوں پر یہ لازم ہوگیا کہ وہ اپنے تمام جھگڑوں کا فیصلہ اسلامی قانون کے عوض فرانس کے بنائے ہوئے نئے قانون کے موافق کرائیں۔"

ان کی عربی زبان مٹائی جارہی ہے۔ اسلامی بادشاہوں نے جو اوقاف کی رقمیں کعبۃ اللہ کے نام پر وقف کی تھیں اون کو حکومت فرانس اپنے فائدے پر خرچ کررہی ہے مسلمان علماء اور دوسرے اصلاح کرنے والے بغیر حکومت کی اجازت کے اس علاقے میں نہیں جا سکتے بربر قبائل میں تبلیغ اسلام کا کام قطعاً بند ہے پند و نصیحت سے یہ باشندے محروم ہیں اسلامی مدرسے بند ہیں، مساجد برباد ہیں قرآن شریف کی تعلیم کو حکماً بند کردیا وغیرہ

بفرض محال اگر اتنے مظالم نہیں تو اس سے آدھے تو ضرور ہیں اور اسی لئے یہاں کے بعض علاقوں کے باشندوں نے ۲۱-۱۹۲۲ء میں غازی عبدالکریم ریفی کی کمانڈ میں حکومت فرانس اور حکومت اسپین سے شدید تر لڑائی لڑی تھی جس میں حکومت فرانس کی بے شمار فوجوں سے مقابلہ کی تاب نہ لاکر بالآخران مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور غازی عبدالکریم کو

حکومت فرانس نے اپنے ایک جزیرہ میں مع اوس کے خاندان کے بند کر دیا۔ جو آج سنہ ۱۹۳۱ء تک نظر بند ہیں۔

افریقہ کے جو علاقے ہندوستانی مسلمانوں میں زیادہ مشہور رہیں اون میں مصر، بیروت، مراقش، خاص ہیں، اور اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی برادری کے لحاظ سے بھی یہ علاقے دنیا کی بلند تر تاریخ میں بھی نہایت عزت کی جگہ حاصل کر چکے ہیں۔ خاص کر ملک مصر دنیا کی قدیم تاریخ میں نہایت مہذب ترقی یافتہ اور شائستہ ملک مانا گیا ہے اسی طرح علاقہ مراقش بھی اسلامی حکمرانی، اسلامی تمدن اور اسلامی تعلیمات کا بہت زیادہ بلند علاقہ تسلیم کیا گیا ہے، اور اب تو تقریباً تمام افریقہ کے باشندے اعلیٰ تعلیم یافتہ، بہترین تجارت پیشہ اور ہنرمند ہو گئے ہیں، اگرچہ یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ طبقے سے مشابہ ہے یعنی غیر قوموں کا "نقال" باقی سب طرح خیریت ہے پھر بھی اسکے زیادہ باشندوں نے ابھی تک ہندوستانیوں کی طرح اپنا قومی لباس، قومی عادات قومی رسوم اور قومی زبان کو ترک نہیں کیا ہے۔ البتہ جن مقامات کے باشندے یورپ کے باشندوں سے زیادہ قریب ہیں بدقسمتی سے اون کے اندر غیر قومی آداب غیر قومی لباس اور غیر قومی زبان و عادات کو خاص غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔

اب ہم براعظم افریقہ کے ایسے علاقوں کی بیوی سے بحث کریں گے جو ہندوستان میں زیادہ مشہور معروف ہیں یعنی ملک مصر اور ملک مراقش سو واضح ہو کہ اگرچہ ملک مصر کی تھذیب "اسلامی حکمرانی" اور اس کے باشندوں کی دماغی فضیلت ہمیشہ سے مسلم اور قابل تعریف مانی گئی ہے، لیکن اس علاقے پر غیر ملکی قوموں کے طویل تر قبضے سے یہاں کے اصل باشندوں کی خواص بہت زیادہ بدل گئے اور مسلسل غلامی کی زندگی سے یہ حد سے سوا عاجز درماندہ، اور ضعیف ہو گئے، مگر اون کی عالی دماغی اور بلند ہمت میں فرق نہ آیا، اور گو یہ حوصلہ اور عالی دماغی اون کی قدرتی اور آبائی چیز ہے پھر بھی اونھیں زیادہ ترقی کرنے، آزاد رہنے اور ہر کام میں بلند حوصلہ رہنے میں نہر سویز نے بہت زیادہ اثر کیا یعنی اس جدید دریائی راستہ کے کھل جانے کے باعث ملک مصر ایک ایسی جگہ بن گیا جہاں ہر وقت تمام دنیا کے باشندے آنے جانے لگے اور تمام دنیا کے جہازوں کی آنے جانے کی دوسری قوموں کے علوم وفنون تمدن اور تمام حالات بھی مصری باشندوں تک پھونچ گئے۔

خصوصاً پچھلی صدی میں جو قوم مصری باشندوں پر حکمراں تھی یعنی ترک عثمانی اس نے ان باشندوں کو بہت زیادہ ہوشیار اور ہنرمند بنایا۔ اس لئے کہ ترک لوگ خود یورپ کے باشندے ہیں اور وہ ترقی کے

لحاظ سے یورپ کی قوم سے پیچھے نہیں ہیں صرف تعداد کے لحاظ سے وہ یورپ کی دوسری قوموں سے کم نہیں اس لئے بھی نیز اس لئے کہ مصر اور ترکی کے لوگ آپس میں ہم مذہب بھی تھے۔

مگر ۱۹۱۹ء سے اس ملک پر انگریزوں کا قبضہ تما دخل ہے۔ اور کہنے کو مصر کا سلطان بھی مصری ہے اور وزیر لوگ بھی مصری۔

الغرض یہاں کی بیوی بھی کچھ عجیب قسم کی "ملی جلی ہوئی" ہوتی ہے ملی جلی کے یہ معنی ہیں کہ یہاں کی جو عورتیں ترقی کے لحاظ سے مثال بنا کر پیش کی جا سکتی ہیں اون کی ترقی میں بھی وہی بربادی شامل ہے جو ہندوستان کی ترقی یافتہ عورتوں میں موجود ہے اور ہر غلام ملک کے باشندوں میں پائی جاتی ہے۔

اگرچہ لفظی یا مشہور عام ترقی کے لحاظ سے یہاں بھی زندگی کے ہر حصہ میں عورتوں نے خاصی ترقی کی ہے مثلاً ملکی آزادی کی کوشش میں اونہوں نے مردوں کے برابر کام کیا علمی حیثیت سے اون میں مصنف، ایڈیٹر، وکیل شاعرہ، وغیرہ سب ہی موجود ہیں جن میں سے بعض مشہور اور اعلیٰ ترقی یافتہ عورتوں کے نام یہ ہیں۔ آنسہ می، بیگم زغلول پاشا" زکیہ سلیمان اور سیدہ ہدیٰ شعرادیہ خانم مگر اس قسم کی تمام عورتیں" جدید قسم کی عورتیں ہیں" اور اسی لئے اون کا ہر کام جدید رنگ کا ہے مثلاً وہ ۱۹۲۳ء میں ملک اٹلی کی اوس مجلس میں شریک ہوئی تھیں جو تمام دنیا کی

عورتوں کی مجلس تھی اور جس کے صدر حکومت اٹلی کے مشہور وزیر اعظم سائینور مسولینی تھے اس مجلس میں ان مصری عورتوں نے جو کام کیا اور جو تقریریں کی تھیں اُدن پر اٹلی کے وزیر اعظم اور تمام دوسری عورتیں آنکھیں پھاڑ کر اور منہ کھول کر رہ گئے تھے اور کچھ شک نہیں کہ مصری عورتوں میں تعلیم جدید اور مردوں کے برابر ترقی کرنے کا خیال اور کام نہایت تیزی سے بڑھ رہا ہے لیکن بیوی ہونے کے حساب سے مصر کی عورتوں کا عام حال ہندوستان کی عورتوں سے کچھ زیادہ اور خاص نہیں ہے اور اسی لئے ہم مصری بیوی کے متعلق خود کچھ لکھنے کے عوض ہندوستان ہی کی ایک ایسی محترم "عورت ذات کے" ذاتی آنکھوں" سے دیکھے ہوئے اور ذاتی قلم سے لکھے ہوئے حالات کو نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ محترم خاتون ہندوستانی ہیں جو اپنے شوہر کے ساتھ شہر اسکندریہ واقع مصر میں مقیم رہی ہیں اور تعلیم یافتہ ہونے کے اثر سے مصری عورتوں کے حالات کو نہایت غور سے دیکھا ہے ان کے لکھے ہوئے حالات کو نقل کرنے سے یہ مطلب ہے کہ ہندوستانی عورتیں معلوم کر سکیں کہ مصری عورتوں کو ہندوستانی عورتیں کس نظر سے دیکھتی ہیں؟ چنانچہ خاتون موصوفہ کا لکھا ہوا مضمون یہ ہے جو اونھوں نے مصری بیوی اور شوہر کے متعلق لکھا ہے۔

مصر میں تحریک آزادی نسواں نے ترقی تو بے حد کرلی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کے نتائج دوسرے اسلامی ممالک کی خواتین کے لئے قابل تقلید نہیں ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مصری خواتین نے قابلیت صحت اور مرتبہ میں بہت ترقی حاصل کرلی ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ صحیح معنوں میں مصری اور مسلمان خواتین کہلانے کی مستحق نہیں رہیں

آزاد خیال عورتوں نے تعلیم پانے کے بعد اپنے قدیم تمدن کی اصلاح کرکے ایک جدید تہذیب کی بنیاد نہیں ڈالی۔ بلکہ جو کچھ انہیں مغرب سے ملا۔ آنکھیں بند کرکے اس سب کو قبول کرلیا ہے۔ چنانچہ اب یہاں یورپین طرز زندگی بے حد مقبول ہے۔ اور تمام لکھی پڑھی ترقی یافتہ خواتین یورپین انداز پر زندگی بسر کررہی ہیں۔ اس کے علاوہ گو مدارس میں عربی زبان کی تعلیم باقاعدہ دیجاتی ہے لیکن خواتین اس شوق سے عربی زبان کو استعمال نہیں کرتیں۔ جس شوق سے مدارس میں انگریزی اور فرانسیسی زبان سیکھتی اور بولتی ہیں۔ مذہبی تعلیم کا انتظام بھی خاطر خواہ ہے۔ لیکن اس میں بھی عام طور پر دلچسپی نہیں لی جاتی۔ یہاں کی بہت نامور خاتون محترمہ ہدیٰ خانم شعراوی ہیں۔ ان کی بدولت زنانہ اسکولوں میں لڑکیاں صنعت اور دستکاری کی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

تعلیم یافتہ مصری خواتین کی معاشرتی زندگی بھی ان تمام بدمزگیوں کا شکار ہے۔ جو مغرب میں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ شاید ہی کوئی خوش نصیب ایسا گھرانا ہوگا۔ جس میں ہر روز میاں بیوی کا جھگڑا نہ ہوتا ہو میاں نے جہاں کوئی بات بیوی کی مرضی کے خلاف کی۔ بیوی جھٹ خلع لینے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ادھر سے خلع لیا۔ دوسری جگہ نکاح کرلیا۔ اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کی جاتی۔ کہ بچے موجود ہیں۔ اور ان کے حقوق کا بھی کچھ تقاضا ہے۔ جہاں میاں بیوی کی علیحدگی ہوئی بیوی نے میاں کو گھر سے نکال باہر کیا۔ اور گھر کو اپنے مہر میں ضبط کرلیا۔ یہاں جب شادی ہوتی ہے تو والدین لڑکے کے متعلق جن باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مہر زیادہ ادا کرسکے۔ اگر کسی معمولی قوم یا پیشہ کا آدمی بھی مہر زیادہ ادا کرنے کا وعدہ کرلیتا ہے۔ تو والدین اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے عورت کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لڑائی جھگڑے کے موقع پر خاوند سے خلع لے کر اسے گھر سے نکال دیتی ہے۔ افسوس ہے کہ عورتوں کے خلع کے حق نے مصر کے اکثر گھرانوں میں بہت افسوسناک صورت حالات پیدا کردی ہے۔ طلاق اور خلع کی یہ حالت ہے کہ ہر روز کئی شوہر بیویوں سے اور بیویاں شوہروں سے علیحدہ

ہوتی رہتی ہیں۔ پختہ عمر عورتوں میں شاید چند ہی ایسی عورتیں ہوں
جو تین یا چار دفعہ* خلع حاصل نہ کر چکی ہوں۔

یورپین لباس اور فیشن عام ہے۔ عورتیں یورپین لباس پہنکر
اور پوڈر لگا کر بازاروں میں سودا خریدنے جاتی ہیں۔ اب بال بھی ترشوانے
لگی ہیں۔ امیر گھرانوں کی عورتوں کا تو بہت ہی بُرا حال ہے۔ سیر سپاٹی
کے سوا کوئی کام نہیں۔ اور یہ شوق اس حد تک ہے کہ اس بات کا بھی
خیال نہیں کہ خاوند ساتھ جا سکتا ہے یا نہیں۔ قہوہ خانوں میں سینما اور
تھیٹروں میں آمد رفت رہتی ہے

مصری عورتیں اپنے دین اسلام کی طرف بہت کم توجہ کرتی ہیں
صوم وصلوٰۃ کی عادی ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ سو میں سے پانچ
عورتیں نماز پڑھتی ہونگی۔ مجھ کو یہاں آئے قریباً دس سال ہو گئے
ہیں۔ میں نے آج تک کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو باقاعدہ نماز
پڑھتی ہو۔ روزہ بھی بعض عورتیں ہی رکھتی ہیں۔ میری رائے میں مصر
نہ ہندوستان میں اللہ پاک کا بڑا احسان ہے وہاں پھر بھی مذہب اور
اسلامی معاشرت کا خیال بہت زیادہ رکھا جاتا ہے۔ لوگ نماز روزے
کے بہت پابند ہیں۔ بڑے یا چھوٹے بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں جو
مذہبی کے پابند نہ ہوں۔ حیات ملی کے لئے اس قسم کی پابندی نہایت

ضروری ہے۔

یورپین عورتوں کے لباس مصری عورتوں کا لباس محض اتنی بات میں مختلف ہے کہ بعض مصری عورتیں برقعہ بھی اوڑھتی ہیں عام طور پر کنواری لڑکیاں جن کی عمر چودہ پندرہ سال کی ہوتی ہے وہ ہیٹ پہن کر بازار اور اسکول جاتی ہیں۔

مصری برقعہ بہت ہی آزاد اور بے پردہ ہے جس میں عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ ٹانگیں بھی گھٹنوں سے اوپر تک دکھائی دیتی ہیں۔ جو اسلام کی رو سے ناجائز ہے میں اس مراسلت کے ساتھ مصری عورتوں کی دو تصویریں بھی ارسال خدمت کرتی ہوں۔ ان میں سے پہلی تصویر قدیم برقعہ کی ہے اور دوسری موجودہ برقعہ کی ہے۔ اگرچہ پورے برقعے کی تصاویر حاصل نہیں کر سکی لیکن امید ہے کہ بہنیں اتنے حصے کو دیکھ کر اور میرا مضمون پڑھ کر پورے برقع کے متعلق اندازہ لگا لیں گی۔[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی بہن نے مصری

---

[1] رسالہ تہذیب نسواں لاہور ۲ جون ۱۹۲۸ء

عورتوں کے حالات کو خالص ہندوستانی نقطۂ نظر سے" دیکھا ہے اس لئے
اونہیں مصری بیوی کے لیئے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ شوہر کے حق مین تکلیف دہ" ہے حالانکہ
ایسا نہین۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء کے رسالہ "نگار میں" زنان مصر" کے عنوان سے ہمارے
دو مضمون شائع ہوئے ہین۔ اسوقت خود ملا رموزی سے اور مصر کی انجمن خواتین مصری
کی صدر محترمہ ہدیٰ شعرادیہ خانم سے جو خط وکتابت ہوئی تھی اور موصوفہ نے مصری
عورتون کے متعلق جو ذخیرہ عنایت فرمایا دیا تھا اوس سے پتہ چلتا ہے کہ مصری بیوی
اپنے شوہر کے حق مین ہندوستانی بیوی سے کہین زیادہ مفید ہے مثلاً
وہ تعلیم یافتہ ہوتی ہے یا ہنرمند اس لیئے وہ کسب معاش میں اپنے شوہر کے لیئے
ہندوستانی بیوی کی طرح مصیبت نہین بن جاتی ہے کہ بیوی کے لیئے بھی کماکر
لائے اور بیوی کے والدصاحب اور والدہ صاحبہ کی امداد کیجئے کیونکہ سسر اور ساس
کا رتبہ ہندوستان مین حقیقی ماں باپ کے برابر قرار دیا گیا ہے
مصری بیوی ایک ترقی یافتہ ملک کی پیدوار ہونے کے باعث ہندوستانی بیوی سے
کہین زیادہ گھر مین خوش رہتی ہے۔
وہ جہاں سے سوا اولوالعزم اور جفاکش ہوتی ہے اس لیئے وہ مردوں کی طرح زندگی کے ہر
شعبہ مین کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور یوں نوجلاہوں کی تعداد ہر قوم میں ہوا
ہی کرتی ہے
سب سے آخری خوبی یہ ہے کہ مصری بیوی ہندوستانی بیوی کی طرح صورت کی بھونڈی

کالی اور گندہ نہیں ہوتی، بلکہ بہت زیادہ حسین ہوتی ہے۔
مذہب میں بھی اتنی گئی گذری نہیں جتنا کہ اوپر کے مضمون میں دکھایا گیا ہے حد سے سوا غیور، بلند اور خوش اخلاق اور صاحب حوصلہ

مراقشی بیوی۔ مراقش بھی براعظم افریقہ ہی کا ایک علاقہ ہے جو اسلامی حکمرانی اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کا کبھی عظیم الشان مرکز تھا اور اسکی تاریخ تواریخ عالم مین بڑی ممتاز تاریخ ہے لیکن اس علاقہ مین ہسپین اور فرانس کی حکومتون نے اپنی فوجی قوتون سے غلبہ پاکر یہان کی دنیا بدل کر رکھدی، اور آج یہان کے قدیم باشندے وہ نہ رہے جو کبھی پہلے تھے۔

الغرض ۲۲-۱۹۲۴ء میں اُسی جنگ ریف کے باعث جسکا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس علاقہ کے حالات سے ہندوستانیوں کی واقفیت کافی حد تک بڑھ گئی اس لیے معلوم کیجئے کہ یہان کے باشندون پر اجنبی قومون کے تسلط کے باعث افلاس، بے علمی، اور بے ہنری کا عذاب طاری ہوگیا ہے اور اکثر علاقہ کثیر التعداد گداگرون اور مزدورون سے بھرا ہوا ہے آمد ورفت کے ذرائع اور پہاڑی دشواریون کے باعث بعض مقامات کے باشندے آج بھی قدیم رسوم وعادات کے پابند ہین یہان تک کہ اب بھی بعض ایسی خانقاہین ہوتی ہین جن کے اندر ایسی بے بیاہی لڑکیان معتکف ہوجاتی ہین جنھین اونکی مرضی موافق شوہر نہین ملتا۔

شادی بیاہ کی رسوم مین عربی اور اسلامی رسوم کے ساتھ جاہلانہ رسوم کی کثرت سے

بعض شہروں کے سوا اکثر بیویاں آداب زندگی تک سے بے خبر ہین پھر بھی یہان کی بے بیاہی لڑکی دوا اسکول نہین بھیجی جاتی اور یہان کے غیور اور بہادر باشندے "اُسکولی زندگی" کو خدا کی بدترین لعنت قرار دیتے ہین اور اسی لیے یہان کے دیہات تک کی لڑکی کبھی تنہا باہر نہین نکلتی اور کبھی مجبوراً نکلتی بھی ہے تو اسدرجہ حجاب و احتیاط کے ساتھ کہ راہ گیر پر اپنے کو ظاہر نہین ہونے دیتی۔ البتہ یورپ کی قومون کی آمدورفت والے شہرون کی عورتین ہندوستانی عورتون کی طرح روشن خیال ہوتی جاتی ہین جنھین پہاڑی باشندے قومی وقار اور اسلامی حمیت کے لیے لعنت سمجھتے ہین البتہ معاشرت کے لحاظ سے یہان کی بیوی ایک طرح کی "لکھنوی" ہوا کرتی ہے یعنی ذرا چکدار مگر صورت مین نہین۔ بلکہ لباس اور آرایش کے لحاظ سے، چنانچہ ہندوستان کی عجیب و غریب قسم کی تعلیم یافتہ عورت کی طرح وہ بھی جوڑا باندھتی ہے۔ پشواز نما سایہ پہنے کانون مین بجلیان گلے مین طوق اور ہاتھون مین چوڑیان پہنے ایک ہلکا سا پنکھا ہلاتی محوِ خرام نظر آتی ہے

ناچ گانیکا اسے بڑا شوق ہے اور یہ شغل اسکی رسوم مین داخل ہے اسی لیے اس علاقے مین ناچ کی "دولت" بکثرت ہے عمدہ بات یہ ہے کہ شوہر صاحب بیوی کے ساتھ تھرکتے ہوئے نظر آتے ہین

مراقش کے دوسرے علاقون کے مقابل علاقہ ریف کی بیوی اپنے شوہر کے حق مین صحیح معنے کی بیوی ہے یہ نہایت ناقابل گذر پہاڑی علاقہ مین پیدا ہوتی

ہے۔معمولی اور حد سے سوا سادہ رسوم کے ساتھہ اوسکی پرورشں اور شادی ہوتی
ہے۔ اسلامی آداب کا اس پر غلبہ ہوتا ہے۔ نہایت شدید محنت اور جفاکشی سے
وہ خوش ہوتی ہے۔ تجارت، کھیتی اور اُمور خانہ داری مین وہ شوہر کی برابر کی شریک
ہوتی ہے۔ حد سے سوا غیور، خود دار، بہادر اور سلیم الطبع، کفایت شعار اور اولاد پر فدا
شوہر کی حد سے سوا فرمان بردار، مگر جاہلانہ رسوم مین جکڑی ہوی۔ بہت زیادہ محنت کرنیوالی
مگر بے حد سلیقہ مند، سادہ لباس کی عادی مگر ذرائع معاش کی کمی سے مفلس، شادی کے
بعد زندگی کا تمام حصہ شوہر کی خدمت و وفاداری مین صرف ہوتا ہے۔ اور سسرال
سے علاقہ بہت کم رہتا ہے اس لیئے شوہر بھی ساس سسر اور سالہ سالی کی خدمت گذاری
سے محفوظ رہتا ہے

شادی کے لیئے قومیت اور قبیلے کی شرط نہایت سخت ہے غیر قبیلے مین بیاہی
نہین جاتی اس نے جنگ ریف و فرانس بابتہ ۱۹۲۲ء مین میدان جنگ مین خدمات
جنگ ادا کرکے شوہری خدمت گذاری مین بڑا نام پیدا کیا۔ جو تاریخ مین ہمیشہ عزت کے ساتھ
محفوظ رہیگا

یہ ایک نہایت مختصر سا خاکہ ہے افریقی بیوی کا جس سے اوس کے خواص کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

ایشیا کی بیوی

ایشیا انسانی آبادی یا خشکی کا سب سے بڑا حصہ ہے اسکے تین جانب بڑے بڑے دریا ہیں شمال میں "بحر شمالی" مشرق میں بحرالکاہل" جنوب میں بحر ہند، اور مغرب میں بر اعظم اور افریقہ ہے اس کے شمال میں ایک بڑا نشیبی میدان بھی ہے دوسرے چھوٹے چھوٹے میدان بھی بہ کثرت ہیں۔ ایشیا کے بیچ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک پٹی پہاڑوں کی ہے یہ پہاڑ مشرق میں بہت چوڑے ہیں اور بیچ میں تنگ ہیں اور پھر مغرب میں پھیل گئے ہیں اس کے آس پاس سمندر اور جزیرے بھی ہیں، سب سے زیادہ مشہور جزیرے ملک جاپان میں ہیں اس میں آتش فشاں پہاڑ بھی ہیں یہ اسقدر بڑا حصہ زمین ہے کہ اس کا وسط حصہ سمندر سے بہت دور ہے اس لئے اس میں جاڑے کے موسم میں زیادہ سردی اور گرمی کے موسم میں زیادہ گرمی ہوتی ہے اور بارش کم ہوتی ہے ایشیا کے صحیح موسمی اثرات کو آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکتا، اس کے جنوب مشرق میں تیز، خشک اور تر موسمی ہوائیں چلتی ہیں، مگر کل ایشیا کی آب و ہوا غیر معتدل اور مختلف ہے اسی لئے اس کے کل باشندوں کی صحت اور جسمی کیفیت میں خاصا فرق ہے اس کی کل آبادی پچاسی کروڑ (۸۵۰۰۰۰۰۰۰) ہے اور

رقبہ ایک کروڑ ستر لاکھ مربع میل۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱ ہے زمین کے اس حصہ کو انسانی آبادی کی کثرت کے لحاظ سے انسانوں کا "جنگل" بھی کہہ سکتے ہیں۔

عام باشندے زیادہ تعداد مین جاہل، سست، وہمی، ضعیف الاعتقاد، بے ہنر اور عیش پسند ہین اسی لیئے یورپ کے ذی علم ذی حوصلہ اور بہادر باشندون نے اون مین سے اکثر کو اپنا غلام بنالیا اور اونکے ملکون اور شہروں پر قبضہ کرلیا۔

اس کے مشہور ملک یہ ہین چین، روس، عرب، جاپان، ایشیائے کوچک، ترکستان، بخارا، افغانستان، ایران، اور ہندوستان،

گو یہہ تمام ممالک علیحدہ علیحدہ اور مختلف باشندون سے آباد ہین۔ لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہین جس مین یورپ کے بہادر باشندے کسی نہ کسی طرح غالب نہ رہے ہون۔ چنانچہ چین، ایران، افغانستان اور عربستان خصوصیت کے ساتھ اب تک ان باشندون کے اثر مین دبے ہوئے ہین اور ہندوستان تو دو سو برس سے کل کا کل انگریزون کے قبضہ مین ہے

۱۹۱۴ء سے پہلے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان تمام ممالک کے باشندے آسمانون پر کسی کام کیلئے چلے گئے ہین اور دنیا مین اونکا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ مگر جب ۱۹۱۴ء مین یورپ والون کی آپس ہی مین عظیم الشان جنگ شروع ہوئی اور اور جو کامل پانچ سال تک مسلسل جاری رہی تو اس جنگ کے آسمانون کو سر پر

اوٹھا لینے والے اپنے اثرات سے ایشیا والے بھی کچھ ہوشیار ہوے اور انھوں نے یورپ والوں کے حالات کو بغور دیکھکر سوچا کہ ہمین بھی آزادی اور ترقی کے لیئے کوشش کرنا چاہیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے ملک روس کے باشندون نے اپنے بادشاہ اور اُس کے کل خاندان کو قتل کرکے اپنی پنچایتی حکومت قائم کی اور یورپ کے باشندون کے اثرات کو اپنے ملک سے بُری طرح دور کردیا اور اس مین اتنی سختی کی کہ اب روسی حدود مین یورپ کے باشندون کو جاتے ہوے کرزہ والا بخار آتا ہے یا کالی کھانسی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایشیاء کوچک کے باشندون نے یورپ والون کو تلوار کے گھاٹ اُتارکر نکال باہر کیا اور اب ان کی حد مین بھی قدم دھرتے ہوئے یورپ والون کو کپکپی محسوس ہوتی ہے اور جمائیان آنے لگتی ہین، اسکے بعد ایران کے باشندون نے اپنے عیش پسند بادشاہ کو بغیر طلا نچے رسید کئے تخت سے اُتارکر اپنے ہان کے وزیر جنگ مارشل رضا خان کو اپنا بادشاہ قرار دیا۔ پھر ۱۹۱۹ء مین غازی امان اللہ خان نے افغانستان کا بادشاہ ہوکر افغانستان کو تمام یورپ والوں سے آزاد منوایا اور دس برس تک اس ملک کی ترقی انتہائی تیزی سے جاری رہی۔ مگر ۱۹۲۸ء مین جب امان اللہ خان غازی بحیثیت آزاد بادشاہ افغانستان کے یورپ کی سیر کو گئے تو اون کے خلاف افغانستان کے جاہل باشندون نے سازش کی اور جب وہ واپس آئے تو اون کے خلاف بغاوت کی اور وہ تخت و تاج چھوڑ کر یورپ کے ملک اٹلی مین چلے گئے

اب اتھی کے ایک جرنیل صاحب افغانستان کے بادشاہ ہیں اور افغانی باشندوں
نے جو ترقی کی تھی وہ اب سو سال کیلئے پیچھے رکھی اور نام صرف اتنا ہوا کہ افغانستان
میں بغاوت ہوگئی تھی" عرب میں بھی یورپ کے باشندوں کو نکالنے کیلئے کوشش
ہو رہی ہے۔ مگر ملک چین نے ایک خونریز جنگ کے بعد ۱۹۲۹ء میں یورپ کے
باشندوں سے آزادی حاصل کرلی۔

اب ہندوستان میں بھی اسی قسم کی کوشش جاری ہے،

چونکہ ایشیا میں مذکورہ بالا ممالک ہیں جن کے بے شمار و بے قیاس باشندوں کی
بیویوں کے تفصیلی حالات سے یہہ کتاب "طلسم ہوشربا" کے برابر طویل ہو جائیگی اس
لئے ہم ان ممالک کی بیویوں کے عام حالات کے نہایت مختصر نمونے پیش کرتے
ہیں جو یہہ ہیں۔

روسی بیوی یہ بیوی ایشیا کی تمام بیویوں سے تعلیم، تمدن، اور عام حالات میں
آگے ہے خصوصاً جنگی حالات کے لحاظ سے اس کا مرتبہ ایشیا کی دوسری عورتوں
سے بہت بلند ہے۔

عام طور پر روسی بیوی نہایت معمولی رسوم کے ساتھہ حاصل ہو جاتی ہے۔ موجودہ
حکومت نے عیش و عشرت اور فضولخرچی کے ہر کام پر قانون کی بندش عائد کردی
ہے، ان عورتوں کا ماحول جنگی ہے اس لیئے جنگی قوموں میں ویسے بھی عیش
پسندی کم ہوتی ہے۔ الا دولتمند قومیں جنگی قومیں ہو کر بھی عیش پسند اور فضول

خرچ ہوجاتی ہیں۔ لیکن روسی باشندے دولتمند نہین۔ بلکہ جنگی اور انتظامی حالات کے جلد جلد بدلتے رہنے سے اون مین کوئی عام اطمینان اور عیش کا جذبہ طاقتور نہین ہوتا۔ روسی عورت بیوی بن کر امور خانہ داری کے لیئے نہایت منتظم اور کفایت شعار ہوتی ہے اگرچہ روس میں بھی کلب، تھیٹر، سینما، رقص خانے، قہوہ خانے، ہوٹل اور دوسرے مواقع ایسے ہین جن مین روسی عورت شریک ہو کر فضول خرچ بن سکتی ہے۔ لیکن یورپ مین رہتے اور یورپ سے قریب ہونے کے باعث وہ زیادہ تعداد مین تعلیم یافتہ ہے ادھر نظام حکومت نہایت سخت" سادہ" ہے جس کے باعث گو وہ شوہر کے ہاتھ مین ہاتھ دیکر بڑے نخرے سے ہوٹلون، کلبون، اور عام تفریح گاہون مین چہکتی پھرتی ہے پھر بھی اوس مین اپنے فرائض کو دقت اور مستعدی سے بجالانیکی عادت عام ہوتی ہے۔ اوسمین اپنے بچون اپنے عزیزون اور اپنے شوہر سے زیادہ اپنے ہم قوموں کی خدمت کا جذبہ عام ہے کیونکہ وہ تعلیم یافتہ ہوتی ہے اور اُسکی پرورش ہی ایسے اصول پر کیجاتی ہے، وہ شوہر کے گھر صرف شوہر کی تنخواہ پر اکڑ کر دن بھر جھولا نہین جھولتی۔ بلکہ شفاخانون، ہوٹلون، دفاتر اور دکانون مین ملازمت کرتی ہے اور بغیر گھونگھٹ کے شام تک سودا سلف بیچتی ہے اگھر مین رہتی ہے تو وہ صنعت وحرفت کے کاموں کو اختیار کرتی ہے وہ بچوں کی بہترین تعلیم وتربیت مین طاق ہوتی ہے البتہ شراب اور ناچ کے معاملہ مین وہ ذرا بے ڈھنگی اور بے ہنگم" معلوم ہوتی ہے، جنگی ذہنیت،

اور ہنرمندی کے باعث شوہر کے لیئے اس لیئے مصیبت ہوتی ہے کہ فوراً اطلاع ہو تک پہونچ جاتی ہے" مگر وقت آنے پر وہ اپنے ملک وقوم کی اور اپنے شوہر کی عزت کے لیئے میدان جنگ مین خون بہاتی ہے۔ اور کبھی "اودی بہن بھاگو نہین کہتی" اسی لیئے ۱۹۱۷ء کے انقلاب مین اس نے میدانِ جنگ مین اور اُس سے پہلے ۱۹۱۴ء۔ اور ۱۹۱۶ء تک جرمنی کی جنگ مین میدان شجاعت مین جس حوصلے، صبر و استقامت، جفاکشی اور دلیری سے کام کیا اُسے سنکر ہماری ننھے میاں کی والدہ اب تک کانپ جاتی ہین۔

قدم میں لم ڈھنگ" رنگ کہین سفید اور زیادہ سرخ" لباس اعلیٰ" کام مین حد سے سوا تیز" زیور معمولی مگر خاصا"

ترکی بیوی۔ یہ مسلمان ہونے کے لحاظ سے روسی بیویوں سے مختلف ہوتی ہے ورنہ عام حالات مین وہ روسی بیوی سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔ اوس کی زیادہ تعداد یورپ مین ہوتی ہے اور کم ایشیا کوچک مین کیونکہ ترکون کی حکومت ایشیا کوچک سے لیکر یورپ میں تھریس تک چلی گئی ہے یوروپین ہونے کے لحاظ سے اس کے اندر وہ تمام خوبیان موجود ہین جو یورپ کی ترقی یافتہ عورتون میں موجود ہین۔ البتہ یورپ والون سے مسلسل اور ناقابلِ برداشت لڑائیون کے باعث اس کی قوم کی اندرونی حالت ہمیشہ سے ابتر رہی ہے اس لیئے یہ اکثر حالات مین مفلس گھرانے مین پیدا ہوتی ہے، پھر ہوش سنبھالتے ہی وہ اعلیٰ تعلیم و تربیت

کے لیئے وقف کر دی جاتی ہے چنانچہ زیادہ تعداد تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہے' اس لیئے خیالات مین حد سے سوا بلندی اور صفائی ہوتی ہے'

عام اسلامی رسوم کیساتھ بیاہ کر شوہر کے گھر آئی اور اُس کا پہلا فرض شوہر سے حد سے سوا محبت کرنا ہوتا ہے' تعلیم یافتہ ہونے اور تعلیم یافتہ جماعت مین رہنے کے باعث وہ اُمور خانہ داری مین حد سے سوا مستعد اور ہوشیار ہوتی ہے' البتہ یورپ کی عورتوں کی طرح وہ شوہر سے برابری کا دعویٰ اس لیئے نہین کرتی کہ اس کی اسلامی یا مذہبی تعلیم اس کے مخالف ہے اور صدیون سے اس کے ہان اسلامی آداب و رسوم کے اثرات ورثہ مین چلے آ رہے ہین' اور ایک کافی عرصہ تک وہ "پردہ" مین رہی ہے'

البتہ پچھلی ثلث صدی مین وہ ضرور آگے بڑھی ہے خصوصاً یورپ والون کے مسلسل حملون نے اوسے خواہ مخواہ میدان مین نکل کر کام کرنے کے تجربات ہوئے ہین اور اسی ایک چیز نے اوسے اون تمام چیزون کے اختیار کر لینے پر مجبور کر دیا جو یورپ کی عورتین اختیار کیئے ہوئے ہین'

پھر بھی وہ بے ضرورت اپنے گھر اور شوہر سے زیادہ کچھ نہین چاہتی وہ صدیون سے حکمران اور فاتح مان باپ کی گود مین پلی ہے اس لیئے مزاج مین حد سے سوا شرافت' مہربانی' حلم و فیاضی' محبت اور وفاداری کے جذبات بیدار ہیں اسی لیئے وہ بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر اور بچون کے لیئے حد سے سوا مفید ثابت

ہوتی ہے جنگی قوم کے رکن ہونیکے لحاظ اوسمین صبر وقناعت اور محنت وجفاکشی کے حوصلے بیدار ہین ان پر اسلامی تعلیمات اور آداب نے سونے پر سُہاگے کا کام کیا ہے اس لیئے وہ شوہر کی صحیح معنی کی "رفیق زندگی" اور "اولاد کے حق مین سایۂ عاطفت" ہوتی ہے۔

الوالعزمی بہادری دلیری اور غیرت وخودداری مین وہ اپنا جواب نہین رکھتی شوہر کی ہر مصیبت مین برابر کی شریک اسی لیئے وہ قومی جنگ کے ہر دور مین میدان جنگ مین جس شجاعت سے لڑی ہے دنیا کی بہت کم عورتین اس شدت سے لڑی ہوں گی۔ کیونکہ اس کے ہر مقابلہ مین اُسے پر جوش بنانیوالے قومی جذبہ کے ساتھ ساتھ مذہبی جذبہ بھی مشتعل کرتا رہا ہے اور مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم مین یہ بات نہین کہ اوس کے ہان غیر قومی دشمن سے ہر حال مین لڑنا "نجات بخش" اور "خدا کی رضامندی" مانا گیا ہو۔

چنانچہ اوس نے ۱۹۲۱ تا ۲۵ء اوس نے اپنے مردون کے ساتھ میدان جنگ مین جس بے جگری اور بہادری سے یونانی فوجوں کا مقابلہ کرکے اونھین شکست دی ہے اوس نے تمام قومون مین اوسکی عزت وسربلندی کو منوالیا ہے،

وہ بچون کی اعلیٰ تربیت مین نہایت ممتاز حیثیت کی بیوی مانی گئی ہے یہی راز ہے کہ ترکی قوم دنیا کی دوسری قومون مین نہایت سربلند اور بلند مرتبہ قوم مانی گئی ہے اور آج تک کسی دوسری قوم کی غلام نہ بن سکی،

البتہ ۱۹۲۳ء کے بعد سے اوس مردون کے برابر حقوق طلب کرنیکا جذبہ اس لیئے نمایان ہوا ہے کہ اب اُسے اندرونی حالات کے درستی کا موقعہ ملا ہے ورنہ یہ جذبہ اس کے لیئے نیا نہین، اُدھر اس کا نظام حکومت بھی قدیم اسلامی نظام نہین رہا بلکہ موجودہ حکومت نے ایسی تمام کمزوریون کو دور کردیا ہے جو اسلام کے فرضی نام سے اُس کی زندگی کو تلخ بنائے ہوئے تھین اور اسی لیئے اب ترکی بیوی اپنے شوہر کے برابر ملازمت، تجارت، صنعت وحرفت کے محکمون اور ادارون مین روزی کماتی نظر آتی ہے، پھر بھی وہ اپنے گھر اپنے شوہر اور رضاکارانہ خدمات پر زیادہ حریص ہے یہ شرف اسی بیوی کو حاصل ہوا ہے کہ وہ موجودہ قومون کی بیوی کے ساتھ اپنے شوہر کے برابر عہدہ کی مالک رہی اس طرح کہ ڈاکٹر عدنان بے جب وزیر داخلہ تھے تو اون کی بیوی خالدہ ادیب خانم وزیر تعلیمات تھین،

پھر بھی اوس کی عام زندگی افلاس کے ہاتھون نہایت افسردہ زندگی ہے اور یورپ مین رہنے اور یورپ کی فارغ البال اور دولتمند قومون سے میل جول کے باعث اب وہ بھی اون چیزون کی طالب بن رہی ہے جو یورپ کی عورتون کو حاصل ہوچکی ہین اس لیئے اندیشہ ہے کہ وہ چند سال کے بعد کہین اپنے شوہر کے لیئے ویسی ہی مصیبت نہ بنجائے جیسی کہ یہ اپنے ملا رموزی صاحب کی بیوی صاحبہ،

فی الجملہ وہ شوہر کی حد سے سوا اطاعت کرنے والی، منتظم، کفایت شعار، غیور، خوددار
اور وفادار ہوتی ہے چاہے وہ گاؤں کی رہنے والی ہو یا شہر کی،
قد و قامت نہایت درجہ لائق تعریف، بے حد حسین، اور نفیس لباس کی شائق
مگر زیور کم، جاہلانہ رسوم سے کافی حد تک دور اور مذہب کی لفظ بہ لفظ تابع۔

جاپانی بیوی۔ جاپانی قوم جزیروں میں آباد ہے جن کی عام آب و ہوا صحت
کے لئے معتدل ہے، یورپ والوں سے زیادہ میل جول اور دریائی رشتہ کے
باعث اس کے باشندوں کی عام حالت ایشیا کے تمام باشندوں سے بہتر
اور نمبر اول ہے خصوصاً ان کی تجارتی زندگی نہایت شاندار اور کامیاب ہے
اسی طرح صنعتی نے جاپانی کو ایشیا کے تمام ممالک سے آگے بڑھا دیا ہے
الغرض اس کی بیوی کے عام حالات یہ ہیں کہ۔ یہاں کی عورتیں
وہاں کے کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ لکڑیاں کاٹتی ہیں اچھی خاصی بوجھل
گاڑیاں کھینچ کر ایک سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں اور اس کے علاوہ کثیر
ایسے کام کرتی نظر آتی ہیں جنہیں سرانجام دینے کے لئے عموماً مردانہ عقل
اور قوت کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے مردوں کی طرح پاجامے پہن رکھے
ہیں۔ تاکہ کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر چستی اور پھرتی سے کام کر سکیں۔ یہ
پاجامے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ انگلستان کے کھیتوں میں کام کرنے والی
لڑکیاں بھی انہیں بالکل نئے زمانہ کی اُپج خیال کرتیں۔ تجارتی کاروبار میں

اکثر عورتیں کمیشن ایجنٹوں کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ اگر کوئی کاروباری آدمی کسی جاپانی ہم پیشہ کے ہاں جا کر محاصل اور انکم ٹیکس وغیرہ کے متعلق سوال کرے۔ تو اسے یہ جواب سن کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ کہ میں اپنی بیوی سے پوچھتا ہوں اسے ان معاملات کے متعلق مکمل واقفیت حاصل ہے"

حقیقت یہ ہے۔ کہ شمالی جاپان میں مشہور و معروف لکھے پڑھے آدمی بھی اپنی عورتوں سے اس قدر مرعوب ہیں جس قدر اکسفورڈ کے بڑے بڑے پروفیسر یا امریکہ کے کروڑپتی۔

خاوند کے اخراجات کی فہرست بھی گھر والی ہی تیار کرتی ہے۔ یہی شخص جب صبح کو گھر سے کام پر جانے لگتا ہے تو گھر والی اسے دروازہ تک پہنچانے جاتی ہے۔ اسے اوورکوٹ پہناتی ہے۔ سگریٹ دیا سلائی لا کے دیتی ہے پھر بڑے ادب سے جھک کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے۔ اور جب تک شوہر دروازے سے باہر نہ نکل جائے یونہی بیٹھی رہتی ہے۔

جاپان میں اولیت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ کمرے میں داخل ہوتے یا وہاں سے نکلتے وقت آگے آگے خاوند ہوتا ہے۔ اسی طرح بازار میں چلتے وقت خاوند دو ایک قدم آگے رہتا ہے۔ اور بیوی چپ چاپ اور عموماً صبر و شکر سے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔

اسی طرح چند اور باتوں سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

کہ جاپان مین میان بیوی کی مساوات کا خیال ایک خاص مقام پر پہونچکر رُک جاتا ہے۔
عام جاپانی گھرانون مین مردون کو کھانا کھلانیکی خدمت عورتین ہی بجا لاتی ہین اور میان کو کھانا پیش کرتے وقت گھر والی گھٹنون کے بل بیٹھ جاتی ہے۔ مزید بران اُن گھرانون کے سوا جن مین موجودہ کلچر انیکے اثرات نے پورا دخل حاصل کرلیا ہو مردون اور عورتون کے تفریحی اشغال بالکل الگ تھلگ ہوتے ہین۔ بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ تمام کینبے کے لیئے تفریح و تفنن کا پروگرام گھر کا سردار مرد ہی تیار کرتا ہے قانونی نقطۂ نظر سے بھی عورت کی حیثیت مرد سے کمتر ہے۔ اسی طرح شادی بھی عورت کی حیثیت مین اضافہ کا موجب نہین ہوتی۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاوند کے کینبے مین نہ صرف خاوند بلکہ اس کے والدین کی اطاعت و فرمان برداری کے لیئے شامل ہو رہی ہے چند سال ادھر تک عورت کی تعلیم کا مقصد محض یہ ہوتا تھا کہ وہ فرمان بردار بیوی اور بہو بننے کے قابل ہو جائے۔
لیکن ان تمام باتون کے باوجود جاپان کی گھریلو زندگی کا مطالعہ اس خیال کو تقویت پہونچاتا ہے کہ جاپانی خواتین کا درجہ مغربی عورتون سے کسی طرح کم نہین ہے۔ جاپانی عورتین عموماً گھر کے تمام معاملات کا خود انصرام کرتی ہین اور اکثر ایسی باتون مین تمام ذمہ داری اپنے اوپر لینے کے لیئے تیار رہتی ہین جنمین مغربی عورتین ننھے بچون کی طرح مردون کی پختہ تر عقل پر بھروسہ کرنیکی عادی ہین۔ پھر یہی نہین بلکہ اُن کے دلکش اطوار اور خدمت گذاری کے لیئے ہر وقت کمربستہ رہنے سے

انہین اپنے خاوند بچون اور اجنبیون کی نظر مین ایک ایسی اہمیت اور وقعت حاصل ہو جاتی ہے جو انہین کا حصہ ہے۔

عورتون کو عقل ناقص ہو یا کامل۔ لیکن اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ جاپان مین اس "نسوانی فراست" کے رسم و رواج کی زنجیرون مین جکڑے رہنے سے عورتون کو نقصان کی بجائے فائدہ ہی پہونچا ہے اور نسوانی زندگی ان بندھنون کے باعث ویسی ہی دلکش بن گئی ہے جسطرح نثر کے جملے اور الفاظ منظوم ہو کر بن جایا کرتے ہین۔

تاہم مغربی خیالات اور خصوصاً ان خیالات کا جو اثر تعلیم پر ہوا ہے اس سے جاپانی عورتون کی مجلسی حیثیت مین بہت کچھ تغیر و تبدل رونما ہو گیا ہے اب جاپانی لڑکیان اسکولون مین جاتی ہین انکا لباس اور نصاب تعلیم قریباً ویسا ہی ہے۔ جیسا مغربی طالبات کا۔ وہ علوم و فنون مین بھی مہارت حاصل کر رہی ہین مزید برآن اب جاپانی عورتین گھر کی چار دیواری سے نکل کر مردون کے دوش بدوش کام کرنے لگی ہین

ایشیا مین روس، ترکی، اور جاپان، ہی ایسے ممالک ہین جن کی نہ فقط تاریخی سربلندی مسلم ہے۔ بلکہ موجودہ زمانے مین بھی جن حالات و اعمال و آثار و اثرات

کو ترقی کہا جاتا ہے ان کے لحاظ سے انہیں ممالک نے ایک حد تک یورپ کی
ترقی کا مقابلہ کیا ہے اور اسی لیئے ان ممالک کی عام عورتوں اور بیویوں کا
تذکرہ کیا گیا۔

ان کے بعد چین، بخارا، افغانستان، ایران، اور عرب کے متعلق جو کچھ نہیں
لکھتے سو اس کا سبب یہ ہے کہ ان ممالک کی گو قدیم تاریخ اور ان کی عورتوں کی
روایات نہایت درجہ تابناک ہین مگر موجودہ زمانے کے لحاظ سے ان کے حالات
کافی حد تک تاریکی مین ہین اور اگرچہ موجودہ زمانے کی تمام تحریکات سے ان ممالک
کی عورتین متاثر ہو رہی ہین مگر بلحاظ اختیار اور عمل یہ ابھی بہت پیچھے ہین اور چونکہ
ہمنے اس کتاب مین اسی ایک بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہم ۱۹۱۴ء کے پہلے کے حالات
سے بحث نہین کرین گے لہذا ان چند سالون میں عرب کی بیوی، افغانستان کی
بیوی، بخارا کی بیوی، اور ایران کی بیوی نے جو ترقی کی ہے وہ بمنزلہ صفر کے ہے
اس لیئے اسکی تفصیلات ضروری نہین۔ پھر بھی اتنا بتاتے ہین کہ ان مین عملی اور ذہنی
اعتبار سے "عرب کی بیوی" آج بھی سب سے آگے ہے۔ اگرچہ اس کی تمامتر تربیت
خالص اسلامی اصول اور روایات قدیمہ پر ہوئی ہے مگر موجودہ زمانے نے اُسے بھی
کام کیلئے تیار کر دیا ہے، اور گو اس کے ملکی اور مذہبی حالات و آداب اُسے شاید
دیر تک یورپ کی بیوی کا نمونہ نہ بننے دیں پھر بھی اوس نے جدید تعلیم
و تربیت کی طرف قدم بڑھایا ہے اور بغداد مین "تعلیم نسوان" کیلئے خاص جوش

پایا جاتا ہے۔

کچھ شک نہین کہ عرب کی عورت نے مسلمانان ہند کی عورتون کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ رکھا ہے۔ لیکن عہد حاضر مین عربی عورتون نے کوئی خاص کام نہین کیا۔ الا یہ کہ جو عربی خواتین موجودہ زمانے کی تحریکات سے فائدہ بھی اٹھانا چاہتی ہین وہ اپنے شوہرون کے اعتقادی اثر سے مجبور ہین پھر بھی عرب کی بیوی شوہر کے حق مین اس لئے مفید ہے کہ اس کا آخری مرکز خیال و مرکز امید صرف شوہر ہوتا ہے اور اسکی تمام قربانیان شوہر کیلئے وقف ہوتی ہین اسی لئے اکثر حالات مین اس نے میدان جنگ مین مردون کے ساتھ بھی خونریز کامون مین شرکت کی ہے وہ نہایت بلند اور پاکیزہ خیالات کی بیوی ہوتی ہے۔ حد سے سوا خلیق، مہربان، حلیم، صابر و شاکر جفاکش، اولوالعزم، اور وفادار، مگر افلاس اور بے ہنری کے باعث پریشان رہنے والی ہوتی ہے کم علم، کفایت شعار، محنتی، اور اولاد سے حد سے سوا محبت کرنے والی کہین کالی اور اکثر گوری، بے حد صاف ستھری، اور پرہیزگار، جاہلانہ رسوم سے کافی حد تک پاک اور مذہب کی حد سے سوا مطیع!

افغان بیوی تقریباً تمام بیویون سے بہ لحاظ ترقی پیچھے ہے مگر اس کا یہ جوہر اوسے عزت کے بلند تر بام پر پہونچاتا ہے کہ وہ بے حد غیور، خود دار، اور شوہر کی پرستش کرنیوالی ہوتی ہے اور اس درجہ پرستار اور محبت کرنیوالی کہ میدان جنگ مین وہ ہمیشہ شوہر کے دوش بدوش رہتی ہے۔ البتہ اسکی گھریلو زندگی نہایت تاریک اور قابل رحم ہے

اوس پر "مذہبی اشخاص" کا خاصا دباؤ ہے اور مذہب کے مقابل دنیا میں کسی دوسری چیز کو طاقتور اور قابل احترام نہیں سمجھتی۔ اس کے شوہر کی ذہنی اور فکری فضا ر حد سے سوا سست ہونے کے باعث وہ تمام ترقیوں سے محروم ہے اور کوری ہوتی ہے، پھر بھی اوس کی اولوالعزمی اور جفا پیشگی ہندوستان کی عورت ذاتون کو کافی متاثر کرتی ہے۔

بادشاہ امان اللہ خاں نے ۱۹۲۴ء میں چند لڑکیوں کو ڈاکٹری اور طبابت کی تعلیم کے لئے ترکی بھیجدیا تھا جس پر افغانستان کے پرانے کارخانوں میں بنے ہوئے مولویوں نے شدید اعتراضات کئے تھے اور امان اللہ خاں کے اس کام کو دینی دیانت اور قومی وقار کے خلاف ٹھیرایا تھا۔

خاصی توانا تندرست، رنگ میں سرخ و سفید، بھادر، مجاہد اور صابر سادے سے سادہ لباس کی عادی، شوہر کے حق میں وفا پیشہ اور اولاد کے لئے "مادر مہربان" معمولی سی غذا، معمولی سا مکان اور معمولی سے لباس میں خوش رہنے والی مولویانہ صوفیانہ اور جاہلانہ رسوم میں گرفتار مگر شوہر کے حق میں سراپا رحمت اسلامی اُصول کی معتقد، اور اسلامی تھذیب قدیم کا نمونہ،

چینی بیوی کے حالات بہت زیادہ تاریک ہونے پر بھی موجودہ زمانے میں وہ نئی ترقی کی کوششوں میں خاصا حصہ لے رہی ہے اب وہ بھی

اسکول کلب تھیٹر اور میدانِ جنگ کے اندر جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر حد سے سوا شست رفتار، البتہ اسکی جن چیزون نے ہندوستانی عورتون کو متاثر کیا ہے وہ اسکی حد سے سوا اولوالعزمی اور بہادری ہے وہ اس درجہ جفاکش ہوتی ہے کہ شوہر کو وطن مین چھوڑ کر ہندوستان آجاتی ہے اور شوہر کے ہمراہ بھی،

اسکی عام معاشرت، شادی بیاہ کے طریقے اور اخلاقی حالت خالص قدیم ہے اور اسی لیئے وہ ہندوستان مین آج بھی پچھلی اور تاریک رسوم و اصول زندگی کے ساتھ نظر آتی ہے وہ تجارتی ذوق کی بیوی ہوتی ہے اس لیئے شوہر سے ہمیشہ مستغنی رہتی ہے یہ نہین کہ بس ملا رموزی صاحب ہی کے بھروسہ پر بیٹھی ہوئی ہین بھلا یہ حوصلہ کیا کم ہے کہ تین تین انچ کے پانون سے وہ چین سے ہندوستان اور دور دراز مقامات کا سفر کرتی ہے مگر گھبراتی نہین لباس اور عام معاشرت کے حساب سے وہ بڑی جفاکش اور دولت جمع کرنیوالی ہوتی ہے شوہر کی فرمان بردار مگر افیون کھالینے کے بعد بیوی کا بھی خدا حافظ اور شوہر کی بھی پولیس محافظ،

یہ ہندوستان مین جب اپنے گھرون میں کاغذ کے کھلونے فروخت کرنے آتی ہے تو اس کے اندر ادنیٰ جھجک نہین ہوتی مگر اپنے ننھے میان کی والدئین اس سے ڈرتی بھی ہین اور اُسے غور سے دیکھکر کبھی حیران رہجاتی ہین اور کبھی

قہقہہ لگاتی ہین مگر وہ ان باتون سے گھبراتی نہین،

اسکی شادی کے دوسرے قاعدون ہین سے ایک قاعدہ ہندوستانی شادی کے قاعدہ سے ملتاہے۔ یعنی چینی بیوی کو وہان کی "مشاطہ" بھی تلاش کرتی ہے یا تلاش کرتا ہے یعنی ایک خاص آدمی شادی کی تحریک اورجملہ معاملات کا ذمہ دار اور طے کرانے والا ہوتا ہے،

چین مین جسطرح مردون کے لیئے اپنی مان کا احترام کرنا نہایت درجہ ضروری اور فرض ہی۔ اُسی طرح بیوی کے لیئے ساس کی ناز برداری اور فرمان برداری اتنی ہی ضروری ہے جتنا کو توالی کے وارنٹ سے ہندوستانی آدمی پرخوشی سے گرفتار ہوجانا ضروری ہے یہان کا دولھا بہت کم ۲۵ برس سے زیادہ عمر کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہان جب تک کہ شادی نہو جائے مرد کو ننھے میان ہی کہاجاتاہے۔ اس لیئے وہان نوجوان ہونا ہی شوہر بنادینے کا خاصا وارنٹ سمجھاجاتا ہے ۱۹۲۹ء کی جنگ اور قومی آزادی کے بعد سے چینی بیوی کا رتبہ خاوند کی نظر مین اس لیئے بلند ہوگیا ہے کہ اس نے قومی اور وطنی جنگ مین شوہر کی نہایت زبردست خدمات انجام دی ہین۔

عام عورتین یورپ کی عورتون کے رنگ مین رنگی جارہی ہین اور جدید طریقون کو اختیار کیا جارہا ہے، اور عنقریب چینی بیوی کے اصول زندگی اور اصول ازدواجی یورپ کی بیوی سے مشابہ ہوجائین گے۔ فقط،

ہندوستانی بیوی

یادش بخیر! یہ اپنے بے چارے ہندوستان کی بیوی کیا ہوتی ہے بس خالص "بے چاری" ہوتی ہے اس لئے اس کے سمجھنے سے پہلے چند خاص باتوں کو ذہن نشین فرمالیجئے۔

اس سے پہلے جو آپنے "یورپ کی بیوی' افریقہ کی بیوی' اور افریقہ میں مصر کی بیوی' مراقش کی بیوی' پھر ایشیا کی بیوی' اور اس میں روس کی بیوی ترکی بیوی' جاپان کی بیوی' چین کی بیوی اور جن دوسری بیویوں کے حالات پڑھے ہیں اون کے ناموں کا یہ مطلب نہیں کہ جن ممالک کی نام سے اُن کا تعلق ہے وہ اُن ممالک کے نہیں بلکہ شوہروں کے نام ہیں کیونکہ اگر یوں سمجھا گیا تو پھر تمام عنوانات کو یوں لکھنا پڑیگا کہ جناب یورپ بیگ صاحب کی بیوی' جناب امریکہ خاں صاحب کی بیوی اور جناب افریقہ پرشاد صاحب کی بیوی "!

۲۔ ظاہر ہے کہ ان تمام ممالک کی بیویوں کے یہ حالات نہ تو مکمل ہیں اور نہ تفصیلی' اور یہ اس لئے کہ ان ممالک کی بیویوں کے تفصیلی حالات کے لکھنے کی خود ہمیں ضرورت نہیں تھی' البتہ مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی

بیوی اور اوس کے "بیویانہ حالات" کی تفصیلات سے پہلے دنیا کی تمام بیویوں کے موجودہ حالات کا ایک دہندلا سا خاکہ آپ کے سامنے آجائے تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ دنیا کے تمام انسانوں کی بیویاں زیادہ تعداد میں کس حیثیت اور کن حالات کی بیویاں ہیں، اور عورت کی حیثیت کے ساتھ ہی وہ بیوی کی حیثیت سے کیا کچھ کر رہی ہیں؟ اور یہ جو آج دنیا میں عورتوں کی ترقی، عورتوں کی اصلاح عورتوں کے حقوق اور عورتوں کی تعلیم وغیرہ کے متعلق تمام دنیا میں ہنگامے ہو رہے ہیں اوس میں ان ممالک کی عورتیں بیوی کی حیثیت سے کونسے اور کتنے تیر مارے ہیں تاکہ اگر ان سب کے تیروں ہی کو انسانی خطرات کے دفع کرنیکا ضامن قرار دیدیا جائے تو پھر اس اپنے ہندوستان کی بیوی کو بھی وہی تیر مارنا چاہیئے۔

اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اچھا اگر دنیا کی دوسری عورتیں بیوی کی حیثیت سے آئندہ زندگی اور ترقی کا یہی وتیرہ اختیار کریں گی جو اوپر بیان ہوا تو پھر لائیے اور بتائیے کہ ہندوستانی کی بیوی ان حالات کے لحاظ سے آجکل کن حالات میں مبتلا ہے اور کیا کر رہی ہے؟ تاکہ آسانی سے فیصلہ کیا جاسکے کہ اب ہمیں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دیدینا چاہیئے یا اونہیں دنیا کی مذکورہ بالا قسم کی بیویاں بنانا چاہیئے یا موجودہ حالت ہی میں چھوڑ دینا چاہیئے یا خود اپنے ملک اور اپنے حالات کے موافق اُنہیں آگے بڑہانا چاہیئے

پس ان تمام حالات کے سمجھنے کے لئے آپ کو ہندوستان کی آنے والی ہیولوں کے حالات کو ملاحظہ فرمانا ہوگا اس لئے معلوم کیجے کہ ہندوستان ایشیا کا وہ عظیم الشان حصہ آبادی ہے جس کے اوپر یا جس کے اندر ایک نہ دو پورے (۳۵) کروڑ انسان آباد ہیں اور مردم شماری کے فیض سے ہر دس سال کے بعد کچھ نہ کچھ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ اب یہ کل ہندوستان یا یہ کل ۳۵ کروڑ باشندے کوئی دو سو برس سے انگریز نام کی ایک قوم کے ماتحت ہیں جو یورپ کے ملک انگلستان میں آباد ہے۔ ہندوستان کی سب سے زیادہ تعداد والی قوموں میں پہلے ہندو پھر مسلمان پھر سکھ اور ایرے غیرے نتھو خیرے مانے جاتے ہیں۔

ہندوستان کا زیادہ حصہ گرم ہے اور آب و ہوا زیادہ مقدار میں غیر معتدل، اس لئے یا اور کسی سبب سے یہاں کے باشندوں میں افلاس، تنگدستی، بے ہنری، جہالت، طاعون، انفلوانزا، تپ دق، نمونیا ہیضہ، کالی کھانسی، ملیریا، درد گردہ، درد قولنج، دردسر، درد ریح، پسلی کا درد، مالیخولیا، مراق، جنون، ہول، وحشت، قبض دائمی، کھٹی ڈکار آنا، سوء ہضمی، سینہ جلنا، طحال، اسہال، پیچش، بواسیر ریحی، بواسیر خونی نفخ، گٹھیا، فساد خون، فالج، اختلاج قلب، ذیابطیس، سل، تپ کہنہ جذام، غشی، مرگی، دمہ، استفراغ، پت، امتلا، سدہ، پتھری، جلندھر

چیچک، ضیق النفس، خناق، خنازیر، ذات الجنب، رسولی، ذات الصدر یرقان، سل سل بول، پھوڑا، دنبل، لقوہ، وجع مفاصل، نقرس، رعشہ، سکتہ، عرق النساء، استسقا، گنج، خارش، آشوب چشم، ضعف بصارت جالا، غبار، سرخی، پانی بھنا، سرطان، نزول الماء اور خدا جانے کتنے امراض ہر وقت پائے جاتے ہیں، پھر ان پر کتے کا کاٹا ہوا، سانپ کا کاٹا ہوا بچھو کا کاٹا ہوا، مسلمان کا کاٹا ہوا، ہندو کا کاٹا ہوا، افسر کا کاٹا ہوا، خفیہ پولیس کا کاٹا ہوا، تھانیدار کا کاٹا ہوا، حلقے کے داروغہ کا کاٹا ہوا، فرض اور بر طرفی کا کاٹا ہوا، اور جو یہ کچھ بھی نہیں۔ تو بیوی بچوں کا کاٹا ہوا اور ان سب کے بعد افیون، گانجا، چرس، بھنگ، حقہ، بیڑی، سگریٹ شراب، اور قمار بازی کا کاٹا ہوا، مریض بھی یہاں بکثرت موجود ہے ورنہ صبح و شام، اور کھانسی و زکام، اور اگر بالکل ہی نہیں۔ تو اعضا شکنی اور جمائیوں سے تو یہاں کے رئیس امیر اور عہدہ دار بھی محفوظ نہیں، غرض ہندوستانی عورت اور مرد کے بھی وہ موانع اور محالات ہیں جن کے باعث وہ آجکل کی سی ترقی سے محروم ہے۔

البتہ اوس کی بیداری، اور غفلت سے چونکا دینے والی حرکت اصل میں انگریز قوم کا غلبہ ہے۔ جس کے باعث وہ ان کے تمدن، ان کی تہذیب، ان کی ایجادات، ان کی سیاست، ان کی تعلیم، اور ان کے

عام طریقوں سے ایک عرصہ سے دوچار ہو رہی ہے، مگر ہندوستانی مردوں کی حد سے گزری ہوئی جہالت، قناعت پسندی، اور تاریک ترین اعتقادی ذہنیت نے کبھی اپنی عورتوں کو آگے بڑھانے پر آمادہ نہیں کیا، اور اس کے قوی ترین اسباب میں سے ایک تو ان کا یہ عقیدہ ہے کہ عورت "صرف مرد کی خدمت گزاری" اور اطاعت "کے لئے پیدا ہوئی ہے اور مذہبیاً وہ مرد سے کسی حیثیت سے بھی آگے نہیں بڑھ سکتی، دوسرے خود یہاں کے مردوں کی بے ہنر اور بے علم زندگی نے انھیں کبھی فراغت سے اتنا بھی دوچار نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں وقت اور دولت سے کام لیتے،

ان مواقع میں گذشتہ سلاطین ہند اور اس کے بعد سے اس وقت تک کے شعرا نے بھی ہندوستانی عورت کو مرد سے پیچھے رکھنے میں خاصا کام کیا۔ اور اپنی تمام شعری قوتیں اسی ایک خیال اور عقیدے کو طاقتور بنانے پر صرف کرتے رہے کہ عورت صرف محبت کرنے اور گھر کی رونق کے لیئے پیدا کی گئی ہے اور وہ ایک ایسی ہی نازک سی چیز ہے جو ادنیٰ سی محنت کرنے سے تھک کر بیکار ہو جائیگی پس ان خیالات اور حالات کا نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ ہندوستانی عورت گھر کی چار دیواری کے اندر تباہ ہو جائے مگر انگلستان سے آنے والے مردوں اور عورتوں نے کوشش کی کہ ہندوستانی عورت بھی مرد کے برابر کام کرے

اور مرد کی تمام ذمہ داریوں مین برابر کی شریک نظر آئے یہ ایک ایسی کوشش تھی جسکی رفتار بہت کم اور سست تھی اور اسی لیئے ہندوستانی عورت کو مرد کے برابر کام کا بنانے کے لیئے کافی عرصہ گذر گیا،

لیکن پچھلی نصف صدی مین جب ہندوستانی مرد انگریزون کی زندگی سے تعلیم کے باعث ایک حد تک واقف ہوئے تو اُنکے سامنے انگریز عورتون کی زندگی آئی اور وہ نہایت دھیمی رفتار سے اپنی عورتون کی اصلاح کی طرف بڑھے نتیجہ یہہ نکلا کہ اب یہ مسئلہ دماغ اور خیال سے بڑھکر عمل مین نظر آنے لگا، اور ہندوستانیون کی یہہ "گھریلو زینت" اب اسکول مین نظر آنے لگی، مگر عجیب وغریب مشکلات کے ساتھ، مثلاً پہلی مرتبہ جب یہ بغرض تعلیم اسکول مین آئی ہے تو مذہبی معتقدات نے اسے سختی سے روکا، اور جگہ جگہ سے اس کے خلاف مذہبی آوازین پیدا ہونے لگین، اس کے بعد اس کی مالی مشکلات نے اُسے روکا، جسکا نتیجہ یہہ نکلا کہ وہ اسکول پہونچکر بھی ناکام واپس لوٹنے پر مجبور ہوگئی،

مسلمان عورت کے آگے بڑھنے مین اگر مذہبی رنگ کی قیود سخت تھین تو ہندو عورت کے لیئے ہندوستان کا یہ خیال زبردست مانع تھا کہ عورت مذہباً اس قدر مقدس چیز ہے کہ بس اُسے گھر مین بٹھاکر پوجا جائے،

غرض دونون قومون کے خیالات یہی رہے کہ عورت ہر حال مین، نازک، نفیس، پاکیزہ تر، اور کچھ بڑی ہی لوچ دار چیز ہے جو تعلیم وتمدن اور ترقی مین مردون کی

طرح محنت برداشت نہین کرسکتی بلکہ بے عمل اور سست فطرت شعرا کے لیئے ایک
طرح کا مصرع طرح ہے جس پر بس خیالی اورطرحی طبع آزمائی توکیجا سکتی ہے
مگر اس کو کام پر مجبور نہین کیا جا سکتا، لیکن طبعی ارتقا کے قدرتی اثر نے اور انگلستان
عورتون کو بھی کام کے لیئے پرجوش بنایا پھر بھی کافی سست رفتاری کے ساتھ
مگر سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ یورپ نے جب ہندوستان کے سترہ لاکھ مردون کو میدان
قتل و قتال مین کھینچ لیا، اور زندگی کی ہر چیز مین حرکت اور تبدیلی پیدا ہوگئی تو
ہندوستانی عورت کی آنکھین کھل گئین، اُس جنگ کے بعد جنگ روس یا
انقلاب روس اور جنگ ترکی و یونان یا جنگ سنہ ۱۹۱۷ء و سنہ ۱۹۲۱ء مین جب روسی
اور ترکی عورتون نے میدان جنگ مین مردون کے برابر خدمات انجام دین، ادہر
اطلات اور اخبارات کے ذرائع عام ہوگئے تو ہندوستانی عورت یکایک
گھر سے باہر نکل آئی اور اس قدر جوش کے ساتھ بڑھی کہ اب اسکا پیچھے
ڈھکیل دینا کسی کے بس کی بات نہ رہی، اور اب وہ بازار، اسکول، شفاخانے
وکالت، ہائی کورٹ، اخبار نویسی، لیڈری، تجارت، اور تھیٹر اور سینما تک
مین نظر آنے لگی۔ جب یہ ہوا تو پھر کیا تھا۔ مردون نے بھی سوچا کہ عورت
ذات کو اپنا احسان جتانیکا بھی موقع ہے اس لیئے انہون نے بھی عورت کو
ترقی دینے کا وعظ شروع کردیا۔

اب ایک نازک سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستانی عورت کی "موجودہ کارگذاری"

یورپ کی اقوام سے متعلق ہونیکا نتیجہ ہے، یا اوسکا طبعی انقلاب ہے؟ پھر یہ
کہ اب وہ جس رنگ مین آگے بڑھی ہے وہ اسکا قدرتی رنگ ہے یا غیرون کا؟
پہلے دونون سوالون کا جواب اثبات مین ہے یعنی ہندوستانی عورت واقعی سب
سے پہلے انگریزی عورت سے متاثر ہوئی ہے پھر اوس کے ذہنی قوی عرصہ کے
جمود کے بعد اب قدرتاً بیدار ہوئے ہین اور اس مین ترقی اور تبدیلی کا احساس
اس کے طبعی ارتقا کا اثر ہے جو درختون مین بھی ہوتا ہے اور ہر نشو ونما پانیوالی چیز مین
البتہ آخر کا مسئلہ مشکوک ہے مثلاً یہ کہ ہندوستانی عورت کے لیئے موجودہ رنگ کی ترقی
اسکی اصلی وطبعی ترقی وتبدیلی ہے یا نقلی؟
سو اکثر حالات کے لحاظ سے اس کی موجودہ تبدیلی نقلی ہے اور بعض حالات مین طبعی اور
ذاتی جس کے زیادہ صاف معنی یہ ہین کہ ہندوستانی عورت کے لیئے انگریزی عورتون
کی نقل نہ مفید ہے نہ پائیدار، اسی طرح اوس کی ملکی اور طبعی تبدیلی دنیا کی عام زندگی
کے مقابل کبھی مفید اور سود مند نہین ہوسکتی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک صدی کے اندر
ہندوستانی عورت یورپی اور ہندوستانی اثرات سے مل جل کر ایک بالکل ہی
"جدید زندگی کی مالک ہو جائیگی"۔ اور کچھ شک نہین کہ اب ہندوستانی عورت اپنے
پچھلے حالات کی طرف کبھی واپس نہ جائیگی" البتہ قدیم وجدید حالات کے ساتھ
وہ ایک بالکل ہی دوسری چیز بن جائیگی۔ پس جب یہ خیال نہایت صحیح ہے کہ اب
ہندوستانی عورت آگے بڑھے گی اور بڑھ کر رہیگی اور بڑھتی ہی چلی جائیگی اور

اور بڑھتی ہی رہیگی اور جب بڑھی تو پھر بڑھی ہی بڑھی تو پھر ضرورت ہے کہ ہم
بھی یہ کہکر کھڑے ہو جائین اور اسکی مدد کرین کہ - آ بھی بڑہ اگر تو بڑھتی ہے تو ہم
بھی تیری امداد کو موجود ہین - لہذا جب ہم یہ کہنے کے لیئے مجبور ہین تو پھر اصولاً ہین
سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ آج کل کن حالات و اثرات مین ہے خصوصاً
اس حیثیت سے کہ وہ بیوی ہو کر اپنے مردون کے لیئے آج کل کیا کر رہی ہے اس
لیئے ذیل کی بیویان ملاحظ ہون تاکہ آیندہ اونہین آگے بڑہانے اور اپنے حق
مین مفید بنانے اور خود اون کے لیئے مفید بننے مین آسانی ہو۔
واضح ہو کہ آیندہ آنے والی بیویون مین اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا
ہے کہ ہندوستان کے ایسے فرقون اور طبقون کی بیویان لی جائین جو گل جل
کر ہندوستانیون کی اجتماعی اور قومی زندگی کی سب سے زیادہ ذمہ دار بھی
مین مگر سب سے زیادہ پست پستی کے یہ معنی نہین کہ ذات پات کے لحاظ سے
پست بلکہ پستی کے معنی یہان اونکی اور اون کے مردون کی یکسر جہالت ہے
چنانچہ آنیوالا باب صرف ایسی ہی بیویون سے متعلق ہے جن کے تقریباً پورے
خاندان کو بھی علم چھو کر نہین گذرا ہے، درآنحالیکہ یہی تمام جاہل مرد اور عورتین
ملکر ہندوستانی آبادی کا غالب ترین حصہ ہین، کیونکہ صرف ملا رموزی صاحب اور
اون کی مبلغ ایک بیوی تو ہندوستان کی کل آبادی نہین ہوسکتی ہین اس لیئے، حضا
فرمایئے کہ ہندوستان کی غالب آبادی کس حال مین ہے ؟

بیوہ بیوی

بیوہ اُس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر مر جائے یا قتل کر دیا جائے، اس قسم کی عورت ہندوستان میں بکثرت ملتی ہے ہندوؤں میں ایسی عورتوں کی تعداد کا صحیح اندازہ بہت مشکل ہے کیوں کہ اُن کے ہاں ایک گروہ کے خیال میں بیوہ عورت کو دوسرا نکاح کرنا مذہبی لحاظ سے مناسب نہیں، مگر اب علم و تعلیم کی ترقی کے باعث ایسے ہندو پیدا ہو گئے ہیں جو بیوہ عورت کے لئے دوسرا نکاح جائز قرار دینے کے لئے زبردست کوشش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے تاریک خیال گھرانوں اور جاہل مزاج خاندانوں میں بھی بیوہ عورت کے لئے دوسرا نکاح حرام سمجھا جاتا ہے۔ بعض بیوہ عورتیں مزاج کی جہالت اور حماقت کے باعث خود بھی دوسرے نکاح کو حرام سمجھتی ہیں اور اسے مُردہ شوہر کی توہین قرار دیتی ہیں، بعض بیوہ عورتیں اس خوف سے دوسری شادی نہیں کرتیں کہ مرے ہوئے شوہر کی طرح نیا شوہر آرام نہ پہونچائیگا، بہرحال سبب کچھ بھی ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ہندوستانیوں کی آدھی زندگی بیوہ عورتوں کی دوسری شادی نہ کرنے سے برباد ہو رہی ہے،

چونکہ ہندوستان میں صرف شوہر کماتا ہے اور بیوی بے ہنر ہوتی ہے اور گھر میں بیٹھے بیٹھے شوہر کی کمائی کھاتی ہے اس لئے شوہر کے مرجانیکے بعد اس کی زندگی حد سے زیادہ تکلیف دہ

اور ناقابلِ دید اور ناقابلِ سماعت ہوتی ہے، اور جب ایک نوجوان عورت شروع زندگی میں شوہر اور دولت سے محروم ہو جائے تو اُس کی تکالیف اور مصیبتوں میں کیا شک ہو سکتا ہے اکثر بیوہ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے ساتھ ایک سے لیکر دس بارہ بچے بھی شوہر چھوڑ جاتا ہے اور ایسے ہی بچوں والی بیوہ سب سے زیادہ مظلوم، بےکس، پریشان اور قابلِ ہمدردی ہوتی ہے، بدنصیبی سے ایسی کثیر اولاد والی بیوہ عورتیں بھی ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں۔

اب علم و تعلیم اور دماغی ترقی کا اثر تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ذمہ دار لوگ ایسی عورتوں کو فوراً دوسرے نکاح کے لئے طرح طرح سے آمادہ کرتے انھیں بیوہ رہنے کے خراب اثرات سے واقف کرتے، انھیں سمجھاتے کہ بیوہ رہنے سے طبی قاعدہ سے عورت بیماریوں کا یونانی اسپتال بن جاتی ہے، جس خاندان میں بیوہ عورت ہوتی ہے اُس خاندان میں کبھی خوشی و مسرت اور برکت داخل نہیں ہوتی اور اسی لئے مذہبِ اسلام نے بیوہ عورت کے لئے دوسری شادی کو نہایت مفید اور ضروری قرار دیا ہے مگر غلام ملک ہونے کے باعث یہاں کا ہر کام اوندھا اور اُلٹا ہوا کرتا ہے چنانچہ یہاں کے شعراء صاحبانِ تصنیف، ایڈیٹروں اور لیڈروں نے بیوہ عورت سے ہمدردی کے لئے جتنا زور صرف کیا ہے اُتنا دوسرے نکاح کے لئے نہ کیا، اور بیوہ عورت کو ہمیشہ انتہا سے زیادہ مظلوم ثابت کرنے کے لئے پوری قوت صرف فرمائی ہے اور بیوہ عورت کے نہایت درجہ غم افزا حالات کو ہزاروں رنگ دیکر پیش کیا ہے جس سے خیالات میں عام افسردگی اور مُردہ دلی پیدا ہوتی ہے اور حیرت ہے کہ بیوہ عورت سے اس قسم کی ہمدردی

بڑھانے میں ہندوستان کے بعض ذی علم اور نکتہ رس حضرات بھی شریک ہیں۔ چنانچہ شاعرانہ عظمت و سربلندی کے ایک بہت بڑے مدعی اور صوبجات متحدہ دارالحکومت اکبرآباد کے ایک لمبے چوڑے شاعر جناب سیماب کی ایک نظم ملاحظہ ہو جس کی سطر سطر اور لفظ لفظ میں موت کو یاد دلانے والی افسردگی اور بے کسی بھری ہوئی ہے نظم یہ ہے جو رسالہ صوفی گجرات کے مارچ سنہ ۱۹۳۰ء نمبر میں شائع ہوئی تھی،

(۱)

ابھی تو تھا عنفوانِ ہستی، ابھی تو تمہید زندگی تھی

ابھی بعنوانِ شادمانی، مجھے نئی زندگی ملی تھی

ابھی تو میرے دراز بالوں میں سنبلِ خلد کی تھی خوشبو

ابھی تو میرے جوان خیالوں میں صبح سدرہ کی تازگی تھی

شباب کی تھی کہاں میسر ابھی مری عمر کو متانت

ابھی تو میں کمسنی کی معصومیت سے ہنس بول ہی رہی تھی

ابھی تو دیکھی تھیں صرف باغ حیات کی سترہ بہاریں

ابھی جوانی کے گلستاں کی میں تو شگفتہ سی اک کلی تھی

ابھی شب ماہ و لطفِ ساحل سے میری نظریں کہاں تھیں واقف

ابھی تو خلوت کدہ میں میرے محیط میری ہی چاندنی تھی

ابھی تو میرے لباس سے جلوہ گر تھے آثارِ نوعروسی

ابھی تو میرے بدن میں عطرِ سہاگ کی بو بسی ہوئی تھی
ابھی تبسم دوشیزگی کے کنارِ رعنا میں کھیلتا تھا
ابھی تھی معصوم میری چتون، میری نگاہوں میں سادگی تھی
ابھی سے کیوں کر دیا فلک! تیرے دَور نے سوگوار مجھ کو
بنا دیا کیوں ابھی سے تقدیر نے مری بیقرار مجھ کو،

(۲)

کہاں گیا وہ رفیق میرا، جو ضامنِ لطفِ زندگی تھا
کہاں گیا وہ شفیق میرا، جو میری خلوت کی روشنی تھا
کیا تھا مجھ سے کسی نے وعدہ کہ عمر بھر میں نباہ دونگا
یہ کیا خبر تھی کہ "عمر بھر" ایک مختصر لمحۂ خوشی تھا
وہ حسرتیں کیا ہوئیں جو میرے وفا بھرے دل میں پل رہی تھیں
وہ آرزوئیں کہاں گئیں جن سے مجھ کو ارمانِ سرخوشی تھا
وہ میرے عشرتکدے کی شمعوں کا نور کیا ہو گیا الٰہی
جو میرے عشرتکدے کے دیوار و در سے بیدار ہر گھڑی تھا
نہ وہ اُمنگیں، نہ وہ ترنگیں، نہ وہ تبسم، نہ وہ ترنم
تو کیا فریب نشاط میرے لئے زمانہ میں عارضی تھا؟
وہی ہوں میں اور وہی ہے گھر بھی، مگر وہ آسودگی نہیں ہے

ہوا وہ دل کا سکون رخصت جو باعثِ عیشِ دائمی تھا

یہ میری تنہائیاں الٰہی، کہ بیکسی میں تڑپ رہی ہوں

فقط ہے اب اِک خیال باقی، کوئی مرا دلنواز بھی تھا

جہانِ فانی کی وسعتوں میں نہیں کوئی غمگسار میرا

تباہیاں میری زندگی کی بنی ہوئی ہیں مزار میرا

(۳۲)

مَیں درد اپنا کسے سناؤں، وہ میرا درد آشنا نہیں ہے

نصیب نے درد وہ دیا ہے کہ جس کی کوئی دوا نہیں ہے

مجھے تباہی میں چھوڑ کر تم، اکیلے دنیا سے کیوں سدھارے

نہیں ہے یہ اقتضائے الفت، یہ شرطِ مہر و وفا نہیں ہے

میں کس کی ہو کر رہوں جہاں میں تباخفا ہو کے جانے والے

یہ اور کیا ہے جو میرے دل پر ستم نہیں ہے وفا نہیں ہے

کہاں گئیں وہ لطیف راتیں جو میرا سامانِ زندگی تھیں

جو خواب عشرت میں دیکھتی تھی اب اُس کا کوسوں پتہ نہیں ہے

جہاں میں ہونے کو یوں تو سب کچھ ہی مجھ کو ان سے واسطہ کیا

کہ جس سے تھی زندگی عبارت، وہ زیست کا آسرا نہیں ہے

زمانہ کہتا تھا مجھ کو دلہن، اور اب ہوں میں بدنصیب بیوہ

یہ انقلاب اور تغیر، ٹھکانہ اس ظلم کا نہیں ہے

جہاں ہو مجھ کو وہیں بُلا لو، تم اپنی ہی قبر میں سُلا لو

کشاکشِ ہجر سے نکالو، کہ زندگی میں مزا نہیں ہے

مرے ہی سر پر بصورتِ قہر آج ٹوٹا سُہاگ میرا

تمہارا داغِ جُدائی دے کر اجل نے لوٹا سُہاگ میرا

۴

میں سُن رہی ہوں کہ بزمِ عالم میں عشرتِ عید آ رہی ہے

خدائی میں عید کی مسرّت، خوشی کا پیغام لا رہی ہے

مگر مجھے کیا کہ مَیں تو اپنے الم کدہ میں تڑپ رہی ہوں

تمہاری رحلت کی سوگواری شریکِ ماتم بنا رہی ہے

تصوّرِ دوش سے ہوں محزوں، کہ دل کو تم یاد آ رہے ہو

وہ عید کی عشرتِ گذشتہ مجھے بہت اب ستا رہی ہے

نظر میں قوت کہاں جو دیکھوں میں عید کی دلفریبیوں کو

کہ عیشِ رفتہ کی ایک مستی سی اب آنکھوں میں چھا رہی ہے

یہ عید جو کل ہے آنیوالی مرے لئے ہے مہِ محرّم

پیامِ ماتم کا دے رہی ہے، اجل کا نوحہ سُنا رہی ہے

خوشی تمہارے ہی دم سے تھی، اب خوشی کہاں ہے خوشی کا ماتم

نہ پھول میں وہ مہک ہی باقی، نہ شمع میں وہ ضیا رہی ہے
تھی عید جن کی تجلیوں سے وہ آج قبروں میں سو رہی ہے
فریبِ عشرت میں ہے یہ دنیا کہ عید اب بھی منا رہی ہے
نہ ہو رفیقِ حیات باقی کوئی تو پھر داد و دید کیسی؟
کہ دل ہی جب خوش نہ ہو کسی کا تو پھر خوشی کیا اور عید کیسی

(۵)

ہمارا دکھ کون پوچھتا ہے پڑی ہے اپنی ہی ہر کسی کو
سب اپنے اپنے خیال میں ہیں، نہیں ہماری خبر کسی کو
ہمارے غم پر جو رحم کھائیں، تو کچھ نئی ہمتیں دکھائیں
اُٹھا کے تربت سے کیوں نہ لے آئیں پھر یہاں چارہ گر کسی کو
یہ سوگ اور مصیبتیں، یہ ہم نفس کی فضول باتیں
جو خواب ہم آج دیکھتے ہیں وہ آئیگا کیوں نظر کسی کو
سکون دل میں کہاں رہا ہے، الم ہے اور جان مبتلا ہے
ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رو ئیں گے عمر بھر کسی کو
اگر سمجھتی کہ وہ خفا ہیں تو منتیں کر کے روک لیتی
نہ جانے دیتی مَیں اپنے پہلو سے اس طرح روٹھ کر کسی کو
مکاں کی تیرہ خلوتوں میں خیال کی تنگ وسعتوں میں

نگاہ میری تلاش کرتی ہے شام سے تا سحر کسی کو

بلا سے بچپن میں موت دینا، بلا سے ہر عیش چھین لینا

بھری جوانی میں یا الٰہی نہ کرنا بیوہ مگر کسی کو

بہ ہجر مرحوم سوگوارم، امید صبر و قرار تا کے؟
بیا بیا اے اجل کہ ہستی ہلاکِ صد انتظار تا کے؟

اب اس نظم کے دیکھنے کے بعد بتائیے کہ جس قوم کے شعراء اپنی شعری قوتوں سے بیوہ عورتوں کے ایسے افسردہ اور مایوس کُن نمونے پیش کریں گے اُس قوم کی اجتماعی زندگی برباد نہ ہوگی تو کیا انگریزوں کی زندگی برباد ہوگی، اس شاعر کے بعد ایک دوسرے شاعر جناب افسر میرٹھی نے بیوہ عورت کی عید کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو جو رسالۂ سہیلی لاہور بابتہ عید نمبر ۱۹۲۹ء کے صفحہ ۳۰۸ سے لی جاتی ہے نظم یہ ہے۔

عید کے دن سب تو ہنستے ہیں مجھے اندوہ ہے
میرے دل پر کاہشوں کا آج ایک انبوہ ہے
غم کی ماری ہوں پڑی ہے آفتوں میں میری جاں
دل کی جو حالت ہے مجھ سے ہو نہیں سکتی بیاں
ناک میں دم آگیا غم کھاتے کھاتے اے خدا
مر گئی جانے کہاں، موت آتے آتے اے خدا

عید سب کو عید ہے لیکن محرم ہے مجھے

کیا کہوں کیسی جوانی میں لٹا میرا سہاگ
ہائے عشرت کے زمانے میں ہی پھوٹے میری بھاگ
جب نہیں "وہ" دیکھنے والا تو بن کر کیا کروں
ہوں اگر کپڑے تو میں ان کو پہن کر کیا کروں
پان بھی چھوٹا مِسّی کا مُنہ بھی کالا ہو چکا
اب کہاں "سورج" میرے گھر میں اُجالا ہو چکا

عید ہے لیکن خوشی کا آج ماتم ہے مجھے

یاد بھی مجھ کو نہیں ہوتا ہے کیسا عیش اب*
نام عشرت کا مجھے آتا ہے سُن کر طیش اب

جب کوئی آتا ہے موقع شاد ہونے میں سبھی
عام جب کوئی خوشی دنیا میں ہوتی ہے کبھی

تازہ ہو جاتے ہیں غم وُہ یاد آجاتے ہیں پھر
سین وحشت کے اِن آنکھوں میں سما جاتے ہیں پھر

عید کے دن کی خوشی سب کو فقط غم ہے مجھے

ہائے میرے بھولے بچے تکتے ہیں مُنہ غیر کا
سیر کون ان کو کرائے آج ہے دن سیر کا

وُہ نہیں تو عید گاہ اب کون لیجائے انہیں
کون لیجا کر کھلونے آج دلوائے انہیں

اپنے پہلو میں بٹھائے کون ان کو پیار سے
بیکسی ہے ہے ہے! ٹپکتی ہے در و دیوار سے

عید اور میں جل رہی ہوں گھر جہنم ہے مجھے

ہائے سنتا ہی نہیں کوئی میری فریاد کو
موت بھی آتی نہیں افسوس مجھ ناشاد کو

درد سے بیتاب ہے دل چوٹ سے زخمی جگر
بیکسوں کی کون مگر بُرے وقت لیتا ہے خبر

کیا دکھاؤں تم کو افسردُل میں جو ناسور ہے
غم میری قسمت میں ہے اور عیش مجھ سے دور ہے

عید کی کیسی سوئیاں ہر غذا سم ہے مجھے

* کاش ان نظموں کی عوض ایسی نظمیں کہی جاتیں جن کے اندر بیوہ عورت کو عقد ثانی کے بغیر زندہ رہنے پر شرم دلائی جاتی، اُس کی عملی قوتوں کو بیدار کرنے والے خیالات اور جذبات ہمت میں جوشِ عمل پیدا کرنیوالے اثرات کو پیش کیا جاتا تو مسلمانوں سے بیوہ عورتوں کی سرپرستی کی لعنت کم ہوتی، بخلاف اس کے اس قسم کے خیالات سے نہ فقط بیوہ عورت ہی کا دل سرد

ہو جاتا ہے بلکہ دوسری عورتیں بھی اِن خیالات سے متأثر ہو کر بے عمل ہو جاتی ہیں، ایک عورت کو بیوہ رکھ کر اُس کی اعانت کرنا اس حد تک تو نہایت درجہ مفید و ضروری ہے جب تک کہ اُس کے دوسرے نکاح کا بندوبست نہ ہو جائے، لیکن اس خیال سے کسی بیوہ عورت کی دائمی سرپرستی اور مدد کرنا جماعت میں بداخلاقی، بے عملی اور اقتصادی بیماری اور تباہی پھیلانے کا باعث ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جب ایک بیوہ عورت اپنے ساتھ دو چار یتیم بچوں کو لے کر اپنے ماں باپ کے گھر واپس آتی ہے تو اس سے ماں باپ کی مالی زندگی متأثر ہوتی ہے، بعض اوقات یہی مالی تنگدستی گداگری اور دوسرے اقسام کے برباد کُن حالات پر ختم ہوتی ہے، مسلمانانِ ہند کی عورتیں عموماً پردہ میں رہتی ہیں اور کثرت سے بے ہنر ہیں ادھر مسلمانانِ ہند اپنے ساتھ کی دوسری قوموں سے یقیناً مفلس واقع ہوئے ہیں پس اس لحاظ سے ایسی تمام مسلمان بیوہ عورتوں اور اُن کے یتیم بچوں کو اگر جمع کیا جائے تو اسلامی جماعت کی مزید تنگدستی اور افلاس کے اعداد میں کافی اضافہ نظر آئیگا، مگر ہندوستان میں مسلمان بیوہ عورت سے شادی کرنے یا اُس کی دوسری شادی میں رُکاوٹ ڈالنے والے اسباب میں سے بعض یہ ہیں،

۱۔ بیوہ عورت کے خاندان کی اُس کے ساتھ اندھی محبت اور ہمدردی جبکہ اُس کے دوسرے رشتہ دار محض اس خیال سے اُس کی دوسری شادی نہیں کرتے کہ کہیں بیوہ عورت یہ خیال نہ کرے کہ میرے شوہر کے مرجانے سے میرے عزیزوں پر میرا گزارہ اور صرفہ بھاری ہو گیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ محض اس خیال سے متعدد خاندان بیوہ عورتوں

کی پرورش کا بوجھ اپنے سر لئے بیٹھے ہیں۔

۲۔ بیوہ عورت کے خیال میں دوسری شادی کرنا مرحوم شوہر کے حق میں بیوفائی کرنا ہوگا

۳۔ یہ اندیشہ کرنا کہ اب پہلا ایسا شوہر نہ ملیگا، اور ممکن ہے کہ دوسرے شوہر سے تکلیفیں پہونچیں۔

۴۔ یہ خوف کہ دوسرے شوہر سے سابقہ شوہر کی اولاد کو نقصان پہونچے گا، اور جہالت کے عام ہونے کے باعث بیوہ عورت کا یہ خوف ایک حد تک صحیح بھی ہے جبکہ حالات نے ثابت کردیا ہے کہ دوسرے شوہر کو بیوہ عورت کی پہلی اولاد سے یا تو یکسر نفرت ہوتی ہے یا پھر وہ صحیح معنٰی کی محبت نہیں کرتا اور یہ بات قرین عقل و فطرت بھی ہے۔

ان حالات کے بعد بھی مسلمانوں میں بیوہ عورت سے شادی کی جاتی ہے لیکن عموماً وہی لوگ بیوہ بیوی اختیار کرتے ہیں جن کی داڑھی اور سر کے بال خضاب لاجواب لگانے کے قابل ہوجاتے ہیں، جن کی کمر اگر سپاہی میاں کی پیٹی سے نہ باندھا جائے تو وہ حرکت کے قابل بھی نہیں ہوتے جو ملازمت اور کمانے کی عمر سے نکل کر پنشن اور شفاخانے میں پڑے رہنے والی عمر میں داخل ہوجاتے ہیں جنھیں اپنی مرحوم بیوی کی اولاد کی پرورش کے لئے ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جنھیں عورت کے نہ ہونے سے اپنے گھر کے انتظام اور امور خانہ داری میں ایک سلیقہ مند عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب چونکہ بیوہ عورت دوسری شادی انھی وجوہ کی بنا پر کی جاتی ہے اس لئے مرد کو

ایسی بیوہ بیوی سے طبعی اور غیر معمولی محبت نہیں ہوتی، اس کے بعد بیوہ عورت جن وجوہ کے باعث دوسری شادی کرتی ہے اُن میں سے بعض یہ ہیں ۔

۱۔ یا وہ بالکل جوان ہوتی ہے اور بے شوہر کے وہ پوری عمر رہنا گوارا نہیں کرسکتی

۲۔ یا اُس کی سرپرستی اور گزارہ کے لئے اُس کا کوئی عزیز نہیں ہوتا۔

۳۔ یا اُسے اولاد کی آرزو ہوتی ہے ۔

۴۔ یا وہ غیرت مند ہوتی ہے اس لئے اپنی بیوگی کا بوجھ وہ اپنے خاندان پر ڈالنا نہیں چاہتی ۔

۵۔ یا اُسے اپنے بے ذریعہ بچوں کی پرورش مقصود ہوتی ہے ۔ ان وجوہ کے ساتھ چونکہ بیوہ عورت دوسری شادی منظور کرتی ہے اس لئے اُسے بھی دوسرے شوہر سے طبعی محبت نہیں ہوتی ۔

بیوہ بیوی عام طور پر اپنے پہلے شوہر کے زمانہ کو نہیں بھولتی اور نئے شوہر کے حالات کو پہلے شوہر کے حالات سے مقابلہ کرتی رہتی ہے اس لئے اُس کا دھیان نئے شوہر کے حق میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا اثر نئے شوہر کے خانگی امور پر پڑتا ہے البتہ بیوہ بیوی اخلاقی حیثیت سے بہت قیمتی بیوی ہوتی ہے اس طرح کہ اب اُس کے مزاج اور اخلاق میں کافی پختگی سنجیدگی، سلیقہ مندی اور ضبط مصائب و حالات کا وزن پیدا ہو جاتا ہے جو ہر آئندہ ازدواجی زندگی کے لئے بیش قیمت دولت ہے، نئے شوہر کے حق میں بیوہ بیوی ہر طرح مفید ہے مثلاً بیوہ بیوی کے اندر نہ تو غیر تجربہ کاری کا

شوق باقی رہتا نہ کلب اور ٹھنڈی سڑک کی تفریح پر وہ مجبور کرتی ایسی بیوی کے اخلاق کا ایک اثر نئے شوہر پر بھی پڑتا ہے مثلاً اب وہ بھی پہلے کی طرح فضول خرچ نہیں رہ سکتا کہ بیوہ بیوی اس قسم کے معاملات میں سختی سے احتساب کرتی ہے اس میں عباداتی اعمال کا اضافہ ہوتا ہے اور ان سے شوہر صاحب "بے نمازی سے، نمازی بن جاتے ہیں" اس قسم کی بیوی بہت ارزاں اور کم داموں میں ملتی ہے مثلاً اس سے شادی کرتے وقت جانکی بائی الہ آباد والی کے ناچ کا انتظام نہیں کرنا پڑتا، نہ حیدرآباد اور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کے ہاں سے قوال بلائے جاتے، نہ اذن کے فیشن ایبل کارڈ اور لفافے تقسیم کرنا پڑتا، نہ ولیمہ میں ہاتھی اور اونٹ کا پلاؤ پکانا پڑتا نہ برات میں پھلجھڑیاں چھوڑنا پڑتا، بس چند کھانسی میں مبتلا بوڑھے جمع ہو جاتے ہیں اور بغیر باجے اور رنڈی کے بیوہ بیوی گھر آجاتی ہے، اسی طرح بیوہ عورت کے عزیزوں کو اب اس کے جہیز میں نہ سات ولایتوں کے بنے ہوئے برتن دینا ہوتا نہ مہر کی ایک لاکھ تعداد پر جھگڑا کرنا پڑتا، نہ براتیوں کے لئے قنوج اور احمد حسین دلدار حسین لکھنوی کے ہاں کا عطر درکار نہ سنہری ورق کے پان، بس ایک جوڑا بڈھے میاں کو اور ایک بیوہ عورت کو، اس قسم کی بیوی بے حد صلح پسند، نرم مزاج، اور خدمت گزار ہوتی ہے وہ دولت بھی جمع کرتی ہے اور بڈھے میاں کے اخلاق کی اصلاح بھی پس مبارک ہیں وہ خاندان جن کے اندر بیوہ عورت کی دوسری شادی ضروری سمجھی جاتی ہے جو ہر طرح خیر و برکت کا کام ہے کاش ہندوستان میں بیوہ عورتوں کی شادی قانوناً ضروری قرار دیدی جائے جس سے

ملک و قوم کی اخلاقی اور مالی زندگانی کی ترقی یقینی ہو سکے، اسی لئے وہ ماں بہنیں خدا و رسول کے نزدیک بھی محبوب و عزیز ہیں جو بیوہ عورت کی دوسری شادی کو پسند کرتی ہیں، اور اسی لئے اسلامی شریعت میں بیوہ کی دوسری شادی کو مبارک اور محمود کہا گیا ہے،

کسان کی بیوی

آپ کے اور ہمارے دادا میاں مرحوم کے زمانہ میں تو کسان صرف اُسی شخص کو کہتے تھے جو کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا، اور اس کا مطلب بھی اتنا ہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ وہ آدمی ہے جو گیہوں، چنا، چاول، اور ماش کی دال بوتا ہے اور بازار میں لاکر فروخت کر جاتا ہے، اس کے گھر جاکر پولیس کے سپاہی میاں اسے بارہ بجے رات کو بھی جوتا مار سکتے ہیں اور دن کے تیرہ بجے بھی، بالکل یہی حال چھ سو برس پہلے یورپ کے کسانوں کا تھا مگر یورپ میں تعلیم جتنی ترقی کرتی گئی اس شخص کی عزت اور توقیر میں اُتنا ہی اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۱۹۱۷ء میں ملک روس میں بادشاہ کے خلاف وہاں کی رعایا نے تلوار اُٹھائی اور اُس کو مع اُس کے خاندان کے ٹکڑے کرکے پھینک دیا، جس جماعت نے اُس کے بادشاہ صاحب کا قیمہ قیمہ کرکے رکھ دیا اس کو عام طور پر بالشویک کہتے ہیں جس میں روس کے ہر قوم اور قبیلے کے لوگ شریک ہیں۔ پس جب یہ بغاوت ختم ہوگئی اور بادشاہت پر قبضہ کرلیا گیا تو پتہ چلا کہ یہ باغی لوگ اصل میں روس کے کسان اور مزدور تھے جنہیں ایک شخص ایم لینن نے بھڑکا کر بادشاہ روس کے خلاف لڑایا، اور یہی وہ شخص تھا جس نے ایشیا میں کسان کی عزت بڑھانے

میں کافی سے زیادہ خدمات انجام دیں اِدھر جب اُس کے ساتھ روسی کسانوں نے میدانِ جنگ میں خاصی جانثاری سے کام لیا تب کہیں جاکر ہم ہندوستانیوں کی آنکھیں کھلیں اور ہم نے سمجھا کہ اُفوہ یہ کسان خاں صاحب بڑے مرتبے کے آدمی ہیں بس اُسی وقت سے ہندوستان کے بے دماغ اور نقال لیڈروں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا کہ اے غافل ہندوستانیو اُٹھو اور اپنے کسانوں کی قدر پہچانو حالانکہ اس سے پہلے بھی ہندوستان میں کسان موجود تھے مگر ان کے متعلق کبھی کبھار کوئی بات سُن لی جاتی تھی اور ایک آدھ دفعہ گاندھی صاحب نے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار فرمایا تھا،

بس اب جو یورپ والوں نے اپنے ہاں کے کسانوں کی اس طرح عزت کی تو ہندوستان میں اب نہ پوچھئے بس جو اُٹھتا ہے وہ کسان ہی کسان پکارتا نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اب ہندوستان کے ایڈیٹر، مقرر، اور شاعروں تک نے کسان کی تعریف اور ہمدردی میں لکھنا اور کہنا شروع فرما دیا۔ لہٰذا مُلا رموزی بھی کسان کی تعریف کرتا ہے کہ

۱۔ کسان وہ جو شہر کی صاف اور سُتھری آبادی کو چھوڑ کر جنگل، پہاڑ، غار اور چٹیل میدانوں میں مع اپنے خاندان کے جا کر آباد ہوتا ہے، نرم گرم ہوا سرد و گرم موسم کی تکلیفیں اُٹھاتا ہے خطرناک درندوں ڈاکوؤں اور خوفناک تنہائی کا مقابلہ کرتا ہے بے یار و مددگار زندگی بسر کرتا ہے، تھیٹر، سینما، دنگل، رام لیلہ، عید بقر عید، موٹر کار، ریل اور ڈاکخانہ کی راحت اور لطف سے محروم رہتا ہے۔ سپاہی، تھانیدار، تحصیل دار، اور کلکٹر صاحب کے جوتے کھاتا ہے مگر ہزاروں قسم کی ترکاریاں اور غلہ تیار کر کے شہری آبادی کا گزارہ فراہم کرتا ہے

اب سوال یہ ہے کہ ایسے مظلوم انسان سے ہمیں ہمدردی کرنا چاہئیے یا نہیں؟ تو ملّا رموزی صاحب کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں اور یہ اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسان بنکر اتنی مصیبتیں اُٹھاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اُسے شہر کی آبادی کی بھوک پیاس کا بہت زیادہ خیال ہے اس لئے بےچارہ شہر والوں کی پرورش کے لئے اتنی مصیبتیں اُٹھاتا ہے بلکہ یہ تمام مصیبتیں وہ محض اپنے نفع کے لئے اُٹھاتا ہے یعنی کھیتی کی آمدنی اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ کہ ایک سال کی آمدنی سے وہ تین ڈپٹی کلکٹروں کو تنخواہ دے سکتا ہے پھر بعض لوگ اس لئے کسان بن جاتے ہیں کہ وہ کسان ہی کے گھر پیدا ہوتے ہیں اس لئے قدرتاً وہ اسی پیشہ کو اختیار کرتے ہیں اور انھیں شہر میں آکر آباد ہونے کی عادت ہی نہیں ہوتی لہذا جب ثابت ہے کہ کسان اپنی کھیتی قوم اور ملک کی امداد کے لئے نہیں کرتا بلکہ اپنے اور اپنے خاندان کی بھلائی کے کرتا ہے تو پھر ہمیں کیا ضرورت جو ہم اس کا احسان مانیں؟

مگر ہاں ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ کہ اگر کسان لوگ تاؤ میں آکر کھیتی کا کام ہی چھوڑ دیں تو ہم لوگ بھوکے مرنا شروع ہو جائیں اور اتنے مریں کہ دفن ہونے کو جگہ بھی نہ ملے، دوسرے یہ کہ اگر کسانوں کی ہمتیں اور حوصلے کھیتی کی مشکلات سے پست ہو جائیں تو پھر ہمارا آپ کا مارے فاقوں کے جو حال ہو وہ ظاہر ہے اس لئے اس جماعت کی اگر عزت کی جاسکتی ہے تو وہ صرف اس کی اولوالعزمی اور ہمّت کی، یا پھر وہ از روئے قاعدۂ انسانیت اس لئے ہمدردی کا مستحق ہے کہ وہ جتنی مصیبتیں برداشت کرتا ہے اُتنا روپیہ اُسے نہیں ملتا، مثلاً زمین کا محصول ہی اتنا ادا کرتا ہے جتنا کہ اُس کا اور اُس کے بال بچّوں کا

دل نہیں چاہتا، بیگار، رشوت، بیماریوں، اور شہر سے دوری کی اتنی اذیتیں برداشت
کرتا ہے مگر روپیہ اتنا نہیں پاتا اور جس کے ولیمہ میں جاتا ہے سب سے آخر کی صف میں
بٹھایا جاتا ہے، انگریز لوگوں کے بنگلہ کے سامنے اگر کھڑا ہوا بھی نظر آجائے تو اتنے
دھپ رسید کئے جائیں کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں ہوش میں آئے، ہمارے آپ کے ہوٹل
میں اگر کھانا کھانے گھس آئے تو ہمارے رکابیوں کے دماغ درست کر دیا جائے اگر وہ علی گڑھ
والوں کے برابر دوسو روپیہ کا سوٹ پہن لے تو مارے ہنسی کے تمام دنیا اُسے ذلیل
کر کے چھوڑے، اگر وہ عینک لگا کر کسی جگہ کھڑا ہوا اخبار "پائنیر" پڑھ رہا ہو تو انگریزوں
کی عورتیں اتنی تالیاں بجائیں کہ بے چارہ اخبار پھینک کر بھاگ جائے تو ان باتوں کی وجہ
سے اس پر قدرتاً ترس آتا ہے پھر ہمیں اس لئے بھی ہمدردی کرنا پڑتا ہے کہ اُس کی کھیتی سے خود ہم
لاکھوں قسم کی تجارت کرتے ہیں اور کروڑوں روپیہ کماتے ہیں اگر وہ روئی کی کھیتی ترک کر دے
تو ہم آپ ننگ دھڑنگ پھرنے پر مجبور ہو جائیں اگر وہ چاول کی کھیتی ترک کر دے تو پلاؤ،
بریان، اور زعفر کو ترس جائیں،

حکومت کو اس کے ساتھ اس لئے ہمدردی ہوتی ہے کہ یہی سب سے زیادہ روپیہ
حکومت کو دیتا ہے، لڑائی کے زمانہ میں یہ خود وردی پہن کر سپاہی بن جاتا ہے
تمام فوج کے لئے غلہ دیتا ہے، جانور دیتا ہے، گھانس اور لکڑی دیتا ہے، اور کبھی
کبھی اپنے ہی کھیتوں کو توپ سے اڑا کر میدان جنگ بنا دیتا ہے مگر لڑنے سے منھ نہیں
پھیرتا، اس کے کھیت میں سے اگر ریل کی سڑک نکالو تو یہ چپ ہو جاتا ہے اس کی گائے

سایہ دار عمارت تجویز نہیں کی گئی بلکہ گھانس کے چھپر تلے درخت کے نیچے تاریک غار میں کھلے میدان میں اور درندوں کے منہ میں غرض جہاں وقت آجائے یہ پیدا ہو جاتی ہے پھر اس کی پیدائش پر نہ سرکاری اخباروں میں کوئی اعلان ہوتا نہ غیر سرکاری اخباروں میں، نہ نقارے بجائے جاتے نہ شادیانے، اصول پرورش میں نہ حفظانِ صحت کا خیال نہ اصول تربیت کا انتظام، بدوِ طفلی میں نہ اس کے لئے لچکدار جھولے کا بندوبست، نہ نرم و نازک بستر کی ضرورت، نہ آرام دہ تکیئے نہ پھول پھول کے کپڑے نصیب بلکہ بچوں کی پرورش کے لئے افلاطون و سقراط و بقراط سے لیکر ڈاکٹر انصاری صاحب نے آج تک جتنے قواعد بنائے ہیں اُن میں سے ایک بھی اس کے ہاں استعمال نہیں ہوتا، مگر یہ درختوں کے سایہ ہی تلے پل کر یوں جوان ہو جاتی ہے کہ شاعر لوگ تک اس پر عاشق ہونے کے لئے دیہات میں چلے جاتے ہیں، تو پھر آپ کہیں گے کہ اس کی پرورش کے لئے قدرت کے قاعدوں کا استعمال ہوتا ہوگا تو یہ بھی صحیح نہیں بلکہ ان قدرتی قاعدوں کو اس طرح توڑا جاتا ہے کہ فطرت کا دل ہی کچھ خوب جانتا ہوگا، مثلاً اگر پرورش کے لئے فطرت کا یہ عام دستور ہے کہ بچے کو تمام خطرات سے محفوظ رکھا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اسے بچپن میں گرمی کے شدید موسم میں میدان میں سلایا جاتا ہے مگر گرم ہوا کے انفلوانزا پیدا کرنے والے جھونکے اس کا کچھ نہیں بگاڑتے، اماں اور تو اور ایسے جنگل کے درندے رات کے وقت اپنے منہ میں دبا کر لے بھاگتے ہیں مگر جہاں اس کے کسان والد صاحب نے شور کیا کہ یہ درندے اُسی جگہ پٹک کر بھاگ جاتے ہیں اور یہ زندہ و سلامت رہ جاتی ہے مگر مرتی نہیں اور ڈرتی نہیں

پھر بچپن میں جسم کی نرمی اور نزاکت کے لئے جس درجہ نرم و نازک لباس کی ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے مگر اس کے جسم کے لئے نہ ریشمی بنیانیں ہوتیں نہ قیمتی اور فینسی موزے، نہ کارخانہ لال املی کانپور کے بنے ہوئے گلوبند، نہ بنارس کی ساری بلکہ اس کی والدہ صاحبہ اسے یوں ننگ دھڑنگ کھیت پر ڈال دیتی ہیں کہ دیکھئے اور حیران رہ جائیے، پھر چند دن کی دھوپ اور کھیتوں کی سخت زمین سے اس کا ننگ دھڑنگ جسم ایک طرح کا پالش کیا ہوا، واٹر پروف بن جاتا ہے پھر اُس پر گرم ہوا اثر کرتی نہ ٹھنڈی ہوا اور اسی لئے یہ بچپن میں کھیلتے وقت جنگل کی کانٹوں والی جھاڑیوں میں یوں چھپ جاتی ہے جیسے ہمارے آپ کے بچے کوٹھریوں اور کمروں میں چھپتے ہیں گویا جھاڑیوں کے تیز اور نوک دار کانٹے اس کے جسم کے اندر چُبھ جانے سے خود ڈرتے ہیں نہ اس کا عقیقہ شاندار ہوتا نہ بسم اللہ کی تقریب ہوتی ہے بس بڑی شان دکھائی تو یہ کہ پیدا ہونے سے دو چار دن بعد تک گاؤں کی چار چھ عورتوں نے اس کے پاس بے تکا سا گانا فرما لیا اور بس، والد صاحب کو اگر اس پر کچھ بہت ہی زیادہ پیار ہوا تو اُنھوں نے چاندی، پیتل، یا تانبے کے سیر سیر بھر وزن کے کڑے چوڑیاں یا گلے کے طوق بنوا کر پہنا دیے اور بس،

اسی طرح اس عورت کی جوانی شروع ہوتی ہے، اب جوان ہونے پر نہ اُسے اسکول جانے کا غم نہ کلب کی ممبری کا شوق، نہ ٹھنڈی سڑک کی تفریح کا خیال، نہ پیانو بجانے کا شوق، نہ ڈانس میں شرکت کا دھیان نہ پمپ جوتے کی یاد، نہ پاؤڈر کے ڈبے کی طالب نہ کشیدہ کاڑھنے پر پابند، نہ آداب گفتگو کی تابع نہ عباداتی امور کی تعلیم، نہ شوہرانہ حقوق کی باضابطہ تعلیم، نہ

امور خانہ داری کی کتاب پڑھے نہ وہ تربیتِ اولاد کے قواعد سیکھے نہ حسن وعشق کے افسانوں سے ہاتھ لگائے نہ اپنے ملازم کے ذریعہ کسی غیر شخص کو خط اور تصویر بھیجے نہ کلائی پر نازک سی گھڑی باندھے، نہ ولایتی انگوٹھی پر وہ دم دے نہ بنارس کی ساری کے لئے بے چین، مگر جوانی کی امنگوں سے اس معصومیت سے سرشار کہ ضبط وجفاکشی قسم کھائے اور پاکدامنی نثار، شعری حساب سے ایک حسنِ مستقل مگر باوقار اور جمال صد رنگ مگر متین،

کسان برادری میں شادی بیاہ کے لئے "خاندان اور قومیت" کی تحقیق وتخصص ایک حد تک ضروری ہے لیکن حسن وتربیت کے لئے کسان اکبر آبادی مرحوم کے اس مصرع پر عمل کرتا ہے کہ

نہ حسن کی قید نہیں بس ہے مساۃ سے کام

اس کے پیام و پیغام کے لئے نہ رنگین خطوط کی ضرورت نہ چالاک مشاطہ کی حاجت ایک دو رشتہ دار یا پڑوس کے کسان جہاں کسی چبوترہ پر بیٹھ گئے کہ منگنی منظور، اکثر شادیاں بہت کم عمری کی ہوتی ہیں اور چار پانچ برس کی عمر ہی میں کسان زادی دولہا میاں کے گھر عمر بھر کے لئے تشریف لے آتی ہیں، اب خواہ وہ چھوٹی عمر میں آئے یا بڑی عمر میں مگر ڈھائی ہاتھ لمبا گھونگھٹ ضرور فرمائے رہتی ہیں اور موٹا موٹا زیور بھی، ان کی برات میں دیہات کے وہ باجے ہوتے ہیں جو کسی متمول ہندو بھائی کے جنازہ کے ساتھ ہوا کرتے ہیں، براتیوں کی تعداد شاید ہی کبھی پندرہ بیس سے زیادہ ہوتی ہو، البتہ برات کی سب سے زیادہ رونق برات کی وہ عورتیں ہوتی ہیں جو براتی مردوں کے پیچھے قطار قطار نہایت مستی کے ساتھ جھوم جھوم کر گاتی جاتی ہیں ان کے آس پاس اور کہیں براتیوں کی گود میں یا ماؤں کی انگلی پکڑے ہوئے وہ ننگ دھڑنگ اور کالے کالے بچے بھی ہوتے ہیں

جن کے چکدار پیٹ ہمیشہ سینہ سے اونچے نظر آتے ہیں، براتیوں کے بیچ عجیب و غریب قسم کے لباس اور زیور سے لدے ہوئے دولہا میاں ہمیشہ ایسے ٹٹو پر سوار ہوتے ہیں جو دنیا میں مہینے سوا مہینے کا اور مہمان ہوتا ہے مگر اس چکدار طریقہ سے سوار ہوتے ہیں گویا سامنے آنے والوں سے کہہ رہے ہیں کہ میں ہوں اس برات کا دولہا، براتیوں کے آگے پیچھے دیہاتی کُتّے بھی ہوتے ہیں جو راستے کے نئے کُتوں کے خوف سے دُم کو ٹانگوں میں دبائے ہوئے چلتے ہیں اور کہیں کہیں مالک کو برات چھوڑ کر اپنے کُتّے کو راستے کے حملہ آور کتوں سے بچانا پڑتا ہے، براتیوں میں چلتے چلتے چلم پینا ضروری چیز ہے اور پنجاب و صوبہ سرحد میں شاید لمبے لمبے حُقّے بھی ہمراہ ہوتے ہیں، غلامی کی بے کسی یہ کہ اگر راستے میں کسی ہندوستانی افسر کا موٹر بھی نظر آجائے تو پوری برات مع دولہا کے نالی کے اُس پار نظر آتی ہے اور دولہا میاں تک جُھک کر موٹر کو سلام عرض کرتے ہیں،

دولہن کے گھر پہونچکر ضروری نہیں کہ براتیوں کو زرّیں شامیانے کے نیچے اور قیمتی قالینوں کے اوپر بٹھایا جائے بلکہ برات کے یہ تمام شرکا خود بخود یوں ہو جاتے ہیں کہ سہ

حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے، بیٹھ گئے

اب نہ برقی روشنی درکار نہ قوّالی کی فکر نہ وہ لکھنؤ کی ملکہ جان اور نہ الہ آباد کی جانکی بائی کا گانا، نہ تواضع کے لئے لنڈن اور پیرس کے سگریٹ اور سگار درکار نہ برف اور لمنیڈ کی بوتلیں، بس ایک طرف ڈھائی سیر تمبا کو اور ایک طرف اُپلوں کا دھواں دھار الاؤ، اب اپنا اپنا ہاتھ اور اپنی اپنی چلم یا دولہن کی جانب کا ایک آدھ حقہ، اب جو اس سے بھی زیادہ پُر جوش برات ہوئی تو تھوڑی

دیر بعد معزز و محترم براتی خود ہی اُٹھے اور ناچ فرمانے لگے ورنہ گانے سے تو چوکتے ہی نہیں اُدھر گھر میں دولھا اور دولہن والیوں کے گانے کا وہ شور کہ محلے والوں کو سونا حرام اور کروٹ بدلنا محال، البتہ براتیوں کی ضیافت کا انتظام دُلہن والوں کے لئے اس طرح ضروری ہوتا ہے کہ دُلہن والوں کے ساتھ مل کر دولھا والے خود ہی کھانا بھی پکائیں اور خود ہی خوش ہو کر تناول بھی فرمائیں، پھر عین اسی حالت میں اگر کسی تحصیلدار اور تھانیدار کی گاڑی چلانے کے لئے آدمی کی ضرورت ہو تو دُلہن کا باوا بھی بیگار میں لیا جا سکتا ہے اور دولھا کا بھائی بھی، اب نہ تحصیلدار کو بیگار میں لے جانے سے دریغ، نہ انہیں انکار کی مجال، البتہ رشوت دو تو برات میں رہو ورنہ چلو تحصیلدار صاحب کی گاڑی لے کر،

چند نہایت ہی سادہ رسموں کے بعد "رخصتی"، اس طرح کہ نہ دُلہن کے ساتھ جہیز میں مسہریوں پر مسہریاں ہیں، نہ زیورات کے صندوق پر صندوق، نہ کپڑوں کے جوڑوں پر جوڑے ہیں، نہ ڈولی کیساتھ خادم و خادمہ، دُلہن صاحبہ یا کسی بیل گاڑی کے اندر ورنہ دولھا میاں کے ٹٹو پر لدی ہوئی، اور دولھا میاں پیادے بنے ہوئے آگے گھر پہونچے تو ولیمہ کی بھی وہی "دُسنتِ خود اور دہنِ خود"، والی ترکیب جو دلہن کے گھر تھی یعنی براتی خود ہی پکائیں خود ہی کھائیں اور تھوڑی سی خود ہی گائیں اور جہاں سے آئے تھے تھے اب وہیں جائیں،

لیجئے یہ ہو گئی پوری شادی کوئی سو سوا سو روپیہ میں،

اب جو دُلہن دولھا میاں کے گھر آئیں تو اس طرح کہ چار پانچ دن تک وہ ذرا دُلہن سی بنی رہیں اور وہ پھر جو اُٹھیں تو آج اُنھوں نے خسر صاحب کے منہ دھونے کا لوٹا بھر کر رکھ دیا تو کل ساس

صاحبہ کے پاؤں دبا دیئے، پرسوں نند کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑے سے گیہوں صاف کئے اور پرسوں سے شوہر صاحب کا ناشتہ تیار کرنے بیٹھ گئیں، اور وہ لیجئے وہ شوہر کی امداد کے لئے ایک ہی ہفتہ میں کھیت پر کھڑی نظر آرہی ہیں، یہ نہیں کہ طبقۂ متوسط کی طرح شوہر کے گھر جو آئیں تو ایک مہینے تک تو گوشۂ حجاب وناز" ہی سے باہر نہیں آتیں، منہ دھلائے تو خادمہ اور کمرہ سے صحن تک جائیں تو نند یا ساس سہارا دے ورنہ بیٹھی ہوئی ہیں شرم و حجاب کا ڈھیر بنی ہوئی"، نہ مارے حجاب کے زور سے بات کرتی ہیں نہ پوری آزادی سے مسکراتی ہیں، مہینہ بھر کے بعد اگر آزاد ہوئیں تو صرف اس قدر کہ گھر میں اگر شوہر صاحب نہیں ہیں تو ساس یا نند سے ایک آدھ بات کرلی ورنہ دوڑیں اور اپنے والدہ کے گھر، آج ہیں کہ چاند دیکھنے والدہ کے گھر چلی جا رہی ہیں تو کل کسی عزیز کی سلامی اور مہمانی کے لئے اس طرح کوئی چھ مہینے میں وہ اس قابل ہوتی ہیں کہ شوہر کی چند خدمات آزادی سے انجام دیں سو وہ بھی اُس وقت کہ شوہر خادم و خادمہ رکھنے کے قابل ہی نہ ہو ورنہ جب دُلہن بنکر آئی ہیں تو عمر بھر جھولا ہی جھولیں گی اور زیور پہنیں گی مگر پوری جفاکشی اور محنت سے کام نہ کرینگی، چنانچہ خود ہمارے ننھے میاں کی والدہ نے شادی سے ڈیڑھ برس بعد کام کرتے ہوئے ایک مرتبہ سرد آہ کے ساتھ فرمایا تھا کہ جو کام ہم نے اپنے باپ کے راج میں نہ کئے تھے وہ شوہر کے راج میں کرنا پڑے لاحول ولاقوۃ، مگر کسان کی دُلہن ہوگی کہ روز بروز شوہر کی خدمت کے لئے آزاد و مستعد ہوتی جائیگی وہ ابتداء میں صبح کو سب سے پہلے بیدار ہوگی اور سب سے پہلے وہ خود ہی چولھا روشن کرے گی، اور شوہر کے لئے ناشتہ تیار کرلیگی، پھر وہ شوہر کیلئے

پانی بھر کر رکھ دیگی مگر ایسی جگہ کہ جہاں شوہر خود ہی دیکھ لے کہ پانی یہ رکھا ہے، پھر وہ ساس اور سسر کے لئے بھی اتنے ہی کام کرے گی اور قبل اس کے کہ شوہر یا ساس سسر بیدار ہوں وہ تمام کاموں سے فارغ ہو کر کسی گوشہ میں یوں بیٹھ جائیگی گویا اُس نے کچھ کیا ہی نہیں، البتہ چور نظروں سے دیکھتی رہیگی کہ شوہر نے ناشتہ کھا لیا یا نہیں اگر وہ ناشتہ سے فارغ ہو گیا ہے تو ابھی حجاباً سامنے نہ آئیگی مگر جیسے ہی کہ شوہر اُٹھا اور اُس نے اگر برتن اُٹھا لئے اور فوراً صاف کر کے قرینہ سے رکھ دیئے، اور جو کہیں شوہر بہت ہی سویرے کھیت پر چلا جاتا ہے تو یہ ناشتہ تیار کر کے کھیت پر جائیگی اور کھیت کے کنارے ناشتہ اور پانی کا برتن رکھ کر خود کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھ جائیگی اس لئے کہ ابھی وہ نئی دُلہن ہے، شوہر کھانے سے فارغ ہوا کہ اس نے برتن اُٹھائے اور گھر آ گئی، پھر چند دن بعد وہ صبح اُٹھتے ہی پانچ سیر گیہوں لیکر چکی چلائیگی مگر اس سلیقہ اور حجاب سے کہ گھر والوں کو بھی خبر نہ ہو کہ دُلہن چکی چلا رہی ہے، پھر وہ کبھی کبھی کھیت پر بھی جائیگی اور چند معمولی کام کر کے شوہر سے پہلے گھر لوٹ آئیگی اس لئے کہ ابھی وہ نئی دُلہن ہے پھر وہ دس پندرہ دن بعد ہی سے کھیت پر زیادہ دیر تک کام کریگی اور ایک ہی مہینہ کے بعد وہ شوہر کے تمام حالات اور کاموں سے واقف ہو کر اُس کی صحیح معنٰی کی رفیق زندگی بن جائیگی، اب ساس نند سسر اور شوہر سے لیکر گھر کے ایک ایک فرد کی جملہ خدمات وہ انجام دیگی مگر نہ شرمائیگی اور نہ گھبرائیگی، اور نہ دوڑ دوڑ کر اپنی ماں کے گھر جائیگی، اب وہ چوبیس گھنٹے شوہر کے گھر خوش ہے اور اس اعتماد کے ساتھ اب اُس کا اصل گھر شوہر ہی کا گھر ہے، اور چھ مہینے کے بعد کسان کی بیوی کام کے لحاظ سے بجائے بیوی کے شوہر ہو جاتی ہے

اور ہر وہ کام کر گزرتی ہے جو اس کا شوہر کرتا تھا، اب اگر اُس کی کوئی تفریح ہے تو کھیت پر دبی آواز سے کوئی کسانی غزل گا لینا، یا چکی چلاتے وقت ایک آدھ ٹھمری یا دادرے کی تان اُڑا لینا وہ دن میں دس مرتبہ سنگھار میں مصروف ہوتی ہے نہ ہفتہ کے ایک ہزار جوڑے بدلتی ہے، نہ شوہر سے نئے زیور کی فرمائش ہے نہ عطر لونڈر کی درخواست، نہ مرغ مسلم اور نہ کباب اور مٹھائی کی طالب، اب تو وہ ہل بھی چلاتی ہے اور گاڑی بھی، بیلوں کو پانی بھی پلاتی ہے اور کھیت کی نگرانی بھی کرتی ہے، غرض ایک سال کے اندر ہی اندر وہ سب کچھ ہو جاتی ہے البتہ اب اگر اُسے کوئی چیز بہت زیادہ خوش کرنے والی ہے تو اُس کی اولاد۔

مگر یہ بھی اس طرح کہ اگر خدا دے تو شکر ورنہ اس کے لئے نہ کسی بزرگ سے دعا کی خواہش نہ کسی عامل کے تعویذ کی حاجت، نہ کسی مزار کے عُرس میں جانا ضروری نہ کسی مسجد کا طاق بھرنا لازم، اسی طرح اگر خدا بیٹا دے تو احسان اور بیٹی دے تو احسان، نہ اولاد نرینہ کی کسان کو فکر نہ اُن کی **اُون**، اگر اولاد میں اب قسمت ہی میں لکھی ہے تو اس کی تعداد ایک سے لیکر نو دس تک کسی طرح کم نہیں ہوتی، پھر پیدائش کے دن نہ توپیں سر کرنے کی ضرورت نہ نقارے اور شادیانے بجانے کی تمنا، خاندان والوں نے اگر کوئی تقریب کی، کی، ورنہ یہ ہر حال میں خوش، زچگی کے لئے نہ لنڈن کی بنی ہوئی دایا کی موجودگی درکار نہ دواخانہ یونانی دہلی کی "مقویات"، کی تلاش، یہ ہمارے آپ کی طرح نہیں کہ ننھے میاں کی پیدائش سے تین ماہ قبل ہی سے عقیقہ کے لئے چاول بھی خریدے جا رہے ہیں اور گھی بھی، سسرال والے بھی جوڑے اور زیور تیار کر رہے ہیں اور میکے والے بھی، ننھے میاں کے والد صاحب بھی

ہیں کہ حقیقتے میں مارے غرور کے اکڑے پھر رہے ہیں اور بیوی صاحبہ کے فخر و ناز کا تو اندازہ ہی نہیں، گویا زچگی کیا ہوئی طاعون آ گیا کہ اب مریضہ مارے نزاکت کے نہ ہوش میں آتی ہے نہ تین مہینے تک حرکت کر سکتی ہے قیمتی سے قیمتی دوائیں اور غذائیں ہیں کہ کھلائی جا رہی ہیں اور بھاری سے بھاری کپڑے ہیں کہ پہنائے جا رہے ہیں، شوہر صاحب کے ہاں لڑکا کیا پیدا ہوا کہ مارے خرچ اور قرض کے دیوالیہ ہو کر رہ گئے، بیوی صاحبہ ہیں کہ مارے نزاکت کے اب کسی کام میں حصہ ہی نہیں لے سکتی ہیں، آج پیٹ میں درد ہے تو کل سینہ میں، پھر سر میں ہے تو ایک دن کمر میں، نتیجہ یہ ہے کہ تیسرے ہی مہینے سے دق کے آثار شروع ہوئے اور حکیموں اور ڈاکٹروں نے ساری جائداد پر قبضہ کر کے "نازک سی زچہ" کو قبر میں پہونچا دیا اور اولاد کسی یتیم خانے میں داخل کر دی گئی، بخلاف اس کے کسان صاحب کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور وہ تین دن کے بعد ہی سے پھر سرگرم عمل نظر آنے لگی، وہ اب روٹی بھی پکاتی ہے اور کھیت کا کام بھی کرتی ہے مگر اُسے نزاکت اور بیماری کی ہوا بھی آتی نہ کھانسی ستاتی،

ان کے ہاں بچے کی پرورش یوں ہوتی ہے کہ پانچ چھ دن بعد لیا اور ایک مضبوط سے کپڑے میں ڈال کر اپنی کمر سے باندھ لیا اور سر پر بوجھ اُٹھا کر کھیت پر بھی چلی گئیں اور گھر بھی آ گئیں اب جو بچہ اور بڑا ہوا تو ایک ٹوکری میں ڈالا اور کھیت پر لے گئیں اور جو بہت ہی رویا تو اسی ٹوکری کو کسی درخت پر لٹکا دیا اور کام کرتے کرتے ایک مرتبہ آئیں اور بڑے لاڈ پیار سے جھولا دیا اور یہ مصرع پڑھ دیا ؎

سومورے بھیّا،

سومُوری بٹیا،

اور جو بہت زیادہ پیار ہوا تو جھولے سے اُٹھا کر دودھ پلا دیا اور اتنی دیر بچّہ کو ہلا ہلا کر کچھ باتیں کیں اور چند بار پیار۔ اور پھر درخت پر لٹکا کر کھیت پر تشریف لے گئیں، اب اگر اس عرصہ میں اس بچّہ کے والد صاحب کو پیار آگیا تو وہ کھیت سے مارے محبت کے جھولے کے پاس آئیں گے اور ازراہِ مرحمت کا شتکارانہ اُسے جھولا دیکر پیار فرمائیں گے مگر ساتھ ہی چلم بھی پیتے جائیں گے جس وقت کسان صاحب اس بچّے سے عشق فرما رہے ہوں گے اُس وقت اُن کی "وہ" بڑے فخر کے ساتھ کھیت میں کھڑی مُسکرا کر اپنے بچے کی طرف دیکھ رہی ہوں گی، اسی انداز سے یہ بچہ گھر میں کھلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ چکّی چلاتے وقت بھی بچّہ والدہ صاحبہ کی گود میں پڑا رہتا ہے اور والدہ صاحبہ کے چکّی چلانے کے تمام ہچکولے سہتا رہتا ہے مگر ان زوردار ہچکولوں سے اُس کی گردن میں خم آتا نہ کمر میں درد ہوتا نہ پسلی نمبر ۳ خراب ہوتی نہ پسلی نمبر ۵ ٹوٹ جاتی، بڑا جوش ہوا تو ساس صاحبہ اسے لیکر چبوترہ پر بیٹھ گئیں، اور آڑے ترچھے الفاظ اور جُملے اس کی شان میں ارشاد فرما کر کھلاتی رہیں مگر یہ کبھی نہ ہوگا کہ اس بچّے کے ہر وقت رونے چلانے سے اس کی ماں چولھے اور چکّی کے کام سے انکار کردے، یا کسان صاحب اپنی بیوی کی نزاکت بڑھانے کیلئے کوئی خادمہ ملازم رکھ لیں، تھوڑے دن بعد جب بچّہ پاؤں پر کھڑا ہونے لگا تو والدہ صاحبہ اس سے بے فکر ہو کر کھیت پر چلی جائیں گی

اور وہ روتا ہوا اور گرتا ہوا خود ہی کھیت پر چلا جائیگا مگر والدہ صاحبہ اب اُسے گود میں لیکر بھی کھیت پر نہ جائیں گی کہیں کہیں والدہ صاحبہ کی اس بے اعتنائی سے اتنے بڑے بڑے بچے گھر کے پاس والے کنویں میں گر کر مر بھی جاتے ہیں، اور والدین تھانے میں رپٹ لکھائے بغیر دو چار دن روکر پھر کھیتی باڑی میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اکلوتے بچے کی یاد میں والدہ صاحبہ کو دق ہو جائے اور والد صاحب کو مالیخولیا،

دس بارہ برس کی عمر تک والدہ صاحبہ اس بچہ کی یوں پرورش فرمائیں گی کہ نہ اُسے روزانہ خود غسل دیں گی نہ اُسے غسل کرنے کی ہدایت فرمائیں گی، البتہ بچہ خود ہی پاس والی ندی یا نہر میں نہالے تو یہ اُس کی مرضی مگر غسل کے بعد یہ نہیں ہوگا کہ والدہ صاحبہ کپڑے بھی بدلوائیں اور اُس کا بدن بھی صاف کریں، اور اسی لئے کسانوں کے بچوں کے جسم گرد و غبار کے اثر سے ہر وقت اس طرح گندے نظر آتے ہیں گویا ان پر جا بجا ان کا بنا ہوا ایسا پالش کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے صاف ہوا بھی ان کے جسم میں داخل نہیں ہو سکتی اور گرم ہوا بھی ان کے جسم سے شرما کر خود ہی الگ ہو جاتی ہے، اس عمر میں والدہ صاحبہ اگر بہت زیادہ عشق فرمائیں گی تو یہ کہ بچے کو کھدر اور گاڑھے کا ایک کرتا عطا فرمائیں گی اور ایک دھوتی بھی، مگر یہ دھوتی بجائے ٹخنوں سے اونچی ہونے کے گھٹنوں سے اونچی ہوگی اب اُن کی بلا سے اگر پنڈلیاں برہنہ رہیں اور ان پر ہوا کا کوئی خراب اثر ہو جائے، جوتا بقدر ضرورت کبھی ملتا ہے اور کبھی نہیں اور جو ملتا بھی ہے تو اُس کا وزن اتنا ہی ہوتا ہے کہ بچے کو چلنا بھی

مشکل اور بھاگنا بھی محال، حجامت کا یہ حال گویا کسان کا بچہ تو کیا ہے اصحاب کہف میں سے
ایک صاحب اس طرف نکل آئے ہیں، اور کچھ شک نہیں کہ کسان کے بچے کے سر کے بال اور ہاتھ
پاؤں کے ناخن کی لمبائی اپنی اپنی جگہ برابر ہی ہوتی ہے، صبح کو اگرچہ مُنہ دھویا جاتا ہے مگر
اس درجہ کمال کے ساتھ کہ بس اُن کی والدہ ہی پہچان سکتی ہیں کہ مُنہ دُھلا یا بھی یا نہیں ؟
کسان کا بچہ سات آٹھ برس کی عمر ہی سے حقہ اور تمبا کو پینا یا کھانا شروع کر دیتا ہے جو محض
خاندان کے جملہ ارکان کی "حقہ نوش صحبت" کا اثر ہوتا ہے اسی لئے اس کی والدہ صاحبہ بھی اس
عادت بد سے روکتی نہیں، تعلیم کا نہ گھر میں تذکرہ نہ باہر، بس اُس طرف کے کسی جبریہ مدرسہ کے
انسپکٹر صاحب تعلیم ہی اس بچے کو وارنٹ کے ذریعہ مدرسہ میں بُلا لیں تو اُن کی "سرکاری مہربانی"
ورنہ اس کی والدہ کو اس کا بھی غم نہیں، دیہات کی صحت بخش آب و ہوا کا اثر کہئے یا افلاس کی
نشانی کہئے کہ کسان کے اولاد بکثرت پیدا ہوتی ہے گویا کسان کی بیوی کو سرکاری حکم ہے کہ وہ ہر
سال ایک بچہ کی ماں اگر رہتی ہے تو رہے ورنہ گاؤں خالی کر دے اسی لئے کسان کی بیوی کو
ہر وقت بہ لحاظ تعداد یوں دیکھئے گا کہ ایک گود میں تو دوسرا کاندھے پہ ایک اُنگلی پکڑے ہوئے
تو دوسرا آگے روتا ہوا چلا جا رہا ہے، یہ بیوی قدرتاً مزاج کی کھسیانی ہوتی ہے اسی لئے یہ اپنے
شریر بچے کو رسّی سے باندھ کر کھیت پر چلی جاتی ہے، پھر وہ تنبیہ اور سزا کے وقت یا رسّی
سے کام لیتی ہے یا پھر جھاڑو سے، پھر سزا دیتے وقت کسان اور ان کی صاحبہ جن فحش اور
تباہ کن الفاظ کو استعمال فرماتی ہیں اور فرماتے ہیں اُنھیں بچے کے اخلاق کے لئے وہ بُرا سمجھتے نہ مضر
خیال فرماتی ہیں، دو برس کے بچے کو بیماری کی حالت میں کسان بیوی جس نزاکت اور لیاقت سے

دوا پلاتی ہے گویا کسی مُنہ زور گھوڑے کے مُنہ میں پوری قوت سے لگام دی جارہی ہے، رات کو سوتے وقت بچہ بیدار ہو کر صبح تک چیختا رہتا ہے مگر یہ نہ بیدار ہوگی نہ اُسے سنبھالیگی، نہ تھپکی دیگی نہ دودھ پلائیگی اور جو کبھی بہت زیادہ مجبور ہوگئی تو بچے کو دودھ پلانے کی عوض اُس کے مُنہ میں دودھ ٹھونس دیگی اور بچے سے پہلے خود غافل ہو جائیگی پھر اُس کی بلا سے کہ اس بچے کو اُس کی بغل سے شیر اُٹھا کر لیجائے یا چور،

یہ ہمارے ننھے میاں کی والدہ کی طرح نہیں کہ جو شام سے گود میں لے کر بیٹھتی ہیں تو عشاء کی نماز ندارد مگر ننھے میاں کے رونے کو برداشت ہی نہیں فرما سکتی ہیں، مگر کسان کی بیوی نے جو دودھ کو بچے کے مُنہ میں ٹھونسا تو پھر صبح کو بچہ ہی اسے چھوڑ دے تو اس کی مہربانی ورنہ اسے تو اپنا سینہ چھپانے کا بھی ہوش نہیں اور اسی لئے وہ کبھی کبھی اپنے چبوترے پر برہنہ سینہ ایک مست سانڈنی کی طرح چت پڑی ہوئی نظر آتی ہے، اسے یہ بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ صبح کے وقت سوتے ہوئے اس کے بچے کی آنکھوں پر مکھیاں زیادہ جمع ہونگی یا خود اس کی آنکھوں پر، اس کے ہاں کوئی ضابطہ اور قانون ایسا نہیں ہے جس کی رو سے وہ اپنے بچے کو لڈو اور کھلونوں کے واسطے پیسے یا روپیہ دے بس سال میں ایک آدھ مرتبہ رام لیلا کے میلہ پر اگر کچھ عنایت فرما دیا تو احسان ورنہ نہ اس کے بچوں کو شکایت نہ خود اسے اس کا غم، البتہ وہ اپنے بچے کو خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی زیور ضرور پہناتی ہے ایسا زیور جو لڑکے کو پہنایا جاتا ہے کڑے، انگوٹھی، گلے کا طوق، کنٹھا، یا ہار ہوتا ہے بعض لڑکے کو پاؤں میں بھی کڑے پہناتی ہیں، اور کانوں میں بالیاں جن کے مختلف نام ہوتے ہیں

گویا زیور کے حساب سے کسان کا لڑکا بھی لڑکی کہی جا سکتی ہے، تربیتِ اولاد کے مذکورہ بالا حالات سے گزر کر اب وہ جوں جوں بوڑھی ہوتی جاتی ہے اُس کے مزاج میں محنت جفاکشی، اور بہادری کے حوصلے ترقی کرتے جاتے ہیں، "مزاج میں تلخی"، اور جھونجھ خاصی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ اس کے غصّے اور تاؤ کے اظہار کے یوں تو بے شمار مواقع ہیں مگر جب یہ ساس شوہر اور سسر سے لڑتی ہے اُس وقت یہ بغیر مار کھائے خموش ہونا نہیں جانتی اور اگر محلّے والی سے اس کی جھڑپ ہو جائے تو یہ مارے تاؤ کے ناچتی ہوئی اپنے چبوترے سے اُتر کر اُس کے چبوترے تک پر چڑھ جاتی ہے اس کے تاؤ کا یہی حال اس وقت ہوتا ہے جب یہ اپنے کھیت کے اندر کسی شخص کو داخل ہوتا دیکھ لیتی ہے، بس اُس وقت اس کی آواز اور اس کی گالیوں کا وزن، مقدار، اقسام اور طریق استعمال کا اندازہ مردم شماری والے ہی بتا سکتے ہیں، اس کی گالیوں میں فحش کے ساتھ بد دعاء کے اجزاء یا جراثیم زیادہ ہوتے ہیں، اور اس وقت کی آواز میں جو تسلسل ہوتا ہے وہ کھانسی چل جانے پر ہی ٹوٹے تو ٹوٹے ورنہ یہ اپنی طرف سے کبھی دم نہیں لیتی اور جب تک آپ اس کی نظر سے اوجھل نہ ہو جائیں کیا مجال جو وہ چُپ ہو جائے۔

کھیت کے بعد وہ گھر میں بھی اتنی ہی تیز اور غضبناک رہتی ہے اور اکثر اوقات اس کے مقابل شوہر صاحب ہی کو دب جانا پڑتا ہے، گھر کی لڑائی اس سے زیادہ صاف اس سے زیادہ تیز اس سے زیادہ برہنہ اور اس سے زیادہ فیصلہ کُن کوئی دوسری بیوی نہیں لڑ سکتی اب اگر آپ اس کے مکان سے قریب والے مکان میں رہیں تو معلوم ہو جائے کہ وہ کسی

نہایت ہی معمولی بات پر شوہر سے اُلجھی یا شوہر اُس سے اُلجھا اور لڑائی کا آغاز ہوا، مگر ابھی آپ اس ابتدا، کے اسباب ہی پر غور میں ڈوبے ہوں گے کہ وہ شوہر کے چانٹے، گھونسے، لاتیں، ڈنڈے اور جوتے کھا کر فارغ بھی ہو چکی ہوگی اور اس لاتیں کھا کر بند ہوا لی لڑائی کی علامت یہ ہوگی کہ اب اُس کی گالیوں کی غیر مسلسل آواز آسمان کے برابر اونچی ہو جائیگی اور بجائے گالیوں کے وہ نہایت لاجواب لحن داؤدی کے ساتھ رونا شروع کر دیگی اور اس رونے میں جگہ جگہ ٹھہرنا بھی پڑتا ہے اور پھر اُسی بلندی سے رونا شروع ہو جاتا ہے اس کے رونے کی آواز میں باقاعدہ سُر اور زیر و بم کا پیدا ہونا علامت ہے اس بات کی کہ یہ کسان کی بیوی رو رہی ہے مثلاً وہ رونے کی آواز کے شروع میں چند واقعات کو بیان کرتی ہے اور آخر میں بہت زور سے رو کر بطریق ردیف و قافیہ وہ ایک "ہو" یا "رے" کی آواز پر تان توڑتی ہے پھر یہی نہیں بلکہ اس کا مار کھا کر رونا اس کا بچھڑے ہوے رشتہ داروں سے مل کر رونا، اور اس کا کسی مردے کو یاد کر کے رونا تقریباً یکساں ہوتا ہے، یعنی جس لے اور تان کے ساتھ وہ شوہر کے گھونسے کھا کر روتی ہے اُسی لے اور تان کے ساتھ وہ وطن سے آئے ہوے عزیزوں سے مل کر روتی ہے پھر عزیزوں سے مل کر رونے کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ وہ گھر میں مل کر روئے بلکہ اگر اُس کے عزیز رام لیلہ کے کسی بڑے بھاری مجمع اور بازار میں ملجائیں تو بیچ سڑک پر جھوم کر اُسی رفتار سے چلّا کر روتی ہے جس رفتار سے وہ اپنے گھر میں رو سکتی ہے، البتہ مار پیٹ اور زد و کوب کے اس سلسلہ میں اُس کے مزاج اور اخلاق میں ایک قابلِ قدر بات یہ ہے کہ وہ شوہر کے سو جوتے کھا کر بھی نہ اُس کے

گھر سے بھاگتی نہ میکے میں جا کر ہمیشہ کے لئے رہ جاتی نہ محلے والیوں سے شکایت کرتی اور نہ طلاق کی درخواست دیتی خدا کرے یہ عادت ہر شریف بیوی میں پیدا ہو جائے، مگر اُس کے شوہر میں یہ عادت پیدا نہ ہو، اور اسی لئے وہ شروع رات میں جوتے کھاتی ہے اور صبح کے وقت چکی چلاتی ہے اور غزلیں گاتی ہے کیونکہ دہلی کے مشہور شاعر حضرت غالب نے کہا ہی یوں ہے کہ

ے رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی،

تو کسان کی بیوی اس مصرع کو یوں استعمال کرتی ہے کہ

ے رات کو خوب پٹی صبح کو توبہ کر لی،

لہذا صلح شدا اسی طرح اس کا شوہر اسے خوب خوب ٹھونک کر یا مار کر بھی گھر سے بھاگ نہیں جاتا اور نہ وہ اس کے برابر شور کرتا ہے بس اگر بالکل ہی ضبط نہ ہوا تو گھر سے باہر والے چبوترے پر آ کر خموش بیٹھ جاتا ہے اور بھوک کی شدت کے وقت بغیر کسی کے منائے خود ہی جا کر کھانا تناول فرما لیتا ہے، کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ شوہر صاحب مار کر ابھی بیٹھے ہی تھے کہ یکایک پھر اُٹھے اور مارنا شروع فرما دیا، اب کسانوں کے قانون میں بیوی کو مارنے کے لئے یہ قید نہیں کہ وہ بیوی کو مارتے وقت اُس کی صحت، اُس کے جسم، اُس کی عمر اور اُس کی خطا کا اندازہ بھی کر لے یا وہ بیوی کو صرف چلنے ٹھی سے مارے بلکہ ہر کسان آزاد ہے کہ اپنی بیوی کو جس وقت، جس جگہ، جس طرح، اور جتنا چاہے مارے کوئی جرم نہیں اور اسی لئے کسان کی بیوی کو بھی یہ حق ہے کہ اگر ہو سکے تو مار کھاتے وقت وہ بھی شوہر کو مارے جس کی شکایت صلح کے بعد شوہر کو بھی نہیں ہوتی (اسے کہتے ہیں عورت کے حقوق کی آزادی) چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ

بھی لباس بیوی کو مارتے وقت تار تار ہو کر رہ جاتا ہے، اسی طرح مار پیٹ کے لئے چلانے
ات، گھونسے، جوتے، چھڑی، اور قمچی کے بعد کسان کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو
ٹھی، لاٹھی اور جلانے کی کسی موٹی سی لکڑی سے بھی مارے اور اس کی ہرگز پروا نہ
کرے کہ اس لٹھ سے بیوی کا سر کتنی جگہ سے پرا ٹھا ہو کر رہ جائیگا؟ پھر کسان شوہر کیلئے
یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو مارنے کے لئے اسکول کے لونڈوں کی طرح باضابطہ
مرغا بنا کر کھڑا کرے یا اُسے کسی مسہری پر باندھ دے یا اُس کے صرف سیدھے گال پر چانٹا
رسید کرے پھر اگر وہ بایاں گال خود ہی آگے کر دے تو مارے ورنہ ان سلٹ سے ڈرے
اور مار ختم کر دے، بلکہ اُسے حق حاصل ہے کہ جب وہ مارنے چلا ہے تو اسکول کے اُن لڑکوں
سے کہیں سوا مارے جنہیں آج کل صرف ایک بید رسید کر دینے پر ماسٹر صاحب اُستاد
ہو کر بھی بغیر پنشن کے اسکول سے عمر بھر کے لئے نکال دیے جاتے ہیں کہ یہی قاعدہ وضع
کیا ہے آجکل کے ماہرین تعلیم نے استادوں کی قدر و عزت افزائی کی ہے
لہٰذا کسان کو حق ہے کہ وہ بیوی کے گال پر چانٹا بھی مارے اور جوتا بھی، پھر چاہے تو اسے
رسی سے باندھ کر لٹکا دے یا چبوترے پر سے نیچے دے مارے، یا وہ بھاگتی پھرے اور
یہ کوٹتا رہے، یا وہ گر پڑے اور یہ برابر رسید کرتا رہے، اس حالت کو دور کرنے کے لئے
یہ ضروری نہیں کہ گھر کے یا پروس کے دوسرے لوگ اُسے شوہر سے بچا لیں بلکہ سب کے
لئے خموشی ہی بہتر ہوتی ہے اور جو کوئی اس ہنگامے سے بہت ہی زیادہ بے تاب ہو جائے
تو وہ اس طرح بچاتا ہے کہ دور ہی سے کسان سے کہتا رہتا ہے یا کہتی رہتی ہے۔

بس بس اب جانے دے،
ارے اب نہ کریگی،
دیکھ وہ مر نہ جائے،
اچھا تو پھر گلا ہی گھونٹ دے نا اُس کا،

اس مار پیٹ کے بعد یہ کبھی نہ ہوگا کہ ہمارے آپ کے ہاں کی طرح بیوی کے والد صاحب اور بھائی صاحب فوراً دوڑے اور ہمیں آپ کو آکر درست کر دیا یا اپنی بیٹی کو گھر لے گئے اور دوسرے دن عدالت میں طلاق یا روٹی کپڑے کا دعویٰ دائر کر کے لڑکی کو عمر بھر کے لئے شوہر سے علحدہ کر لیا،

امور خانہ داری میں یہ بیوی کسی جگہ بھی شوہر کی محتاج نہیں ہوتی، سودا سلف بھی خود ہی لاتی ہے اور گھر کا پانی بھی خود ہی بھرتی ہے، وہ خود ہی جلانے کی لکڑی پھاڑتی ہے اور خود ہی مکان کی مرمت کرتی ہے، اب یہ سوال کہ کھانا وہ خود زیادہ کھاتی ہے یا اُس کا شوہر؟ سو اس کا جواب اس کی صحت پر موقوف ہے، البتہ تحقیق سے بالکل ثابت ہے اکثر موقع پر شوہر سے زیادہ بیوی کھاتی ہے، لباس اور زیور کو وہ شاید سال میں ایک دو مرتبہ ہی دیکھتی ہے یعنی کسی تہوار یا شادی کے موقع پر، اُس کے مزاج میں نہ فضولی ہوتی نہ فضول خرچی اور یہ شاید اس لئے کہ اُس کا ماحول ہی نہایت محدود ہوتا ہے، وہ نقد روپیہ جمع کرنے کی عادی ہوتی ہے اور حد سے سوا سادہ اور موٹی غذا کھانے والی، وہ چاندی اور سونے وغیرہ کو زمین میں دفن کر کے محفوظ رکھنے سے خوش ہوتی ہے مگر خرچ کرنے سے

گھبراتی نہیں ہے چوروں اور ڈاکوؤں کو اس کے ہاں ڈاکہ ڈالتے وقت دولت برآمد کرنے میں بڑی شدت سے کام لینا پڑتا ہے اور جب تک چور اُس کے سینہ پر بندوق نہ رکھے ہرگز نہیں بتاتی کہ روپیہ اور زیور کس جگہ دفن ہے، شوہر کی حد سے گزری ہوئی خادم وفادار، اور عزت کرنے والی، عزت اور برادری کے ضوابط کی حفاظت میں اس درجہ مضبوط کہ دوسری بیویاں جواب سے عاجز، دلیری، شجاعت، ہمت، حوصلے، اور عمل کا نمونہ اور یہ اُنہی خواص کا اثر ہے کہ کہیں کہیں یہ تاؤ میں آ کر شوہر تک کو کلہاڑی یا زہر سے ہلاک کر دیتی ہے جیسا کہ سنہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں صوبہ پنجاب میں اس قسم کے واقعات وقوع پذیر ہوئے صورت کی نہایت بھونڈی، گندی، سیاہ فام، دُبلی پتلی زیادہ مگر موٹی تازی کم، اس سے زیادہ واللہ اعلم، تعلیم کے نام اللہ کا نام،



مزدور کی بیوی

ہندوستان میں جاہلوں کی تعداد ۹۵ فیصدی بتائی جاتی ہے، لہٰذا اس حساب سے یہ اندازہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ پھر اس ملک میں مزدور نہ [illegible] تو کہاں ہوں گے کیونکہ مزدوری کا پیشہ اختیار کرنا اُسی وقت ضروری ہو جاتا ہے جب انسان میں علم و ہنر نہ ہو، اب سوال صرف یہ ہے کہ ہندوستان میں مزدور کی تعریف کیا ہے اس لئے اگر یہاں مزدور کی تعریف کے لئے یورپ کے مزدور ایسی تعریف کی جائے تو غلط ہے کیونکہ یورپ اور ہندوستان کے مزدور میں زمین آسمان کا فرق ہے، لہٰذا بہترین تعریف یہ ہے کہ جو ہندوستان کے کارخانوں، دکانوں، مکانوں، کانوں، میدانوں، باغوں، کھیتوں، اور بازاروں میں، اس طرح کام کرتے ہیں کہ اپنی محنت کا معاوضہ روزانہ وصول کرتے ہیں یا ہفتہ وار وہ ہوئے مزدور تو یہ تعریف اس لئے کمزور رہیگی کہ بعض کارخانوں میں مزدوری کا معاوضہ "ماہوار" دیا جاتا ہے اور جب مزدور کا معاوضہ ماہوار ملتا ہے تو پھر دفاتر کے تمام ملازم بھی مزدور ہوئے اس لئے کہ انھیں بھی ماہوار معاوضہ تنخواہ کے نام سے ملتا ہے، البتہ ملازم سرکار کا معاوضہ مزدور سے کچھ زیادہ بارونق اور شاندار ہوتا ہے البتہ سرکاری ملازم کے لئے چند رعایتیں ایسی ہیں جو عام مزدوروں کو حاصل نہیں، مثلاً ملازم سرکار کو

رعایتی رخصت، علالت کی رخصت، وضع تنخواہ سے رخصت، لینے کا حق خاص ہے مگر مزدور چاہے بخار، کھانسی، مالیخولیا، مراق، جنون، اور انفلوانزا ہی میں مبتلا کیوں نہ ہو اُسے ان رخصتوں میں سے ایک رخصت بھی نہیں ملتی، اسی طرح اگر ملازم سرکار کو اُس کی نوکری پر کوئی شخص، چانٹا، گھونسہ، دھپ، لٹھ، اور جوتا مار دے تو اسے سرکار کی توہین کہتے ہیں اور مارنے والے پر سرکار کی جانب سے مقدمہ چلا کر اُسے جیل خانے بھیجا جاتا ہے لیکن عام مزدور کو آپ چاہیں تو اُس کی بیوی کے سامنے جوتے رسید کریں آپ چاہیں تو اُسے چوک بازار میں گالیاں دیں اور گھونسے عطا فرمائیں لیکن اس کے لئے بجائے مقدمہ چلانے کے ہر قسم کا دیکھنے والا یہ کہیگا کہ

اور ماریئے بھائی صاحب،

واقعی بڑا ہی بدمعاش ہے،

وہ میرا مکان جب اس نے بنایا تھا تو ایسی ہی حجتیں مجھ سے کرتا تھا،

اور کام کرنا تو اسے آتا ہی نہیں،

اجی بڑے بہانے کرتا ہے، آپ تو لیجائیے اسے تھانے میں، ابھی سیدھا ہو جائیگا،

ابے جاتا کیوں نہیں ہے بھائی صاحب کے ساتھ؟

تو کیا وہ تیری مزدوری نہ دیں گے بدمعاش؟

دیکھا برابر ہے کہ زبان چلا رہا ہے،

بس آپ تو دو چار جوتے رسید کیجئے،

یہی حال اس کے معاوضہ کا ہے جس کے لئے نہ کوئی قانون ہے نہ ضابطہ نہ اصول اور نہ معیار بس جو کچھ آپ نے مزدور سے طے کرلیا وہی معاوضہ ہوگیا،

ہندوستان میں بڑھئی عرف نجار، لوہار، کمہار، دھنئے، جلاہے، حجام، دھوبی، اور معمار تک "مزدور" کے او سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ صناع اور ہنر پیشہ ہوتے ہیں اور عام یا جاہل محض مزدور کے مقابل ان کی عزت زیادہ ہونا چاہئے مگر ایسا جو نہیں ہے تو اس کا سبب خواص اور سرمایہ دار حضرات کا "اقتدار پسند" ہونا یا جاہل ہونا ہے، کیونکہ خواص میں جس تعلیم کا چرچا ہے یا جن لوگونکو تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے اصولاً وہ تعلیم یافتہ سمجھے جانے کے قابل نہیں ہیں مگر اس کو کیا کہئے کہ ایک ایسا عالم تو خاطر میں نہیں لایا جاتا جس نے عربی زبان میں تمام عقلی و علمی علوم کی تحصیل و تکمیل کی ہو، لیکن ایسوں کو تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے جو بی، اے، یا ایم، اے پاس ہوں، اس لئے اب کثرت ہے ایسے ہی عالموں کی نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں "مزدور" کی تعریف ہی ابتک مقرر نہیں ہوسکی البتہ اب پچھلے پچیس سال سے یہاں کے انگریزی پڑھے ہوئے لوگوں نے یورپ کے مزدوروں کے حالات پڑھ کر ہندوستانی مزدور کی اصلاح، ترقی، تعلیم، اور ہمدردی کے لئے کوشش شروع کی ہے، اُدھر حکومتِ ہند نے بھی ہندوستانیوں کی بیداری کے اندازہ پر ان کے ساتھ کچھ مراعات خاص کی ہیں، چنانچہ آجکل ہندوستان میں بھی "مزدور کانفرنس" "مزدور کلب" "مزدور رہنما" اور مزدور اخبارات، پیدا ہوئے ہیں چنانچہ راقم الحروف نے شہر بمبئی کے دو اخبار دیکھے ہیں جن میں سے ایک کا نام "مزدور" اور دوسرے کا نام "صدائے مزدور" تھا یہ دونوں اخبار اُردو زبان میں جاری ہوئے تھے اور عام مزدوروں کی اصلاح و ترقی

کے حامی تھے، صوبۂ پنجاب سے بھی اس مقصد کے لئے چار پانچ اخبار اور رسالے جاری ہوئے جن میں سے ایک پرچہ بنام کرتی" بابت ماہ اگست ۱۹۲۸ء اس وقت راقم الحروف کے سامنے ہے، اس ماہوار رسالہ کا مقصد بھی کسانوں کی حمایت و ترقی، اصلاح و بیداری اور ان کے لئے مالکوں اور سرمایہ داروں سے حقوق طلبی ہے، "سرمایہ دار" بھی یورپی ادبیات" سے ترجمہ کیا گیا ہے اور یورپ کے اخباروں اور کتابوں ہی سے اڑایا گیا ہے خصوصاً اس لفظ کا اصل مصدر "ملک روس" ہے جہاں ۱۹۱۷ء میں کسانوں اور مزدوروں کو فوج میں بھرتی کر کے ایک کار آزمودہ جماعت نے بادشاہ روس اور اس کے پورے خاندان کو قتل کر کے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اس فاتح جماعت کو عموماً ،، بالشویک" کہا جاتا ہے اور اسی نے اس خیال کو عام کیا کہ دنیا میں سب کچھ مزدور کا حق ہے اور وہ لوگ قابلِ سزا ہیں جو مزدور کی محنت سے کافی سے زیادہ دولت جمع کر کے دنیا کا لطف اٹھاتے ہیں اور انہی لوگوں کو ،،سرمایہ دار،، کہا جاتا ہے مگر تھوڑے ہی دن بعد سرمایہ دار" اور "مزدور" سیاسی مطالب" کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہونے لگا یعنی دنیا کے تمام بادشاہ، وزراء، اور حکام،، سرمایہ دار قرار دیدیے گئے اور عام آبادی کو "مزدور" کے معنی میں مخاطب کیا جانے لگا اور سرمایہ دار کے خلاف نہایت خونریز اور نفرت انگیز خیالات کی اشاعت ہونے لگی، چنانچہ راقم الحروف نے جس رسالہ "کرتی" کا اوپر تذکرہ کیا ہے اُس کے صفحہ نمبر ۵ جلد نمبر ۱ پر ہندوستانی مزدوروں کو،، ترقی کرنے کے لئے" ذیل کے الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے،

"روس میں مزدور حاکم ہیں انگلستان جیسے گئے گزرے سرمایہ دار ملک
"میں بھی مزدوروں نے پچھلے دنوں اپنی طاقت قائم کرلی ہے جرمنی
"فرانس، آسٹریا میں مزدور فرقہ دن بدن زوروں پر ہے، امید
"ہے کہ آئندہ بیس سال میں کوئی ایک ملک بھی مزدور فرقہ کی حکومت
"سے محروم نہ رہے گا،

" پھر یہ بھی کیوں ہو کہ آخر جو لوگ دولت پیدا کرتے ہیں دولت کا
" انتظام بھی انہی کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے یعنی مزدوروں کے ہاتھ میں" [1]

اسی مزدور سے ہمدردی کے لئے شمالی ہندوستان کے سب سے بڑے اور مسلمانانِ ہند کے سب سے بلند مرتبہ شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا ہے کہ

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایان کشتِ دہقانان خراب

"انقلاب"

انقلاب اے انقلاب، [2]

لیکن افسوس اس امر پر ہے کہ ہندوستان میں اصلاح و رہنمائی کے فرائض وہ لوگ انجام دے رہے ہیں جو عمر، تجربے، اور تعلیم کے لحاظ سے ابھی خود محتاجِ اصلاح و ہدایت ہیں،

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ کرتی امرتسر پنجاب بابت ماہ اگست ۱۹۲۹ء،
[2] ملاحظہ ہو کتاب "زبور عجم"، صفحہ نمبر ۱۴۳ مطبوعہ مقبول عام پریس لاہور،

یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی باشندے اصل ترقی سے دور ہیں، چنانچہ ہندوستانی مزدور کی صحیح ترقی اور اصل تربیت میں بھی ان مصلحین ہی کی نااہلیت رکاوٹ بنی ہوئی ہے، چنانچہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ہندوستان میں اول تو مزدور کی تکالیف اور اس کی ترقی و اصلاح کا خیال ہی سرے سے یورپ والوں کی نقل ہے پھر ہندوستان کے مزدوروں کی اصلاح کے لئے عملی حیثیت سے بھی یورپ والوں نے بہت زیادہ کام لیا، مثلاً ہندوستان میں مزدوروں کی تنظیم و اصلاح کے لئے انگلستان کے بعض ذی اثر اور قابل ترین اشخاص ہندوستان آئے اور انھوں نے یہاں آکر ہندوستانی باشندوں کو مزدوروں کی اصلاح و تنظیم کے لئے آمادۂ عمل کیا، ایسے غیر ہندوستانی لوگوں میں انگلستان کی پارلیمنٹ کے ممبر کرنل ویجوڈ خاص ہیں جنہوں نے ۱۹۲۲ء میں کل ہندوستان کا دورہ کرکے مزدوروں کی اصلاح و ترقی پر بے شمار تقریریں کیں، ان کے بعد انگلستان کے مشہور حامیٔ مزدور مسٹر اسپور ہیں جو ہندوستان کی نمایندہ جماعت آل انڈیا نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۲۹ء میں شریک ہوئے، پھر انگلستان کی پارلیمنٹ کے ہندوستانی ممبر مسٹر سکلات والا باشندۂ بمبئی ہیں جنہوں نے ہندوستانی مزدوروں کی ہمدردی اور اصلاح کے لئے کل ہندوستان کا دورہ کیا۔

مگر ہندوستانی مصلحین کی جس کمزوری کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اُس نے یہ بھی نہ سمجھنے دیا کہ غیر ہندوستانی اشخاص کی ہندوستانی مزدوروں سے ہمدردی کا اظہار اُن کی کسی سیاسی اور تجارتی خود غرضی پر تو مبنی نہیں ہے؟ حالانکہ واقعہ یہی ہے کہ جو لوگ انگلستان

یا فرانس اور جرمنی کے باشندے، ہوکر ہندوستانی مزدوروں سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اُس میں اون کی نہایت گہری تجارتی خودغرضی موجود ہے، یا پھر وہ غیر ملکی لوگ ہندوستانی مزدوروں سے ہمدردی کرتے ہیں جو ان کے ذریعہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف کام لینا چاہتے ہیں غیر ملکی اشخاص کی تجارتی خودغرضی یہ ہے کہ ہندوستانی مزدور کو زیادہ کارآمد بنا کر اُس سے زیادہ کام لیا جائے اور بس اور ان تمام تدابیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی مصلحین کی نظر اصل کام سے دور جا پڑی اور مزدوروں کی اصل کمزوری اپنی جگہ پر موجود رہی، مثلاً مصلحین نے جو کوشش سب سے پہلے شروع کی وہ مزدوروں کی دماغی یعنی تعلیمی ترقی، معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت نہ تھی جو اصل اور بنیادی ضرورت ہے انسان کی ترقی اور بیداری کی، بلکہ بغیر دماغی اصلاح کے بہ یک وقت مزدوروں کی اُجرت میں اضافے کی تحریک کو اس درجہ اہم ضروری اور فوری قرار دیا کہ بے علم اور غیر تربیت یافتہ مزدور بھڑک اُٹھے نتیجہ یہ ہوا کہ بمبئی، پونا، احمدآباد گجرات، اور مدراس میں مزدوروں اور مالکوں کے درمیان نہایت درجہ خونریز تصادم اور مقابلہ ہوا اور بے شمار مزدور ہلاک اور قتل یا سزایاب ہوئے،

یہی طریقہ ریلوے کمپنیوں اور کارخانوں میں اختیار کیا گیا اور صرف اُجرت میں اضافے اور دوسرے مطالبات پر مہینوں ہڑتالیں جاری رکھ کر بے شمار مزدوروں کو روزی سے محتاج کر دیا گیا، قتل و غارت گری کے ہولناک نقصانات برداشت کئے گئے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۸ء میں جی، آئی، پی ریلوے کمپنی کے مزدوروں نے جو ہڑتال کی اوس میں سب سے

بھاری نقصانات مزدوروں ہی کو برداشت کرنا پڑے اور ایسے نقصان رسیدہ مزدوروں کی ایک بھاری جماعت خود راقم الحروف کی نظر میں آج بھی موجود ہے جو بھوک پیاس اور بے روزگاری کے عذاب میں مبتلا ہے مگر اب مصلحین اُن کی اعانت سے بالکل معذور ہیں پنجاب اور شمالی ہند کے مصلحین نے مزدوروں سے ایک دم وہ کام لینا چاہا جو یورپ کے تعلیم یافتہ مزدور برسوں کی تعلیم و تربیت کے بعد کر رہے ہیں، چنانچہ ان حضرات نے مزدوروں کی کانفرنسیں منعقد کیں، انجمنیں بنائیں، ان کے مطالبات وضع کئے اور ضوابط کی ترتیب کی مگر حصولِ مقاصد میں لغزش کی یعنی مطالبات کے حصول کا وہ طریقہ اختیار کیا جو سیاسی مطالبات کا ہوا کرتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد مصلحین بغاوت اور امن عامہ کی برہمی کے الزام میں ہمیشہ کے لئے بے روزگار کر دیے گئے اور اُس طرف کے مزدوران اعلیٰ دماغ لوگوں کی ہدایات سے محروم ہو گئے حالانکہ وہ اصولی چیز جس نے یورپ کے مزدور کو آج بام حکمرانی تک پہونچا دیا تعلیم اور صرف تعلیم ہے اُس کے بعد جماعتی تنظیم اگرچہ ہندوستانی مصلحین بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور ایسے حضرات ضرور موجود ہیں جو ہندوستانی مزدوروں کو ہنگامہ آرائی سے محفوظ رکھ کر ٹھوس اور دماغی اصلاح کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، مگر اس تحریک کی سلامتی میں ہندوستان کی تحریک حصولِ آزادی بہت زیادہ اثر انداز ہے چنانچہ حصول آزادیٔ ہند کی تحریک چونکہ وطنی اور قومی ہے اور اخبارات رسائل، اور تقریروں کے ذریعہ اس تحریک کو دوسری تمام تحریکات سے زیادہ مقدس اور ضروری قرار دیدیا گیا ہے اس لئے دماغوں میں جوش اور بحرانی حالت موجود ہے نتیجہ یہ ہے کہ ہر دوسری تحریک کے ارکان ادنیٰ جوش پر اپنے اصول و مقاصد سے ہٹ کر فوراً غیر متعلق اثرات کو قبول

کرلیتے ہیں اور اسی جذبے کے تحت مزدوروں کی بے شمار تحریکات نے بہ یک لمحہ سیاسی رنگ قبول کرلیا حالانکہ اصولاً مزدور تحریک کو سیاسی نہ ہونا چاہئے تھا مگر ماحول کے اثرات بالآخر غالب آئے اور دو سو برس کے غلام مزدوروں نے یورپ کے آزاد اور تعلیم یافتہ مزدوروں کی طرح ہنگامے، ہڑتالیں، مقاطعہ عمل، اور لٹھ بازی سے کام لینا شروع کردیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی جانب سے ان لوگوں کی ہنگامہ آرائی کے انسداد کے لئے جو طاقتور تدابیر اختیار کی گئیں اُن کے خوف نے متعدد لوگوں کو مزدوروں کی ہمدردی سے علحدہ کردیا اور اسی لئے اس کتاب کے وقت یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ہندوستان کا مزدور کسی حیثیت سے بھی قابلِ اعتبار و اعتناء ہوا یا نہیں،

اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی مزدور کی ترقی دماغی سربلندی اور عملی حیثیت مستقبل میں ترقی پذیر سہی مگر موجودہ حالت میں ہندوستان کا مزدور جہل، و بے خبری، ذلت، خواری، تنگدستی و بدحالی، بے کسی و محتاجی میں ساری دنیا کے مزدور پیشہ لوگوں سے آگے ہے حالانکہ یورپ کے مزدوروں کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ اس مضمون کے لکھتے وقت یعنی ۱۹۳۱ء میں حکومت انگلستان کی حکمران جماعت خالص مزدور ارکان پر مشتمل ہے جس کے صدر اعظم مسٹر ریمزے میکڈانلڈ ہیں، لہذا ہندوستان کے مزدور کی اسی پستی اور بدحالی کے لحاظ سے اس کی زندگی کا نقشہ ملاحظہ کیجئے،

عام طور پر ہندوستانی مزدور اپنی فلاکت زدہ زندگی کے باعث فوراً پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ مزدور ہے، اس کا جسم نہایت لاغر نہایت بدنما، بھدا اور بھونڈا ہوتا ہے وہ اصول حفظان صحت سے یکسر

ناواقف ہوتا ہے، اُس کا لباس نہایت کم بلکہ بعض کو لنگوٹی کے لئے بھی پورا کپڑا نصیب نہیں ہوتا اس لئے بے شمار مزدور ننگ دھڑنگ ہی نظر آتے ہیں، یہ لوگ کسی قابل اعتبار برادری قبیلے یا قوم سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ ہر تنگ دست اور افلاس زدہ ہندوستانی مزدوری کا پیشہ اختیار کر لیتا ہے اور مزدور پکارا جاتا ہے، ان کی تعداد کا کوئی یقینی اندازہ مرتب نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کو اگر چار حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے تو تین حصّہ مزدور رہوں گے اور صرف ایک حصّہ غیر مزدوری پیشہ باشندوں کا ملیگا،

ہندوستانی مزدور صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ وہ اپنی روزی کے لئے لنکا ہر آتا سے نکل کر عراق، افریقہ، چین، روس، اور یورپ کے ہر حصّہ میں پہونچ چکا ہے، خصوصًا افریقہ اور عراق میں وہ بکثرت موجود ہے بعض ممالک میں حکومتِ انگریزی نے اپنے مقاصد کیلئے اسے بھیجا ہے جس کے متعلق شکایت ہے کہ بڑی تکلیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ہندوستانی مزدور نے افریقہ میں خصوصیت سے بے حد مصائب برداشت کئے ہیں جن کی تفصیلات اخباراتِ ہند میں موجود ہیں،

ہندوستان میں ہندوستانی مزدوروں کی جس طرح کوئی نسل کوئی قوم اور کوئی برادری نہیں اسی طرح اُن کے لئے کوئی خاص خطہ کوئی خاص شہر یا علاقہ بھی نہیں بلکہ وہ ہر شہر ہر قصبے اور ہر گاؤں میں نہایت آسانی سے مل سکتا ہے جہالتِ محض کے اثر سے یہ طبقہ نہایت سخت اور جاہلانہ رسوم کے ہاتھوں ہلاک ہے اس کے رہنے کا مکان ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ اُسے مکان کہا جائے بلکہ ان کی زیادہ تعداد ہمیشہ خانہ بدوش رہتی ہے، جس شہر میں یا جس علاقہ

میں مزدوری ملتی ہے وہاں یہ مزدور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جا کر آباد ہو جاتا ہے اور مزدوری ختم ہونے پر پھر وہاں سے تلاشِ معاش کی فکر لے کر دوسرے شہر کا راستہ اختیار کرتا ہے اس پر بھی تنگدستی اور افلاس کا یہ حال ہے کہ اگر ہندوستان کی کل ریلوے کمپنیوں سے پورے اعداد شمار طلب کر کے دیکھے جائیں تو تقریباً پچیس ۲۵ ہزار مزدور ہوں گے جو کل ہندوستان میں مزدوری کی تلاش میں روزانہ ریلوے اسٹیشنوں پر بے ٹکٹ سفر کرتے ہوئے گرفتار ہوتے ہیں، اس گرفتاری کا جرمانہ ادا نہ کرنے کی بے کسی کے باعث ٹکٹ کلکٹروں اور ریلوے پولیس والوں کے طمانچے اور جوتے کھا کر بے قید بھگتے چھوڑ دیے جاتے ہیں یہی حال ان کی رہائش کا ہے، مثلاً یہ صحیح معنیٰ کے مکانات میں نہیں رہتے اور یہ اس لئے کہ ہندوستان میں جس طرح مزدوری کے لئے کوئی نظام و ضابطہ نہیں اُسی طرح کسی ایک شہر میں ہر لمحہ مزدوری کا ملنا بھی یقینی نہیں، اس لئے ہندوستان کے مزدور کا عمر بھر تلاشِ معاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانا ضروری ہے اور اس صورت میں کسی مزدور کا پختہ مکان تعمیر کرنا گویا اپنے لاوارث مال سے حکومت کی امداد کرنا ہے، پس عام طور پر ہندوستان کا مزدور کھلے میدانوں یا درختوں کے سایہ میں پورے خاندان کے ساتھ آباد نظر آتا ہے، اور اگر زیادہ دن قیام کی امید ہو گئی تو گھانس اور لکڑی کا ایک تاریک سا جھونپڑا بنا لیتا ہے اور اس کی اس بے بسی کی حد یہ ہے کہ خود حکومت یا ارکانِ حکومت یا سرمایہ داروں کے نزدیک بھی ہندوستانی مزدور مکانوں میں رہنے کا مستحق ہی نہیں سمجھا گیا، اسی لئے جن سرمایہ داروں کی طرف سے مزدوروں کے رہائش کا انتظام کیا جاتا ہے اُن

میں ان کے لئے نیم پختہ مکانات کا بھی انتظام نہیں ہوتا، بلکہ یہ لوگ بھی ان کے لئے گھانس کے
ویسے ہی جھونپڑے تیار کراتے ہیں جن کے اندر ہندوستانی مزدور اپنی مالی محتاجی کے باعث
رہنے پر مجبور رہا کرتے ہیں اگر یقین نہ ہو تو ہندوستانی ریلوں میں سفر کر کے دیکھ لو، آپ کو ریلوے
کے کنارے جگہ جگہ بے شمار جھونپڑے نظر آئیں گے، جو ریلوے کمپنیوں کے ٹھیکہ داروں اور
اجارہ داروں کی طرف سے اپنے مزدوروں کی رہائش کے لئے بنوائے گئے ہوں گے۔
یہی حال ان کی رسوم و عادات اور عام زندگی کی ابتری اور خرابی کا ہے کہ نہ ان میں کفایت
شعاری کے معنی سمجھے جاتے نہ دولت جمع کرنے کے اصول رائج نہ مذہبی مسائل کا علم نہ اولاد
کی تربیت کا وجود، اس لئے ایسے مزدور کے ہاں جو بیوی پیدا ہوتی ہے وہ عام حالات کی
نسبت سے ہندوستانی کسان کی بیوی سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے مثلاً یہ اکثر کھلے میدانوں،
کانوں، جنگلوں، غرض جہاں دو گز زمین مل گئی وہیں پیدا ہو جاتی ہے اور پیدائش کے وقت سے
لیکر چار پانچ برس کی خدا جانے کس طرح ہو جاتی ہے، اس لئے کہ پیدائش کے دن بھی اس کے
ماں باپ کے ہاں اتنی ہی دولت ہوتی ہے کہ وہ صبح و شام خشک روٹی کھا سکیں اس لئے
اب اس کی زچہ ماں کے لئے وہ بادام، اخروٹ، چلغوزہ اور مقویات اور مشروباتِ لطیفہ
کون لائے اور کہاں سے لائے، پیدائش کا مقام نہ شہر نہ قصبہ بلکہ ویران میدان کارخانہ، یا
جنگل نہ جہاں منتظم آبادی نہ محلے دار اور نہ پڑوسی، پھر ان کی پیدائش کی اطلاع ہو تو کسے اور
ان کی پیدائش کا اعلان کرے تو کون، اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ والد صاحب قبلہ ہوتے ہیں اپنی "مزدوری"
پرا اور بیوی صاحبہ کسی تنہائی میں "بچہ دے مارتی ہیں" اور خود ہی ہوش میں آجاتی ہیں شوہر صاحب

بھی تشریف لاکر جب اپنے آس پاس میدان ہی میدان پاتے ہیں اور جیب خالی تو بیوی کے پاس بیٹھ کر یا آگ روشن کر دیتے ہیں یا زچہ کے لئے روٹی پکانا شروع کر دیتے ہیں، بڑا سہارا اگر ملا تو یہ کہ پاس والے مزدوروں کی دو چار عورتیں "نسوانی ہمدردی" کے اثر سے خدمت کو آگئیں تو وہ بھی اس طرح کہ اگر "مزدوری سے فرصت ہو تو" ورنہ یہ عورتیں بھی اپنی مزدوری پر اور زچہ صاحبہ پھر تنہا کی تنہا، اب اگر بچے کو سنبھالیں تو خود زچہ صاحبہ اور خود کو ہوش میں لائیں تو خود زچہ صاحبہ، چنانچہ خود راقم الحروف نے مزدوروں کی ایسی بے شمار زچہ عورتیں دیکھی ہیں جن کی گود میں چار پانچ دن کا بچہ ہے اور وہ مزدوری میں مصروف ہیں، ضعف کا یہ عالم کہ حرکت کرنا محال مگر بھوک اور تنگ دستی کا یہ تقاضا کہ مزدوری کرو، بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہندوستان کے امیروں، رئیسوں، اور ذی مقدرت لوگوں کی حماقت اور ستم آفریں بے خبری ان بدنصیبوں کے لئے یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ ایسے نازک اور دل ہلا دینے والے واقعات کو سُن کر یہ لوگ نہایت آسانی سے کہدیا کرتے ہیں کہ۔ اُونہ فکر ہی کیا ہے

اگر مزدور کی بیوی زچہ بنکر مزدوری کرتی ہے تو اللہ نے اُس کے خواص اور عادات بھی ویسی ہی بنا دی ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کہ مزدور کی بیوی کے خواص رئیس کی بیوی کے خواص سے مختلف اور الگ ہوا کرتے ہیں، کاشکہ کوئی دولت مند اپنی بیوی کو مزدور کی بیوی بنا کر امتحان کرے تب پتہ چلے کہ مزدور کی بیوی ہو جانے سے انسانیت کے عام اور طبعی خواص بدل نہیں سکتے، الغرض پیدائش کے بعد مزدور کی بیوی اپنے نورِ نظر کو زرق برق کپڑے نہیں پہنا سکتی، بلکہ اپنے ہی استعمال کے بڑے کپڑوں کو پھاڑ کر اس لاڈلے بچے کو اُس کے

چیتھڑوں میں لپیٹ کر یا لپٹا کر گود میں لیتی ہے اور چار دن کے بعد ہی وہ اپنی تمام تکالیف کے ساتھ مزدوری کے لئے اس طرح نکل جاتی ہے کہ یہ ننھا سا بچّہ اُس کی ٹوکری میں ہوتا ہے جیسے وہ ہوا کے گرم و سرد جھونکوں، دھوپ اور سایہ کی بے اعتدالی، اور چرند و پرند کے رحم پر چھوڑ کر مزدوری میں مصروف ہو جاتی ہے، اب جس طرح اس کے ہاں کی پیدائش کا کوئی اعلان نہیں ہوتا اُسی طرح اب اُس کے ہاں عقیقے کی تقریب ہے نہ غسل زچگی کا اہتمام نہ خوشی کے شادیانے ہیں نہ مسرت کے نقّارے، نہ کوئی دوست مبارک باد کے لئے نہ کوئی عورت جوڑا لاتی، نہ ممانیوں میں سسرالی رشتہ دار ہیں نہ میکے والوں کا پتہ، نہ بچّے کے لئے پھول پھول کے کپڑے ہیں، نہ جرمنی کے بنے ہوئے کھلونے، یہی وجہ ہے کہ مزدور کی بیوی کے پاس یا اُس کے ساتھ جب دیکھئے ایسے ننگ دھڑنگ بچّے نظر آئیں گے گویا کسی بھوت کی بیوی نے اپنے خوفناک بچّے مزدورنی کے ساتھ کر دیے ہیں،

پس ایسے ہی عجیب و غریب حالات کے ساتھ جب مزدورنی کی لڑکی یا لڑکا مبلغ پانچ برس کا ہوا تو اب نہ اُس کی تعلیم کے لئے کوئی بے، اسے پاس استاد ہے نہ خدمت کے لئے ماما صاحبہ بلکہ اُلٹی مصیبت یہ ہے کہ پانچ برس کا بچہ اپنی روزی اب خود کمائے چنانچہ مزدور کی اولاد کے اسی نقشہ سے متأثر ہو کر ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر حضرت جوش ملیح آبادی نے یہ نظم کہی ہے،

اک دوشیزہ سڑک پر دھوپ میں ہے بیقرار ۔۔۔ چوڑیاں بجتی ہیں کنکر کوٹنے میں بار بار،
کس کی چالوں نے یہ کر دی ہے تری لیت و لعل ۔۔۔ نازنینوں کا یہ عالم مادر ہند آہ آہ،

چوڑیوں کے ساز میں یہ درد کیسا ہے بھرا
آنکھوں میں آنسو بنی جاتی ہے جس کی ہر صدا

کیوں ترا گلزار دوزخ کا نمونہ ہو گیا
آہ کیوں تیرا یہ برّ و بحر سُونا ہو گیا

گرد ہے رُخسار پر زُلفیں اَٹی ہیں خاک میں
کمسنی سوئی ہوئی ہے دیدہ نمناک میں

اے شبِ تاریک تیری بزم اختر کیا ہوئی
سر برہنہ کیوں ہے؟ وہ پھولوں کی چادر کیا ہوئی

کاکلِ شبرنگ اور افشاں خس و خاشاک کی
روئے زیبا اور نقاب افسوس جلتی خاک کی

آبِ زر سے جگمگاتے تھے کبھی تیرے کلس
تیری آنکھوں سے ٹپکتا تھا کبھی عشرت کا رس

اُف یہ ناداری مری سینے سے اُٹھتا ہے دھواں
آہ اے افلاس کے مارے ہوئے ہندوستاں

برکتیں تھیں سایہ افگن تیری ارضِ پاک پر
حُسن برستا تھا کبھی اے ہند تیری خاک پر

حسن ہو مجبور کنکر توڑنے کے واسطے
دست نازک اور پتھر پھوڑنے کے واسطے

اے خدا ہندوستان پر یہ فلاکت تا کجا
ہم پہ آخر جہل و نکبت کی حکومت تا کجا

بھیک میں وہ ہاتھ اُٹھیں التجا کے واسطے
جس کو قدرت نے بنایا ہو حنا کے واسطے

گردنِ حق پر خراشِ تیغِ باطل تا بکے
بیکسوں کے واسطے طوق و سلاسل تا بکے

فرطِ خشکی سے وہ لب ترسیں تکلّم کے لئے
جن کو فطرت نے تراشا ہو تبسّم کے لئے

دستِ نازک کو رسن سے اب چھُڑانا چاہیے
اس کلائی میں تو کنگن جگمگانا چاہیے

ان حالات کے ساتھ یہ جوان ہوتی ہے مگر اس عالم میں پہونچکر اُس کے اندر صرف ایک چیز نئی نظر آتی ہے اور وہ اُس کا طبعی حجاب اور فطری شوخی باقی سب طرح خیریت و خیر و عافیت، نہ جوان ہو کر اُس کے لباس میں بھڑک پیدا ہوتی نہ زیور میں اضافہ ہوتا، نہ مزاج کی شوخی

اور آزادی اعتدال کی حد سے سوا ہوتی اور اُمنگ اور ترنگ سے وہ بدمست ہوتی، البتہ فقر و فاقہ کشی اور محنت مزدوری کی تھکن سے اُس کے چہرے پر حُزن و ملال کے عوض ایک با اثر معصومیت اور بے چارگی نمایاں نظر آتی ہے، وہ پھٹے پُرانے چیتھڑوں سے اپنے جسم کو یوں چھپاتی رہتی ہے گویا وہ غیر آدمی کی نظروں سے کوسوں دور رہنا چاہتی ہے مگر غربت اور تنگدستی کی مصیبت اُسے لوگوں کی نظر میں لاتی ہے اُسے جوانی میں اگر تفریح کی سوجھتی بھی ہے تو بس اتنی کہ وہ رات کے وقت اپنی ہمجولیوں اور سہیلیوں کے ساتھ مل کر گا لیتی ہے مگر وہ بھی اُس وقت اور اس طرح کہ جب اُسے یقین آجائے کہ اُس کے گانے سے اُس کا باپ یا اُس کی ماں ناراض نہ ہوگی، اس کے بعد یا تو اُس کی شادی کم عمری ہی میں ہو جاتی ہے اور نہیں تو اب اُس کی شادی کا وقت آجاتا ہے، اب اگر شادی کی تفصیلات کو تلاش کیجئے تو گمان ہوتا ہے کہ مزدور زادی کی شادی کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے یعنی اس کی شادی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لڑکی اپنے وطن اور گھر میں ہو، بلکہ اگر مزدوروں کا قافلہ مزدوری کے لئے کسی ویران میدان اور دور دراز شہر یا قصبے میں ٹھیرا ہوا ہے تو اُسی جگہ شادی کا ہو جانا ضروری ہے اور اگر گھر پر ہے تو شادی کا ہو جانا ضروری ہے، مگر اکثر شادیاں بیرونِ شہر اور مزدوری کے مستقر ہی پر ہوتی دیکھی گئی ہیں، اور وہ بھی اس قیامت کی بے سرو سامانی کے ساتھ کہ اگر ہمارے ننھے میاں کی والدہ کی کسی لڑکی کی اس بے سرو سامانی کے شادی کر دی جائے تو ہمارے ننھے میاں کی والدہ مارے غم کے یقیناً زہر کھا کر مر جائیں، چنانچہ مزدور زادی

کی شادی کے پیغامات کے لئے نہ کسی مشاطہ اور درمیانی عورت کی حاجت ہے نہ کسی پیغامبر مرد کی ضرورت ہے، نہ رنگین لفافے نہ تار اور ٹیلیفون، بس جب قافلہ میں وہ پیدا ہو کر شادی کے قابل ہوئی ہے اُسی قافلہ کے کسی لڑکے کے ساتھ بیاہ دی جائیگی، اسی طرح نہ اس لڑکے کے لئے بی اے، پاس ہونے کی شرط ہے نہ جوان صالح ہونا ضروری بس یوں سمجھئے کہ "لڑکا" ہو خواہ کسی رنگ و رخ اور کسی ڈیل ڈول کا ہو، یہی حال مزدور کے صاحبزادہ مزاجی اور دماغی حالات کا ہوگا کہ اُسے بھی اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ ہونے والی بیوی علی گڈھ کی پڑھی ہوئی ہو یا انجمن حمایت الاسلام لاہور کی، یا وہ مزدوری کے ساتھ ساتھ شیروانی سینا بھی جانتی ہو اور قمیص بھی، یا وہ صورت کی لیلےٰ ہو یا مجنوں، یا شیریں ہو یا فرہاد، یا گلرو روز رینہ ہو یا ملکہ مہر نگار یا انجمن آرا بیگم، غرض مزدور کے لڑکے کی انتہائی خوشی کے لئے صرف یہ خبر کافی ہوگی کہ "اب اُس کی شادی ہو رہی ہے" اور وہ اسی خیال سے مست نظر آئیگا کہ اب اُس کی شادی ہو رہی ہے،

کچھ شک نہیں کہ مزدور کی شادی اگر کسی شہر میں واقع ہو جائے تو دھوم دھام اور شان کے لحاظ سے بعض اوقات یہ شادی مُلّا رموزی کی شاندار شادی کے برابر ہو جاتی ہے مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے، مگر یہ زیادہ ہوتا ہے کہ شہر کا نہایت ذلیل باجہ بجاتے ہوئے چند مزدور صاحبان لڑکی کے گھر تشریف لے آتے ہیں، اور دولھا میاں آج بھی جو "خلعتِ فاخرہ" زیب تن فرماتے ہیں وہ کسی طرح ہمارے آپ کے ہاں کے ملازم اُمیرا مُنیرا کے روزمرّہ لباس سے زیادہ صاف اور شاندار نہیں ہوتا، البتہ یہ جوڑا نیا

ضرور ہوتا ہے، آتے ہی کسانوں کی طرح کسی میدان یا سڑک کے کنارے مقیم ہوئے، اور چند
معمولی رسوم کے بعد ہی سُن لیجئے کہ نکاح بھی ہو چکا اور وداع بھی، لڑکی کی والدہ نے چند
سیکنڈ نہایت باضابطہ آواز سے کچھ رونا رو دیا چند عورتوں نے خدا کے واسطے
کچھ گانا گا دیا کہ لڑکی ہمیشہ کے لئے رخصت، نہ ولیمہ کا ہنگامہ، نہ جہیز اور مہر پر جھگڑا،
مزدور کی لڑکی اور مزدور کا لڑکا قصہ تمام، جہیز میں لڑکی کو پتیل، تلنبے، اور ایک آدھ
چاندی کا زیور دیدیا گیا، جس کی تعداد ایک سے دس تک بس ہے، برتنوں میں
دیڑھ دیگچی، ایک آدھ طباق، تھالی، طشت اور چولھے کے اوزار اور ہتھیار عرف
دست پناہ ضرور دیا جائیگا، اور ٹوکری کا ہونا بھی ضروری ہے، باراتیوں کی تواضع
کے لئے اگر دولھا کی طرف سے بہت ہی زیادہ فیاضی اور تکلف سے کام لیا گیا تو شراب
پینے کا انتظام کر دیا گیا، اب جو دولھا کے ہاں باراتیوں کو شراب مل گئی تو وہ کہاں
جاتے ہیں بغیر گانا گائے اور کب بیٹھتے ہیں بغیر ناچ کے چین سے، پس مزدوروں کی
بارات آپ کے محلّے میں جم جائے تو سمجھ لیجیے کہ اب مارے ناچ گانے کے خود باراتیوں کو
نیند بھی حرام ایسے موقع پر باراتیوں کا جوش، ولولہ، مستی، اور بے خودی صرف پولیس
والے تو روک سکتے ہیں ہم آپ نہیں، زیادہ پُر لطف ناچ دولھامیاں کے پچاس
برس کے والد صاحب کا ہوا کرتا ہے، جو مارے نشے اور بیٹے کی مسرت کے کچھ بہت ہی
زیادہ بہک جاتے ہیں، اور جو ان سے بھی زیادہ امیر اور دولت مند ہوئے تو ولیمہ کی
تقریب بھی کی جاتی ہے جس میں دولھا کے والد صاحب سے لیکر دولھا تک خانساماں اور

بھٹیا رسے بنے نظر آتے ہیں، بہت بڑھیا قسم کا کھانا "چاول" ہوتے ہیں جنھیں اس درجہ گندگی کے ساتھ پکایا جاتا ہے کہ اگر ایک لقمہ بھی برطانیہ کے وزیر اعظم صاحب نوش فرمالیں تو مارے استفراغ کے ہندوستان سے لیکر لنڈن تک بھاگتے پھریں مگر طبیعت میں سکون پیدا نہ ہو، مزدوروں کا ہندو طبقہ بجائے برتنوں کے درختوں کے پتّوں پر کھانا رکھ کر کھاتا ہے جس سے اُس کی ذہنی ذلت اور خواری کا پتہ چلتا ہے، پھر کھانا کھانے کے لئے بھی کسی شامیانے اور بہترین مکان کی ضرورت نہیں بلکہ کھُلا میدان، سڑک کا کنارہ اور گھر کا چبوترہ کافی ہوتا ہے اور ان تمام مقامات میں فرش کی کہیں بھی ضرورت نہیں ہوتی بس خدا کی زمین اور مزدور کا فرش، شادی میں شرکت کی عزت کو بڑھانے والی سب سے بڑی علامت یہ ہوگی کہ ہر باراتی کے کپڑوں پر ہلدی کے پیلے رنگ کے نشانات موجود ہوں گے جنھیں بڑے فخر کے ساتھ باقی رکھا جاتا ہے،

کچھ شک نہیں کہ مزدور کی شادی مصارف کے لحاظ سے دوسرے تمام طبقات کی شادیوں کے مصارف سے کم تر مصارف کی شادی ہوتی ہے پھر بھی رسم بد کے تحت مزدور کو "برادری کا کھانا کھلانا"، اتنا ضروری قرار دیدیا گیا ہے کہ اُسے اس موقع پر قرضدار ہونا پڑتا ہے، لُطف یہ ہے کہ دُلہن کی طرح دولھا میاں بھی موٹا موٹا زیور پہنتے ہیں، مگر مزدور دولھا کے زیور پہننے پر مذاق اُڑانے سے پہلے ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں کو اپنے ہاں کے والیانِ ملک کا مذاق اُڑانا چاہیئے جو یورپ ایسے سنجیدہ اور شائستہ ملک میں بھی مرد ہوکر قیمتی زیورات پہنتے ہیں اور نہیں شرماتے اور اس حماقت کو اپنی زنیبانہ خصوصیت

قرار دیکر اپنے حماقت بھرے دل میں خوش ہوتے ہیں یہی حال موجودہ زمانے کے ہندوستانی طلبہ کا ہے جو عورتوں کی طرح چمکدار انگوٹھیاں، گھڑیاں، اور سونے کے تعویذ زیور کی طرح استعمال کرتے ہیں اور اسے اپنی فیشن کا بانکپن سمجھتے ہیں،

غرض جواب مزدور کی بیوی شوہر کے گھر آئی تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ دلہن کے انداز میں سرخ رنگ کے کپڑے پہنے نظر آجائیگی مگر ایک ہفتہ کے بعد اب اُس کے لئے گھر میں رہنا معیوب ہے اور اسی لئے وہ شوہر کے ساتھ مزدوری کے لئے ٹوکری لئے مزدوری میں مصروف نظر آئیگی، لیکن اسی ابتدائی زمانہ میں اُس کے مزاج میں ایک خاص بات نظر آئیگی اور وہ شوہر کے لئے حد سے سوا مستعد، وفادار اور اُس کا ادب کرنے والی، چنانچہ وہ شوہر کے ساتھ دن بھر کی مزدوری کی تھکا دینے والی محنت سے واپس ہوتے ہی اپنے جھونپڑے کو صاف کریگی، اور انتہائی تیزی اور مستعدی سے کھانا تیار کریگی، مزدور کی بیوی کے لئے اُس کے شوہر سے زیادہ قابلِ عزت اُس کی ساس ہوتی ہے لہٰذا جس بیوی کی ساس موجود ہے وہ ہرگز اب شوہر کے ساتھ مزدوری کے لئے نہ جائیگی بلکہ ہر جگہ اور ہر کام میں آگے ساس ہوگی اور پیچھے بہو، لیکن گھر میں بڑے بڑے کاموں میں وہ ساس کو شریک نہ ہونے دیگی بلکہ اُس کی ہدایت کے موافق خود تمام کام پورا کریگی، وہ جھونپڑے میں رہے یا کسی درخت کے سایہ میں مگر جتنی جگہ میں وہ رہیگی اُسے وہ حد سے سوا صاف رکھیگی، اگر کسی بڑے شہر میں گزر ہوگیا یا کبھی دُلہن پن کا جوش حد سے سوا ہوگیا تو وہ ساس یا شوہر کے ساتھ بازار جاکر آٹھ دس آنے کی نئی چوڑیاں پہن لیگی، ایک ڈیڑھ کنگھی خرید لائیگی اور بس، اس سے سوا نہ اُسے آئینہ کا شوق نہ جواہرات

کی مالا کا ارمان، بس یوں سمجھ لیجے گویا وہ دنیا میں صرف مزدوری اور شوہر کی خدمت کے لئے بھیجی گئی ہے نہ اُسے مُراد آباد کا پاندان درکار نہ اُگا لدان کی حاجت بس جس دن وہ حد سے سوا حسین اور پری جمال بن جانا چاہتی ہے تو اُس دن وہ سر میں تلّی کا تیل ڈالتی کیا ہے بھر لیتی ہے جو پیشانی تک بہتا ہوا صاف صاف نظر آتا ہے اور میرے کے سُرمے کے عوض آنکھوں کو جتنا ہو سکتا ہے کاجل سے سیاہ کر لیتی ہے جو اُس کی آرائش کی انتہائی حد ہے، اور مزدور بیوی کی اتنی ہی خوبصورتی اُس کے شوہر صاحب اور خاندان کی عزت بڑھانے کے لئے کافی سے زیادہ سمجھی اور مانی گئی ہے،

اب اگر خدا نے اُسے کوئی "کالا سا بچہ" بھی عطا فرما دیا تو سمجھ لیجے کہ اب وہ مکمّل عورت ہو گئی مگر بچے کی پیدائش بھی اُس کی عام زندگی کی طرح بے اصول ہوگی یعنی اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ پیدائش کے وقت کسی مکان میں ہو یا شہر میں بلکہ جہاں بھی ہو اور جس جگہ بھی، بس ایسے وقت میں اُس کا ہمدرد صرف خدا ہوگا یا اُس کا شوہر، نہ دایا ہوگی نہ محلّے کی عورتیں اسی طرح یہ زچگی کے زمانہ میں نہ مقویات کھانے کی عادی نہ رسوم و تقریبات کی خواہش مند بس وقت پہ جو مل جائے اور جو ہو سکے، اس کے ہاں بھی زچگی کے لئے تین چار دن کا آرام کافی سمجھا جاتا ہے اُس کے بعد ہی سے پھر مع بچّہ مزدوری اور کاروبار کی ذمّہ داری اور بچّا آوری،

ایک خاص بات مزدور کی بیوی میں یہ ہے کہ اب جو اُس کے ہاں اولاد کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو اب وہ بند ہونے کا نام نہ لیگا، چنانچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ اولاد کی جو کثرت مزدور کے ہاں نظر آتی ہے وہ انسانوں کے دوسرے طبقوں میں شاید ہی کہیں نظر آئے، پھر اس کے

بچوں کے لئے حسن و خوبصورتی تو شاید دنیا میں پیدا ہی نہیں کی گئی اس کے بچے جتنے زیادہ ہوتے ہیں اتنے ہی گندے میلے چیٹے لنگڑے، کالے، اوبچے، نیچے اور عجب عجب قسم کے ہوتے ہیں مگر اس بیوی کی دلیری کی کا یہ حال کہ ایک ہی وقت میں وہ دس دس بچوں کی خدمت نگرانی اور پرورش کے فرائض انجام دیتی ہے مگر ہمت نہیں ہارتی، البتہ اولاد کی کثرت سے اُس کے مزاج میں سختی اور شدت ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور اسی سے وہ بچوں کی صحیح نگرانی اور خدمت سے بھی ایک حد تک بے پروا ہو جاتی ہے، چنانچہ اُسے چھوٹے بچے کا حد سے زیادہ رونا چلّانا تڑپنا اور بے چین ہونا نہ اُس کی مزدوری سے روکتا نہ اُسے اُن کی طرف متوجہ کرتا، نہ وہ اِن میں سے ہر ایک کے لئے گوٹے کناری کے کپڑے بنانے پر دم دیتی ہے نہ ان میں سے ہر ایک کو گلے میں لٹکائے رہنے کو اپنا سہان پن، سمجھتی، یہی حال اس کے بچوں کا ہوتا ہے کہ اگر دو بچے پھٹے پرانے چیتھڑے پہنے ہیں تو دو بالکل ہی ننگے نظر آئیں گے، دو اگر ماں کی بغل میں سو رہے ہیں تو تین کسی چٹان پر، ایک اگر کسی چارپائی پر ہے تو دو زمین پر، ایک اگر کھیل رہا ہے تو تین آپس میں لڑتے لڑتے گتھ گئے ہیں اور چلّا چلّا کر ماں کو مخاطب کرتے بھی ہیں تو ماں مخاطب نہیں ہوتی اور جو آخر میں مخاطب بھی ہوئی تو اس طرح کہ جو چیز ہاتھ میں آگئی اُسی سے سب کو ٹھونک کر رکھ دیا اور فارغ ہو گئی پھر اگر یہ بچے روتے روتے بے ہوش ہو جائیں تو اُسے غم نہیں اور اگر سو جائیں تو اُسے پروا نہیں، نہ اُن کے لئے وہ کھلونے خریدے گی نہ مٹھائی کا روزانہ بندوبست کریگی اور جو کسی دن بچوں کو مٹھائی دلانا ہی پڑے گی تو اس طرح کہ اُن کے ساتھ کھانے میں یہ خود بھی شریک ہو جائیگی مگر کھلانے وقت بھی اسے بچوں کی

لڑائی سے فرصت نہ ہوگی اس کے منہ میں لڈو ہوگا اور ہاتھ میں بچوں کے مارنے کے لئے لکڑی، اس کے ہاں بچوں کی بیماری کے لئے نہ کوئی حکیم آتا نہ ڈاکٹر نہ اس کے پاس کوئی شفا خانہ [illegible] میں اول تو بچے خود بخود اچھے اور صحت یاب ہوجاتے ہیں یا پھر جنگل کی خدا جانے کیسی کیسی دوائیں ہیں اور اس کے بچے، اور خدا کا فضل کہ وہ اچھے تو ہوجاتے ہیں مگر مرتے نہیں، اسی تربیت کے ہاتھوں نہ اس کے بچے کسی کو جھک کر سلام کرنا جانتے نہ کسی مدرسے اور مکتب کو پہچانتے، بس اُن کا پانچ چھ برس کی عمر میں داخل ہونا کافی ہے کہ یہ بھی والدہ صاحبہ کے ساتھ مزدوری میں شریک ہوجاتے ہیں، اب بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور آمدنی میں کمی، نتیجہ یہ کہ مزدور کی [illegible]ی روٹی اور کپڑے کے حساب سے زیادہ مشکلات میں مبتلا ہوتی جاتی ہے، اور بچے آئے دن کی فاقہ کشی اور محنت کی تھکن سے بہ لحاظ صحت و اخلاق دنیا کے پست تر اور بدترین انسان ہوتے جاتے ہیں، اب مزدور کی اس نئی نسل میں اعلیٰ درجہ کی تندرستی، خاندانی تربیت، جماعتی اصول کی پابندی، بلند تر اخلاق، بہتر معاشرت، وغیرہ یعنی آدابِ انسانیت کا وجود ہو تو کس طرح؟

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب مزدور اپنی بیوی سے ناراض ہوگا تو بس الامان، اب اگر ناراضی کے وقت اُس کے ہاتھ میں جوتا آجائے تو جوتا، لکڑی آجائے تو لکڑی، لوہا آجائے تو لوہا، پتھر آجائے تو پتھر، غرض جو کچھ وقت پہ مل جائے وہ اُس کے ذریعہ اپنی بیوی کو مارنا شروع کرتا ہے پھر مار کے لئے نہ کوئی حد ہے، نہ اندازہ نہ معیار ہے نہ ضابطہ بس جب تک اُس کا جی چاہے وہ اپنی بیوی کو مار سکتا ہے، پھر مارنے کے لئے یہ بھی نہیں کہ صرف

چانٹا مار دے بلکہ وہ مارنے کے ساتھ ہی کاٹ بھی سکتا ہے اور نوچ بھی سکتا ہے گھونسا بھی سکتا ہے اور لٹکا بھی سکتا ہے غرض دنیا میں جتنے قسم کی فوجداری اور کوتوالی ہو سکتی ہے وہ سب اپنی بیوی پر صرف کر سکتا ہے، ایک سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مزدور کی بیوی کو لڑائی کے وقت بچانے کے لئے نہ محلّے والے تیار نہ پڑوس والے موجود اور یہ اس لئے کہ اکثر یہ لوگ ویرانوں میں مقیم ہوتے ہیں اسی لئے جس وقت مزدور اپنی بیوی کو مارنا شروع کرتا ہے اُس وقت اس کے چھوٹے چھوٹے دس بارہ بچّے اپنی ماں کے رونے میں شریک نظر آتے ہیں اور بس، مزدور کی بیوی اکثر چولھے کے پاس والی لکڑی سے مار کھاتی ہے اس لئے کہ اس کے شوہر کی ناراضی خفگی اور غُصّے کا وقت شام ہی کے کھانے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اُدھر بیوی نے مزدوری سے واپس آکر چولھا روشن کیا اِدھر مزدور صاحب مزدوری سے فارغ ہو کر یا شراب پی کر آئے یا تاؤ میں بھرے ہوئے بس ابھی کہ بیوی نے ایک ہی روٹی تیار کی تھی کہ شوہر صاحب نے سیدھی سیدھی اور نہایت درجہ غلیظ گالیوں سے بیوی کو مخاطب کیا اور جنگ کا آغاز ہوا اب جتنا وقت گزرتا جائیگا شوہر صاحب کی گالیوں اور غُصّے کا زور بڑھتا جائیگا مگر ابھی بیوی کی آواز شوہر سے اونچی نہ ہوگی، اب اگر آپ اس کے محلّہ دار ہیں تو یہی سمجھئے گا کہ آج مزدور بیوی کو کچھ یوں ہی ڈانٹ رہا ہے بس جیسے ہی کہ آپ نے یہ خیال قائم کیا کہ اُدھر مزدور صاحب نے بیوی صاحب پر دھاوا بول دیا، یہ دھاوا بول دیا اس لئے لکھا کہ مزدور صاحب کے غُصّے میں کوئی سلیقہ نہیں ہوتا، اول تو اس لئے کہ وہ مزدور ہی تو ہیں

کہیں کے لکھنوی بیرسٹر تو ہیں نہیں جو بیوی سے بھی بوقت غضب واللہ، چنانچہ کہہ کر خموش ہو جائیں، پھر یہ مزدور بھی کیسا کہ تاؤ سے بے قابو، پھر ایسے بھرے ہوئے مزدور سے یا خدا بچائے یا پولیس، محلّے والوں کی کیا مجال جو "دخل درمیان بیوی" فرما سکیں، نتیجہ یہ کہ جوتے لکڑی، گھونسے، طمانچے، اور چانٹوں سے بڑھ کر جب معاملہ دنگل کی صورت اختیار کر لیتا ہے تب کہیں جا کر شوہر کا غصّہ کم ہوتا ہے مگر مُلّا رموزی نے مزدور کو جب اپنی بیوی کو ٹھونکتا ہوا پایا ہے اُس کے لحاظ سے یہ کہنا غلط ہے کہ مزدور کا غصّہ کم ہو جاتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ وہ مارتے مارتے بے دم ہو جاتا ہے تب کہیں بیوی صاحبہ نجات پاتی ہیں البتہ اس معاملہ میں ایک خاص بات نہایت حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ دنیا کی تمام بیویوں سے مزدور کی بیوی جتنی زیادہ مار کھاتی ہے اُس کی نظیر ہی نہیں مگر اس پر بھی نہ اُس کے سر سے خون بہتا نہ اُس کی ٹانگ ٹوٹتی؟ اس لئے کافی مطالعہ کے ذریعہ مُلّا رموزی نے معلوم کر لیا کہ مزدور کے ٹھونکتے وقت مار سے زیادہ اُس کا شور ہوتا ہے اور اس شور میں مار کھانے والی بیوی کا شور شامل ہو کر اصل مار کو بے حد کم کر دیتا ہے یہی تو راز ہے جو رات کو چار مرتبہ مار کھانے کے بعد صبح سے پھر بیوی صاحبہ بغیر طلاق اور مقدمہ دائر کئے اسی مارنے والے شوہر کے مٹّی ڈھوکری لے کر مزدوری کے لئے تشریف لے جاتی نظر آتی ہیں، ورنہ جناب ہزار کچھ ہو مار کھائی ہوئی بیوی بھی کم از کم تین دن شوہر صاحب کا کھانا تو حرام کر ہی دیتی ہے مگر مزدور کی بیوی مار کھا کر جو کچھ کرتی ہے وہ یہ کہ شوہر کو جی بھر کے سیدھی سیدھی سُنا لیتی ہے اور بددعا کرتی ہے مگر کیا مجال جو وہ لڑائی کے بعد ایک ہی دن کا کھانا پکانے سے انکار تو کر دے،

اِسے دوست احباب اور رشتہ داروں کی تقریبات میں شرکت کا موقع نہیں ملتا اس لئے کہ وہ ہمیشہ شہر اور محلّے سے دور رہتی ہے اور جو خدا نخواستہ کبھی ایسا موقع مل گیا تو اُس وقت اس کی آرائش اور تقریب میں شرکت کا بندوبست دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے بس یوں سمجھئے کہ اُس کے پاس زیور اور لباس کا کوئی ذخیرہ نہ پہلے تھا نہ اب ہے یہی حال بچّوں کے ننگ دھڑنگ پن کا ہوتا ہے بس وہ محفل میں جاتے وقت اپنے مُنہ پر بہت زور سے قلعی کرتی ہے اگر مل گیا تو سُرمہ ورنہ کاجل سے آنکھیں کالی کیں، پُرانے کپڑوں کو دو تین پیسے کے دیسی صابون سے دھویا اور محفل میں اس خوشی سے پہونچ گئیں گویا وہ عیدگاہ تشریف لے گئی ہیں، یہ بیوی گرہستی اور امور خانہ داری کے لحاظ سے کارآمد نہیں اور اس لئے نہیں کہ وہ کچھ جانتی ہی نہیں بلکہ اس لئے کہ اُسے اتنی دولت ہی حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے گھر میں کوئی قابل ذکر انتظام کر سکے، اسی لئے نہ اس کے ہاں بستر موجود نہ کپڑوں کے صندوق، نہ پورے برتن نہ چارپائی، یہاں تک کہ کھانا پکانے کے لئے بھی مٹّی کی ہانڈی کے سوا باقی سب طرح خیریت! اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ یہ خود، اس کا شوہر، اور اس کے بچّے ہمیشہ ننگ دھڑنگ گندے اور غلیظ ہوا کرتے ہیں، خود اس کے جسم کا آدھے سے زیادہ حصّہ برہنہ رہتا ہے خصوصاً علاقۂ بمبئی، مدراس، گجرات، اور پونا میں خود مُلّا رموزی نے دیکھا ہے کہ مزدور کی بیوی صاحبہ اپنے جسم کو بقدر ضرورت ہی چھپائے رہتی ہیں، چونکہ مزدور کی آمدنی اکثر یومیہ یا روزانہ ہوتی ہے اس لئے شام کو جتنے دام ملے اُن کا سودا سُلف شام ہی کو لائے اور کھا کر صبح کو پھر فقیر کے فقیر، اس لئے مزدور کی بیوی خانہ داری کے سلیقے کے لحاظ سے نہایت بےکار ہوتی ہے نہ

اُس میں کفایت شعاری کی عادت نہ سلیقے اور تمیز کا پتہ، اسی لئے اُس کا گھر اول تو ہوتا ہی نہیں، بلکہ خانہ بدوش زندگی کے باعث اس کی ساری گرہستی درختوں کی شاخوں پہ اس طرح لٹکی نظر آتی ہے کہ ایک شاخ پہ اُس کا بستر لٹک رہا ہے تو دوسری شاخ پہ ہانڈی تیسری پر پانی کا برتن تو چوتھی شاخ پر اُس کا بچہ، اسی درخت کے نیچے اُس کا چولھا اور خوانچہ اور اسی کے نیچے اس کے شوہر کا بستر، اور جو کسی مزدور صاحب کا مکان ہوا تو اس طرح کہ دروازہ اتنا مختصر کہ بغیر سجدہ کئے اندر داخل ہونا محال، پھر اندر جائیے تو مارے تاریکی کے دن کو چراغ کی ضرورت، اگر دو تین دیواریں اچھی تو ایک دیوار اتنی شکستہ کہ گھر میں ہاتھی داخل ہو جائے اور چور بھی، پھر دماغی پستی یا تنگدستی کا یہ حال کہ جو دیوار شکستہ ہو جائے وہ عمر بھر شکستہ ہی رہیگی مگر مزدور اُسے درست نہ کرائیگا نہ اُس کی بیوی تعمیر کے لئے بے چین نظر آئیگی، پھر اگر اس کے مکان کا صحن کشادہ اور وسیع ہوگا تو اس میں ہمیشہ کوڑے کرکٹ کے انبار نظر آئیں گے صرف اتنا حصہ صاف ملے گا جو مزدور کے لئے اُٹھنے بیٹھنے کے لئے ضروری ہے، مزدور کی بیوی ہی وہ بیوی ہوتی ہے جس کا مزاج کپڑے، گھر، برتن، اور بستر کی ہزار ہا قسم کی گندگی کو برداشت کر کے کھانے کے معاملے میں بھی نہایت درجہ گندہ کھانے کو برداشت کرلیتا ہے، خالص جہالت پست تر برادری اور گندہ صحبت کے باعث یا مالی مجبوری کے باعث مزدور کی بیوی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ اُسے کھایا جائے اس کے پکائے ہوئے کھانے میں گندگی، بدبو، اور مکروہ صورت ہونے کی تمام علامتیں ہوتی ہیں مگر یہ اور اِس کا شوہر اس کھانے کو بڑے مزے لے کر تناول فرماتے ہیں، ان میں سے

بعض تو مُردہ جانوروں کا پلاؤ پکانے سے بھی نہیں چوکتے،

البتہ یہ بیوی مزاج اور عادات کے لحاظ سے نہایت درجہ قابلِ احترام ہوتی ہے، وہ شوہر کی حد سے سوا مطیع، فرماں بردار، وفادار، خدمت گزار، اور اُس سے محبّت کرنے والی ہوتی ہے اور یہ اس لئے کہ اُس کی ذہنی حالت بے علمی کے باعث نہایت محدود ہوتی ہے اُس لئے اُس کی خواہشات اور مطالبات کا کم ہونا ایک فطری نتیجہ ہے، مشکل تو اُن بڑ زنگیوں کے لئے ہے جنھیں شروع ہی سے بنارس کی ساریاں پہنائی جائیں، کلائی پر گھڑی باندھی جائے، اور اسکول میں پڑھا کر دماغ کو ساری دنیا کے حالات سے واقف کرایا جائے، اور پھر کہا جائے کہ آج کل کی بیوی دوزخ کا نمونہ ہوتی ہے،

مزدور کی بیوی کا حلیہ یوں واقع ہوتا ہے کہ اُس کا رنگ ہمیشہ سیاہ اور سفیدی کا دشمن واقع ہوتا ہے جسم کے اندر مزدوری کی مشقت سے کبھی موٹاپا پیدا نہیں ہوتا، صورت کے حساب سے جیسے ڈھائی مہینے کی مریضہ قد میں ایک حد تک دراز، تبسّم اور بشاشت کا چہرے پر وجود بھی نہیں، صرف بچّہ کو کھلاتے وقت مُسکراتی ہے، اتنے حالات مُلّا رموزی کے ذاتی تجربات تھے مگر خوش قسمتی سے اس مضمون کے لکھتے وقت یعنی جنوری ۱۹۳۱ء میں شہر لاہور میں تمام ایشیا کی عورتوں کی ایک سالانہ مجلس کا اجلاس منعقد ہوا اور اُس میں ہندوستان کے مزدور کی بیوی کی اس مجلس کی صدر خاتون نے جو کچھ کہا وہ یہ ہے،

"ڈاکٹر متھو لکشمی ریڈی صدر آل انڈیا خواتین کانفرنس و سابق ڈپٹی پریذیڈنٹ مدراس کونسل نے کہا کہ مدراس کی عورتیں زیادہ تر چائے کے کھیتوں اور کانوں

میں کام کرتی ہیں یا رسّی بٹنے اور قلیوں کے کام پر دیکھی جاتی ہیں، اگر ہندوستان بھر میں دیکھا جائے تو مرد مزدور کی نسبت عورت مزدور کی تعداد کبھی کم نہیں، مگر مجھے حیرت ہے کہ ہندوستان بھر میں صرف ایک عورت انسپکٹر ہے، اور یہ اس لئے کہ عورتوں کی ناخواندگی کا فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ عورتوں کے لئے ترقی اور کاروبار کا میدان وسیع کیا جائے، کیونکہ ایک عورت کو دن بھر میں کارخانے میں کام کرنے کے بعد پھر گھر میں جا کر کام کرنا، کھانا پکانا اور بچّوں کو سنبھالنا پڑتا ہے، عورت مزدور کے لئے آمدنی کا جو اندازہ میں نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت مزدور کو سولہ روپیہ دو آنے چھ پائی ماہوار آمدنی ہوتی ہے اور اگر وہ ایک دن غیر حاضر ہو جائے تو اُس کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے، میں دیکھتی ہوں کہ ہندوستان کے مزدور کی کمائی کو بے رحمی کے ساتھ لوٹا جاتا ہے، ان کے بچّوں کی تعلیم کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے دیکھا جاتا ہے کہ کارخانوں میں بے حد چھوٹی عمر کے بچّے کام کرتے ہیں اور قانون موجود ہے کہ ۱۲ سال سے کم عمر کے بچّوں کو فیکٹری میں نہ لیا جائے مگر لوگ باز نہیں آتے۔" [1]

یہ ہیں ہندوستانی مزدور صاحب کی بیگم صاحبہ، اب اس بدنصیب بیوی کے لئے سب سے آخری مشکل یہ ہے کہ اسے جماعت میں قابل توجّہ ہی نہیں سمجھا جاتا ورنہ اس کی مشکلات کا دور ہو جانا مشکل نہیں، خدا لیڈروں کو توفیق دے کہ وہ مزدور صاحب کی اہلیہ محترمہ کی خدمت و ترقی پر متوجّہ ہوں، فقط،

---

[1] ملاحظہ ہو اخبار "ملاپ لاہور" مورخہ ۲۴-جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۷

مہاجن کی بیوی

جس طرح یورپ میں یکساں کوٹ پتلون کے باعث ایک مہاجن اور وزیر اعظم کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے اُسی طرح ہندوستانی مہاجن کی صحیح تعریف مقرر کرنا بھی مشکل ہے، اگرچہ اجتماعیات، اقتصادیات، اور اخلاقیات، کے اعتبارات اور اُس کی ہمہ گیر زندگی کے اثرات کے لحاظ سے یہ اس درجہ اہم ہستی قرار دیدی گئی ہے کہ اس پر مضمون نگاری کے ساتھ ساتھ شاعری بھی ہوتی رہتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہاجن کے اوپر باہوار مشاعرے منعقد ہوتے ہیں، بلکہ مضامین کی طرح اس کی زندگی پر شعراء نے بھی اظہار خیال کیا ہے۔

بظاہر تو مہاجن وہ شخص ہے جو تجارتی کاروبار کرتا ہو، اُس کی ایک یا چند دکانیں ہوں وہ جسم کے حساب سے ایسا ہو جیسے پانی کے چھڑکاؤ کی گاڑی کو کھڑا کر کے اُس کے سرے پر آدمی کا سر لگا دیا جائے، گو متعدد اصحابِ قلم نے اُس کا حلیہ اور اس کی سیرت کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، لیکن اصلیت کے لحاظ سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کس کا لکھا ہوا صحیح اور مکمّل ہے فی الجملہ مہاجنوں کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں،

۱۔ مہاجن نمبر ایک وہ جو کئی کروڑ یا کئی لاکھ روپیہ کا مالک ہو اور خواہ یہ بے شمار روپیہ خود اُس نے کمایا ہو یا اُس کے والد کے والد کا ہو یا اُس کے صرف والد کا ہو، یا نانا کے نانا کا ہو یا

اُس کے صرف نانا نے اس کے نام لکھدیا ہو اور مرگیا ہو یا اس کا نہ باوا ہو نہ دادا، نہ نانا ہو نہ نانی ہو بلکہ اسے کسی مہاجن نے مرنے سے پہلے اپنا بیٹا بنایا اور اپنی تمام دولت اس کے نام لکھ دی ہو، کہ بعض مہاجن اس قسم کے بھی ہوا کرتے ہیں، پس جو مہاجن کہ لاکھ سے اوپر کا ہوگا وہ اپنے کاروبار کا صرف نگران رہیگا، اس کے پاس لاکھوں کی کوٹھیاں، گھوڑے موٹر کاریں، خدام، اور ملازم غرض سب کچھ ہوتا ہے یہ بہت زیادہ صاف اور پاکیزہ لباس پہنتا ہے، عورتوں کے زیورات میں سے مرد ہوکر بھی نصف کے قریب زیور پہنتا ہے، تجارت کے حسابات اکثر گھر پر اور کبھی کبھی دُکان پر جاکر سمجھتا ہے اور ان میں کے بعض "آنریری مجسٹریٹ"، "خان بہادر"، "رائے بہادر"، اور "کرسی نشین" بھی ہوتے ہیں، مگر اس طبقے کی تعداد پانچ فی صدی آبادی کے برابر بلکہ اس سے بھی کم ہے،

البتہ نمبر دو کے مہاجن کسی قدر زیادہ ہیں ان کے کاروبار کا حلیہ نمبر ایک کے مہاجن سے ملتا جلتا ہے بس اتنا فرق سمجھئے کہ یہ اپنے کاروبار میں خود اپنی ذات سے زیادہ حصہ لیتا ہے،

نمبر تین کا مہاجن، مہاجن ہونے پر بھی مذکورہ بالا مہاجنوں سے کافی حد تک علیحدہ اور مختلف فیہ ہوتا ہے، اس کے اختلاف کی فیہ یہ ہے کہ اس کے کاروبار کی نوعیت نہایت درجہ ہمہ گیر اور عالمگیر ہوتی ہے، شراب، گانجے، افیون، چرس، بھنگ، چانڈو، اور بیڑی سگریٹ سے لیکر وہ گیہوں، چنے، باجرے، جوار، گھوڑے، بیل، ہاتھی، گدھے، آلو، پیتل، تانبے، سونے، چاندی، جواہر، اور بمبئی کے چور بازار کی ایک ایک چیز کی تجارت سے نہیں چوکتا، وہ کھیتی باڑی، قرض روپیہ، نیلام، قرقی، وارنٹ اور گرفتاری کی تجارت تک سے باز نہیں رہتا، کپڑے، زیور، بساط خانے، چمڑے، جوتے، لوہے، سوڈا واٹر، موٹر، سینما، اور تھیٹر، فوٹو گرافی، تعمیرات

اور توپ و تلوار کی دُکان اور ان چیزوں کے سامان کی تجارت پر حاوی ہوتا ہے، وہ مُردہ انسانوں کو جلانے، دفن کرنے، سڑک بنانے، ریلوں کے پُل بنانے، دفتروں میں قلم دوات کاغذ اور فرش مہیا کرنے کے ٹھیکے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، وہ بازار میں کھڑے ہو کر اس ٹوپی کے ساڑھے چار آنے، بولو پیارو اس ٹوپی کے ساڑھے چار آنے، ساڑھے چار آنے ایک ساڑھے چار آنے دو اور یہ ساڑھے چار آنے تین، کی بولی بولتا ہے، وہ نہیں تو اُس کی چھوٹی عمر کی اولاد پان بیڑی سگریٹ اور ماچس سرِ بازار فروخت کرنے سے نہیں شرماتی، غرض مہاجن وہ جو نفع کی ایک کوڑی کو ہاتھ سے نہ جانے دے،

اس کا حُلیہ یوں واقع ہوتا ہے کہ یہ ابتدائے عمر میں عام لڑکوں کی طرح لڑکا ہوتا ہے، جوانی تک پہونچکر یہ تجارت کے جاہلانہ اصول کی تکمیل کر لیتا ہے یعنی اس کی تعلیم باضابطہ طور پر مکمل نہیں ہوتی بلکہ اپنے خاندان کے مروّجہ اصول گھر ہی میں سیکھ لیتا ہے البتہ وہ ہندی، گورمکھی، گجراتی، مرہٹی، مارواڑی، بنگلہ، اور تامل زبانوں میں اتنی لیاقت ضرور پیدا کر لیتا ہے کہ حسابات کو لکھ سکے، زبانِ اُردو میں حسابات لکھنے والے کو مہاجن کے عوض سیٹھ صاحب کہنا زیادہ موزوں ہوگا، اور ایسے حسابات صرف مسلمان لکھتے ہیں جن کے پاس تجارت برائے بیت ہوتی ہے،

اب جوانی سے اس کا آگے بڑھنا ہزاروں قیامتیں اپنے ساتھ لاتا ہے مثلاً یہی بات کیا کم قابلِ حیرت ہے کہ یہ جوانی کے بعد ہی سے موٹاپے کی طرف کچھ اس طرح دوڑتا ہے کہ اسے دیکھئے اور حیران رہ جائیے اس کے موٹاپے کے متعلق صحیح تحقیق کرنے سے

جرمنی کے سائنس داں بھی اس لئے ساکت نظر آتے ہیں کہ یہ ماش کی دال کھاتا ہے مگر موٹاپے میں وہ جرمنی حکومت کے صدر فیلڈ مارشل وان ہنڈن برگ کو سوم رتبہ مات دیتا ہے، پھر اس قسم کا موٹاپا کیا کم سائنس پاش اور سائنس شکن ہے،

یہ سب طرف سے تو خاصا انسان ہوتا ہے مگر شکم عرف پیٹ کو یہ اس طرح موٹا بناتا ہے کہ آپ اِسے اب نہ بالکل جانور ہی کہہ سکتے ہیں نہ بالکل انسان مگر وہ ہوتا ہے کہ اسی پیٹ کے ذریعہ دن کے وقت دیو نظر آتا ہے اور رات کے وقت بھوت، مگر تحقیق کے بعد نہ وہ دیو رہتا نہ بھوت بلکہ ہر حال میں انسان، ہاں اس کے اخلاق اور گفتگو میں زمین آسمان کا فرق ہر وقت موجود رہتا ہے یعنی وہ اخلاقی حساب سے نہایت درجہ بے رحم، ظالم، تباہ کن، بے مروت، سخت گیر، اور انسانوں کا خون چوسنے والا ہوتا ہے، یعنی جس طرح بھی ہو سکتا ہے وہ روپیہ کماتا ہے مگر گفتگو میں قرض خواہ اور قرضدار سے اس درجہ حلیم، رحیم، کریم، اور سخی ہو کر رہتا ہے کہ جتنا چاہو مال قرض لیتے جاؤ وہ دیتا جائیگا، اس کی دُکان پر پہونچ جائیے پھر دیکھئے اس کی تواضع کا عالم، وہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا بھی ہو جائیگا اور مصافحہ بھی کریگا، وہ اپنے برابر آپ کو جگہ بھی دیگا اور تمام دانت مُنہ سے باہر نکال کر ہنستا رہیگا، وہ پان، سگریٹ، چائے، اور برقی پنکھے سے بھی دریغ نہ کریگا غرض ہر طرح خود کو آپ کا غلام، نوکر، جاں نثار، اور خیر خواہ ثابت کریگا، پھر اپنا مال آپ کو فروخت کریگا مگر اس حُسن اور سلیقے سے کہ آپ ہر حال میں ایک کے چار دیکر آئیں اور معلوم نہ کرسکیں، اس کے بعد اگر آپ نے اس سے قرض روپیہ یا قرض مال لے لیا تو سمجھیے کہ اب یہ مہاجن ہی کا کمال

کہلائیگا کہ وہ آپ سے براہ راست گفتگو بھی نہ کرے مگر آپ کے گھر، آپ کے مال، آپ کی تنخواہ اور آپ کی بیوی کے زیور سے لیکر بستر تک کو نیلام اور قرق کرادے اور جیل خانے میں ٹھونس کر بھی آپ سے ذاتی طور پر بے مروّت اور بد اخلاق نہ ہو، اسی لئے دنیا کی ہر مذہبی اور غیر مذہبی کتاب میں صاف صاف لکھا ہے کہ خدا جس سے چاہے بچالے یا نہ بچائے مگر مہاجن کے قرض سے ضرور بچالے،

بارے اب چند دن سے علم و تعلیم کی ترقی سے جہاں مہاجن کے حالات واخلاق میں قدرے تبدیلی شروع ہوئی ہے وہاں عوام میں بھی اس طبقہ کے خلاف ایک اثر پیدا ہوا ہے چنانچہ عوام خصوصًا کاشتکاروں کو "مہاجنی قرض سے" محفوظ رکھنے کے لئے پنجاب اور بعض دوسرے صوبوں میں ایسے اشخاص کھڑے ہوگئے ہیں جو مہاجن کے مظالم سے عوام کو آگاہ کر کے انھیں دوسرے ذرائع سے امداد بہم پہنچا رہے ہیں،

عوام کے ساتھ کہیں کہیں اخبارات اور رسالے بھی ان لوگوں کے خلاف لکھتے ہوئے نظر آتے ہیں، اصحابِ قلم نے بھی ان پر توجّہ مبذول کی ہے، چنانچہ مُلّا رموزی کو یاد ہے کہ رسالۂ "نیرنگ خیال لاہور" بابت ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کی کسی اشاعت میں "مہاجن" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں ظریف پیرایۂ بیان کے ساتھ اس کے مظالم کو دکھاتے ہوئے اس کی "توند" پر خاص کر طبع آزمائی کی گئی ہے، اسی طرح اخبار "ملاپ لاہور" کی مختلف اشاعتوں میں "مہاجن" کے متعلق کارٹون شائع ہوئے تھے، چند بنیادی انجمنیں بھی قائم ہو چکی ہیں جو اس طبقہ کے مظالم کی روک تھام کے فرائض ادا کرنے کی دعویدار ہیں، لیکن ان تمام کوششوں

کے باوصف ابھی مہاجن بدستور مہاجن ہے، اس لئے ہمیں اُس کے حالات سے بحث میں کوئی اصولی تامل نہیں، لہٰذا واضح ہو کہ مہاجن کی بیوی کی پیدائش کے وقت خوشی اور مسرت کی جو تقریبات اور رسوم ادا کی جاتی ہیں اُن کی شاہانہ شان کا اندازہ مشکل ہے، یعنی مہاجن کے گھر بچہ پیدا ہونے کی تقریب پر بے شمار روپیہ خرچ کر کے اظہار مسرت کرنے کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ مہاجن کے ہاں اولاد کم ہوتی ہے اس لئے جب ہوتی ہے تو خوشی بھی زیادہ ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ مہاجن کے پاس دولت بے شمار ہوتی ہے اور مصارف کم لہٰذا جب اولاد کی پیدائش پر دولت صرف نہ کی جائیگی تو کیا مُلّا رموزی صاحب کی کتابیں چھپوانے کے لئے دولت خرچ کی جائیگی؟

پس لڑکی کا پیدا ہونا کسی دیسی رئیس کی "تاج پوشی" کے اناپ شناپ جشن کا ہم شکل ہوا کرتا ہے چنانچہ جس طرح کوئی رئیس اپنے جشن کو شاندار سے بھی زیادہ شاندار طریقہ سے منانے میں نہ خدا سے ڈرتا نہ اپنی رعایا کے بندوں سے، اُسی طرح مہاجن بھی بچّے کی پیدائش سے کچھ اس درجہ بھی بے خود اور مدہوش ہو جاتا ہے کہ مہینوں دروازے پر نقارے اور شادیانے بجانے کا حکم صادر کر دیتا ہے، اس موقع پر اس کی فیّاضی کا عالم حاتم طائی مرحوم و مغفور سے کسی طرح کم نہیں ہوتا، دآیا، مامآ، نوکر، خادمہ چوکیدار، اور چپراسی سے لیکر لیڈی ڈاکٹر صاحبہ تک کو خلعت ہائے فاخرہ بنایا جاتا ہے، مگر کمی نہیں کرتا،

پھر پیدائش کے بعد سے جوانی تک اب اُس کی بیٹی ہے اور زیور پر زیور ہے، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جتنا بھاری، قیمتی، اور کثرت سے مہاجن کی بیٹی زیور پہنتی ہے بادشاہوں کی بیٹیوں کو

بھی نصیب تو ہوتا ہے مگر پہنایا نہیں جاتا، چونکہ اس کے ہاں تعلیم اور عقل کی ذرا کمی ہوتی ہے، اس لئے وہ ہر قسم کا لاڈ پیار اسی کو سمجھتا ہے کہ بس لڑکی کو زیور پر زیور پہنائے چلا جائے، اسی مقدار اور انداز سے وہ ریشم، اطلس، کمخواب، اور سنجاب وسمور کی پوشاکیں پہناتا ہے گویا مہاجن زادی کیا ہوتی ہے گورنمنٹ کا چلتا پھرتا خزانہ اور توشک خانہ ہوتا ہے جس میں نہ زر و زیور کی کمی نہ ریشم و اطلس کے کپڑوں کا کال، مگر اس ابتدائے عمر سے انتہائے جوانی تک اُس کی باضابطہ تعلیم وتربیت کا کوئی قابلِ تعریف بندوبست نہیں ہوتا، بس "کھاؤ اور پہنو" پر عمل ہوتا ہے، اسی لئے اُس کے خیالات میں کوئی لائقِ تذکرہ تبدیلی نہیں ہوتی ہاں چند دن سے اسکولوں میں بھیجا جانا منظور کر لیا گیا ہے، ورنہ "گھریلو تعلیم" اور بس،،

اب اس کی دولت کی بربادی کا دوسرا زمانہ اس کی شادی سے شروع ہوتا ہے، شادی کیلئے خاندانی اور برادری کے سلسلے کا قائم رکھنا بہت زیادہ ضروری شرط ہے، یہ نہیں کہ سید ہو یا پٹھان مغل ہو یا شیخ، بس جہاں بی، اسے، پاس دیکھا اور لڑکی کو دے مارا، مگر خاندانی اور برادری سلسلے کی طرح لڑکے کے اندر اعلیٰ علمی قابلیت، یا آنریری مجسٹریٹی کی تلاش نہیں ہوتی، بس اتنا کافی ہے کہ یہ مہاجن زادی ہے تو وہ بھی مہاجن زادہ ہو، ادھر مہاجن زادہ بھی دولتمندی کے اعتبار سے کچھ کم نہیں ہوتا لہذا شادی منظور،

البتہ مہاجن کی شادی کے مکمل اُصول وضوابط سے بحث کرنا کارے دارد والا معاملہ ہے،

ہاں عام طور پر ان کے ہاں کی شادیاں اور یورپ کے بادشاہوں کی شادیوں میں بس اتنا فرق رہ جاتا ہے کہ بادشاہوں کی شادیوں میں دولت ذرا سلیقے سے برباد کی جاتی ہے اور

ان کے ہاں آنکھیں بند کر کے، پس جہاں اس کی شادی کا معاملہ طے ہوا کہ مہاجن کے دروازے پر یا اس کے باڑے میں یا اس کے احاطے میں یا اس کے چبوترہ پر نقار خانہ تیار ہو گیا، اب چاہے مہاجن صبح دس بجے تک سوتا رہے مگر نقار خانہ ہو گا کہ صبح چھ بجے سے شادیانوں کی آواز سے محلے والوں کی نیند تباہ کر دیگا، اور اسی زمانے میں اس کے دروازہ پر بھانڈ اور حجام بھی نظر آئیں گے، مہاجنوں کی تشریف آوری سے مکان میں جگہ نہ رہیگی، اس کی بارات کی شان کچھ شک نہیں کہ اپنی نظیر آپ ہوا کرتی ہے دنیا میں جتنی قسم کے باجے اب تک ایجاد ہوئے ہیں وہ سب اس کی بارات میں موجود ہوں گے، پھر اس کے شہر کی رنڈیوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی ہر ملکہ جان اور جانکی بائی الہ آباد والی بھی موجود ہوگی گھوڑے ہوں گے کہ عورتوں کا زیور پہنے اس بارات میں شریک نظر آئیں گے، ہاتھی ہوں گے کہ جھول رہے ہوں گے، غرض اس کے شہر میں اگر حضور ویسرائے بہادر بھی رہتے ہوں گے تو اُن کی سواری کا موٹر بھی اس کی بارات میں نظر آجائیگا، شہر کے ایسے تمام معززین بھی ہوں گے جو کبھی کبھی اس کے "زیر بار قرض" ہو چکے ہوں گے، ایک شاندار اور پھولوں سے آراستہ موٹر میں دولھا ہوگا، یا ایک زیور پہنے ہوئے گھوڑے پر یا ایک آراستہ بگھی میں، بہرحال دولھا کی سواری میں ٹٹو، خچر اور اونٹ نہ ہوگا باقی سب کچھ ہوگا، اس کی سواری کے پیچھے معزز مہاجن، معزز بیرسٹر، معزز مجسٹریٹ، اور معزز قرضدار ہوں گے، جو یا قطار اندر قطار بنے ہوئے نظر آئیں گے یا دولھا بھی سوار اور یہ بھی سوار، اس کی بارات میں روشنی تو کیا ہوتی ہے یوں کہئے کہ تمام دنیا کے "بجلی گھر" ساتھ چلتے ہیں یہی حال "باغ بہاری"

کی کثرت کا ہوتا ہے اور یہی حال "آتش بازی" کی کثرت کا، اسکے باراتیوں کے لباس اور
زیور کی شان کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دولہا اور باراتیوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ
ہر باراتی آج کے دن زر وجواہر کا زیور پہننے میں کمی نہیں کرتا، باراتیوں کے پیچھے سواریوں کی
سواریاں ہوتی ہیں جو چلّا چلّا کر جو جی چاہتا ہے گاتی جاتی ہیں اور جھانکتی بھی جاتی ہیں، بارات
کی حفاظت اور شان کی غرض سے پولیس کے ہیڈ صاحب بھی اکڑے ہوئے چلتے نظر آتے
ہیں، اور سپاہی بھی کنارے کنارے شہر کے غُنڈے بھی ہوتے ہیں اور دوسرے تماشائی بھی
اب جو بارات دُلہن کے گھر پہونچ گئی تو ایک دن سے لیکر چار دن تک بھی ٹھہر سکتی ہے اور پانچ
دن بھی، مگر ہر وقت رنڈی تھرکتی ہی رہیگی اور باجے بجتے رہیں گے، بارات کے قیام کے لئے
شاندار کوٹھی یا شاندار مکان ہوتا ہے، جو آرائش اور فرش کے لحاظ سے نہایت درجہ ممتاز ہوتا
ہے ورنہ پھر کوئی میدان بارونق خیموں اور شامیانوں سے آراستہ کیا جاتا ہے، دولہا سے
لیکر ہر باراتی کے لئے ضروریات اور تواضع کے جملہ اسباب فراہم ہوتے ہیں دُلہن کے والد
صاحب کی طرف سے جو دعوت دی جاتی ہے اُس میں کھانوں کی تعداد ایک سے لیکر پانچ اوپر
بتیس تک ہو سکتی ہے، پھر یہ بھی ضرور نہیں کہ صرف ایک دن بارات مہمان رہے اور دوسرے
دن رخصت بلکہ بعض کے ہاں ایک سے لیکر تین دن تک بھی بارات ٹھہر سکتی ہے، اس وقفہ میں
دولہا کے والد صاحب کی طرح دُلہن کے والد صاحب بھی اپنے خزانوں کے مُنھ کھول دیتے ہیں
اور وہ جو سود در سود اور تجارت سے قارون کے ایک اوپر چالیس خزانے جمع کئے گئے تھے
آج وہ بے دریغ لُٹائے جانے سے نہ دولہا میاں کے والد کو غم نہ دُلہن صاحبہ کے والد کو پروا،

یہی حال رنڈیوں کی میزبانی کا ہوتا ہے کہ جواب وہ دولہا کے ہاں آئی ہیں تو دن رات دولہا کے گھر بھی گا رہی ہیں اور دولہن کے گھر بھی، مگر جانے کا نام تک نہیں لیتی ہیں، اور مہاجن صاحب ہیں کہ اسی غرور میں پھولے پھرتے ہیں کہ ایک ہفتہ سے ملکہ جان اور جانکی بائی کا گانا تو ہو رہا ہے، اس بارات میں کو توال صاحب شہر بھی شریک ہوتے ہیں مگر اس طرح کہ کبھی اس شرکت کو خود کو توال صاحب اپنی عزت سمجھتے ہیں اور کبھی مہاجن صاحب اپنی توقیر، اس بارات میں بیرسٹر لوگ بہت بھاری سوٹ پہن کر شریک ہوتے ہیں محض اس لئے کہ مہاجن سے مقدمہ کی پیروی کر کے سود وصول کرنے والے صرف وکیل اور بیرسٹر ہی ہو سکتے ہیں ورنہ مہاجن بنا ہی اس لئے ہے کہ ساری دنیا سے سود وصول کرے اور موٹا ہوتا رہے، آج دولہا کے والد بھی اپنے بیٹے کی سسرال پر اپنی دولت مندی کے اظہار کے لئے بہت زیادہ اکڑتے ہیں اور بات بات پہ نوٹ اور گنّی، اور روپیہ سامنے پھینک دیتے ہیں، یہ لڑکی کے خسر ہو کر بھی اتنا بھڑک دار لباس اور زیور پہنتے ہیں، گویا وہ اس بارات میں لڑکی کے خسر بھی ہیں اور خود ہی اس بارات کے دولہا بھی،

ان کی بارات کی مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے مذہبی پیشوا بھی نہایت امیر قسم کا بلایا جاتا ہے اور معمولی حیثیت کے قاضی، مفتی، اور پنڈت کا ان کی بارات میں گزر نہیں ہوتا، رسوم کی بھی کوئی مقدار اور تعداد نہیں بس یوں سمجھو کہ "جو جی چاہے کر گزرو روپیہ کی کمی ہی نہیں"، یہی حال بارات میں شریک ہونے والی عورتوں اور لڑکوں کا ہوتا ہے چنانچہ آپ کو ایک عورت بھی ایسی نظر نہ آئیگی جو ڈھائی ہزار روپیہ نقد سے کم کی پوشاک پہنے ہو،

الغرض دولت کو پانی کی طرح بہا کر دولہن دولہا کے گھر آتی ہے اب کیا مجال جو وہ بڑھاپے تک بھی امور خانہ داری میں ہماری آپ کی دیسی بیویوں کی طرح حصہ لے، بس اس کا خلاصہ دولہا کے گھر یہ ہے کہ عمر بھر طوطے مینا، اور رنگ رنگ کے پرندے پالے اور عیش کرے اس کے ہاں ایک سے لیکر تین خادمہ اور دس ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں، دوسرا کام اس کے ذمہ یہ ہے کہ جتنا ہو سکے وہ زیور پہنے مگر دوسرے کو ایک پائی نہ دے اور جو ذرا کم دولت مند ہو تو دن بھر مونگ کے پاپڑ بنائے اور قسم قسم کے اچار اور چٹنیاں تیار کرے اس کے ولیمہ میں دُلہن کے والد کی طرح دولہا کے والد بھی تمام دنیا کے کھانے کھلا کر چھوڑتے ہیں جس میں اگر ممکن ہوتا ہے تو تمام شہر کو مدعو کیا جاتا ہے مگر جو کھانے کھلائے جاتے ہیں اُنھیں کھا کر صرف افسر اور دفتری ذوق کے لوگ ہی الحمدللہ کہہ سکتے ہیں اس لئے اُن کھانوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں،

(۱) پوری، (۲) کچوری، (۳) میتھی کا ساگ، (۴) پالک کا ساگ، (۵) چولائی کا ساگ، (۶) چقندر کا ساگ، (۷) شلجم کا ساگ (۸) مولی کا ساگ، (۹) اروی، (۱۰) بتھوا، (۱۱) بھنڈی، (۱۲) سرسوں، (۱۳) میتھی، (۱۴) خرفہ یا کلفہ، (۱۵) کچنال پھلی، (۱۶) لوکی، (۱۷) کرم کلا (۱۸) گانٹھ گوبھی، (۱۹) شکرقند، (۲۰) آلو، (۲۱) سنگھاڑا، (۲۲) بیگن، (۲۳) پرور، (۲۴) ترئی، (۲۵) کدو، (۲۶) کریلہ، (۲۷) سیم، (۲۸) گوبھی، (۲۹) مٹر پھلی، (۳۰) چنے کی دال، (۳۱) مونگ کی دال، (۳۲) اُرد کی دال، (۳۳) ارہر کی دال، (۳۴) مسور کی دال، (۳۵) ماش کی دال، (۳۶) بڑی، (۳۷) بڑے، (۳۸) منگوڑی، (۳۹) دال مونٹھ، (۴۰) دہی بڑے، (۴۱) پاپڑ، (۴۲) چھاچھ، (۴۳) دہی، (۴۴) کھیر، (۴۵) چاول، (۴۶) شلجم کا اچار (۴۷) آم کا اچار، (۴۸) لیموں کا اچار، (۴۹) لوکی کا اچار، (۵۰) چقندر کا اچار، (۵۱) جلیبی، (۵۲) برفی، (۵۳) قلاقند، (۵۴) پیڑا، (۵۵) بالوشاہی (۵۶) گلاب جامن، (۵۷) رس گلا، (۵۸) امرتی، (۵۹) حلوا، (۶۰) مال پوا،

اُن کھانوں کو بعض جگہ برتنوں میں اور اکثر جگہ درختوں کے بڑے بڑے پتوں پر رکھ کر کھاتے ہیں مگر اس طرح کہ لوٹا الگ الگ اور حصہ الگ الگ، کھاتے وقت شور و غوغا دہی جو شام کو سبزی منڈی میں ہوا کرتا ہے،

مہاجن کے ہاں دولت کی کثرت ہوتی ہے شاید اس لئے اولاد کا ہمیشہ کال رہتا ہے لہذا مہاجن کی بیوی یا عمر بھر مذکورہ بالا پرندوں سے دل بہلاتی ہے یا مُلّا رموزی کی قسم سے کسی غریب بچے کو فرضی بیٹا بنا کر تمام دولت اس کے نام عدالت سے ہبہ یا رجسٹری اور جو یہ کچھ بھی نہیں تو مہاجن کی طرح مولانا شوکت علی عرف موٹی ہو کر عمر بھر زیور پہنے کسی دروازے یا برآمدہ میں بیٹھی بھاجی ترکاری کاٹتی رہتی ہے یا پاپڑ اور اچار بنانے کے شغل میں مصروف و مبتلا نظر آتی ہے مگر مرتے وقت بھی زیور کو جسم سے دور نہیں کرتی، اس کی "زیور پوشی" سے اس کے پاؤں کے ٹخنوں سے اوپر سیاہ نشان بھی کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں، لباس میں ساری، لہنگا، اور کُرتی، ڈوپٹہ مگر موزے، بنیائین، سلیپر، جوتے، گھڑی، اور ہینڈ بیگ کا نام تک نہیں،

اور جو کہیں خدا نے ایک آدھ چاند سا بیٹا دیدیا تو پیدائش سے لیکر بڑھاپے تک اس بیٹے پر خود بھی قربان، اور پورا چوک بازار قربان، لڑکا ہی سہی مگر اسے بھی لڑکی کا تمام زیور شروع ہی سے پہناتی ہے، اس لاڈلے بیٹے میں ایک خاص بات یہ ضرور ہوتی ہے کہ اس کی آنکھوں سے لیکر پیشانی تک کا سُرمہ یا کاجل کبھی کم نہیں ہونے پاتا، ہزار ہا قسم کے تعویذ گنڈوں اور نادعلی قسم کی چیزوں سے لڑکے کا گلا مالا مال رہتا ہے، جسے مہاجن صاحب بڑے فخر سے کچھ دیر

دکان پر بھی بٹھاتے ہیں اور مارے محبت کے قابو میں نہیں رہتے،

اس کے ہاں اولاد کی تربیت اور تعلیم کا بس اتنا ہی ضابطہ رائج ہے کہ خوب زیور پہنو اور بڑے ہو تو کبھی کھاتہ لکھنا سیکھ لو اور سوتک کے پہاڑے، اور جوان ہو تو قرضداروں پر مقدمات دائر کرنا اور سود وصول کرنا یاد کرلو اور بس، کوئی قومی چندہ مانگے تو بھگا دو اور کوئی سائل آئے تو خشک جواب دیدو،

اس کی معاشرت میں تمام زور لباس اور زیور پر صرف ہوتا ہے، شوہر سے قابل تعریف محبت کم کرتی ہے، عام خدمت گزاری کا اس لئے موقع ہی نہیں ملتا کہ مہاجن صاحب تجارتی کاروبار سے فرصت ہی نہیں پاتے، رات کو آتے ہیں تو دن بھر کی تھکن سے یوں بیہوش ہو جاتے ہیں کہ صبح ہی بیدار ہوتے ہیں، اس قسم کی بیوی نہ تعلیم یافتہ ہوتی نہ ہنرمند، ادھر دولت کی کثرت سے آمدنی اور خرچ کی فکر سے دماغ بھی آزاد رہتا ہے نتیجہ یہ کہ دن رات زیور پہنے بیٹھی رہتی ہے اور موٹی ہوتی جاتی ہے، بلغم کی کثرت سے مزاج میں نہ تیزی نہ خشکی اب معتدل مزاج کہئے یا گوشت کا ایک ڈھیر،

دولت جمع کرنے کی عادی، اور خرچ کرنے کی دشمن، اسی لئے عمر بھر پاپڑ بناتی ہے اور کھاتی ہے، میاں بیوی میں اختلاف اور لڑائی اس لئے کم کہ دونوں ہیں کافی بلغم، فقط،

کنجڑے کی بیوی

اس غریب کی سیدھی سادی سی تعریف یہ ہے کہ جو شخص آپ کو سبزترکاری اور اُس کے ساتھ تازہ میوہ فروخت کرتا نظر آئے بس وہ کُنجڑا اور اُس کی عورت ذات کُنجڑی، اس پیشہ کو عام لوگ بہت کم اختیار کرتے ہیں مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہیڈ پولیس کانسٹبل پنشن پاکر سبزی فروشی اختیار کرلے، اسی لئے اس پیشہ کو کثرت کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ اختیار کیا جاتا ہے البتہ اسے شاذ و نادر کہتے ہیں کہ کوئی مُلّا رموزی صاحب قوم کے دولت مندوں کی زبانی تعریف اور عملی یا نقد ناقدردانی سے تنگ آکر سبزی فروشی اختیار فرمالیں،

الغرض کنجڑے کی بیوی "بازاری حیثیت،، سے نہایت ذی اثر اور بلند حیثیت کی بیوی قرار دی گئی ہے، اور یہ اس لئے کہ بس علی گڈھ کے فیشن زدہ لوگوں کو چھوڑ کر دیکھئے تو ڈپٹی کلکٹروں کی بیویاں تک اس کی محتاج نظر آتی ہیں اور بڑے شہروں میں شام کے وقت جب چاہو دیکھ لو کہ کسی انگریزا فسر کی بیوی ہوگی اور کسی کنجڑے کی بیوی، ایک خریدرہی ہوگی اور دوسری فروخت کر رہی ہوگی،

اس جماعت میں بھی کافی سے زیادہ جہالت موجود ملتی ہے البتہ کہیں کہیں ابتدائی مذہبی تعلیم

نظر آتی ہے سو وہ بھی فقط عاقبت کے عذاب سے بچنے کے لئے نہ تجارت کی ترقی کے لئے

بس اس سرتاسر جہالت کا نتیجہ یہ ہے کہ اس جماعت میں کافی سے زیادہ نقصان پہونچانے والی رسمیں موجود ملتی ہیں، ایسی ہی رسموں میں سے ایک رسم چھوٹی عمر کی شادی بھی ہے اگرچہ مسلمانوں کے ہاں چھوٹی عمر کی شادی ناجائز نہیں لیکن کنجڑوں میں ایسی شادی کچھ زیادہ ضروری نہیں پھر جب یہ ہوتی ہے تو ہوتی ہی رہتی ہے اور خدا جانے کب تک ہوتی چلی جائیگی، اسی لئے کنجڑے کی دکان پر بعض اوقات ننھی سی بیوی صاحبہ بیٹھی نظر آتی ہیں،

بعض شہروں میں کنجڑے کی دکان پر صرف سبز ترکاریاں ہی فروخت ہوتی ہیں اور بعض کے ہاں ترکاریوں کے ساتھ ہی تازہ میوہ بھی، اس کی دکان بھی وسط شہر میں ہوتی ہے، بعض درجہ سوم کے کنجڑے اور ان کے نیلام کے قابل بیوی صاحبہ ایک ٹوکری میں ترکاریاں لیکر گلی گلی اور کوچہ کوچہ چلا چلا کر بھی فروخت کرتے رہتے ہیں جن سے ہمیں کوئی بحث نہیں،

پس جہالت کی عام رسم کے موافق اکثر کنجڑوں کے ہاں ادھر نئی دُلہن بیاہ کرلائے اور اُدھر اُسی ہفتہ اُسے دکان پر رکھ دیا گیا،، اب جس کا جی چاہے اُسے نئی اور شرمیلی دُلہن سمجھے اور جو چاہے اسے سبزی کی ایک ٹوکری سمجھے کیونکہ ابتدائی دنوں میں گاہک سے ذرا کم بات کرتی ہے مگر عام لوگوں سے ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گفتگو کرنے کی عادت پیدا کرنے کے لئے اس کی ساس دکان کے اندر موجود رہتی ہے جو گاہک سے گفتگو کے طریقے سکھاتی رہتی ہے اور یہ خود بھی مجبوراً اور رسماً سیکھتی رہتی ہے، کہیں کہیں اسے دُلہن کے پورے لباس اور پورے زیور کے ساتھ دُکان پر بٹھا دیا جاتا ہے، اور اسی لئے ابتدا میں اس کا گھونگھٹ ہر وقت

سبزی کی ٹوکری تک لمبا نظر آتا ہے مگر وہ رواج کی جہالت کے باعث چند دن بعد ہی تنی تیز اور بے باک ہو جاتی ہے کہ پھر ملا رموزی ایسے دس بیرسٹر اور وکیلوں کے ہاتھ نہیں آتی" چونکہ اس کا دکان پر بٹھلایا جانا کنجڑا برادری کی رسم کے موافق ہوتا ہے اسی لئے دولھا میاں اسے اپنی بے غیرتی اور بے شرمی تصور نہیں فرماتے اور نہ اس بات پر لڑکی والوں کو تاؤ آتا، نتیجہ یہ کہ اس کے مزاج میں شوخ چشمی، گستاخی، ہزل گوئی، بدتمیزی اور "آزادی" کی ہر عادت پیدا ہو کر خاصی مضبوط ہو جاتی ہے اور سودا خریدتے وقت مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اشرافِ شہر،

اگرچہ اس کے شوہر صاحب بھی دوکان پر موجود رہتے ہیں مگر اس طرح کہ یا تو سبزی کی ٹوکریوں کو آراستہ کرتے پھرتے ہیں یا اندر بیٹھے روٹی کھایا کرتے ہیں، گویا شوہر کیا ہوتے ہیں اپنی بیوی کے "انچارج افیسر" ہوتے ہیں یعنی جب کنجڑی کسی کام کے لئے دکان سے اُٹھے تو یہ بیٹھ جائیں ورنہ عموماً دوپہر کے وقت شوہر صاحب اور صبح و شام بیوی صاحب،

اس زمانہ میں اس کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ کبھی ہلکا نہیں ہونے پاتا، اس کے جس قسم کے زیور کو حسن اور آرائش کا لاجواب نمونہ سمجھا جاتا ہے وہ نہایت درجہ بھونڈا ہوتا ہے اس کے زیور کا زیادہ زور اس کے چہرے پر صرف ہوتا ہے مثلاً اس کے کان اس کی ناک اور اس کا سر تک عجیب عجیب قسم کے زیور سے آراستہ تو کیا ہاں لدا ہوا نظر آتا ہے، باقی تمام زیور چاندی کا ہوتا ہے اور ساخت میں لوہے کا زیور معلوم ہوتا ہے یعنی نہایت بھونڈا اور موٹا مگر یہ اُسے بھی اس نخرے اور گھمنڈ کے ساتھ پہنکر بیٹھتی ہے گویا جو زیور اس کے پاس ہے

وہ نہ مُلّا رموزی صاحب کی بیوی کے پاس ہے نہ کسی رئیس کی بیوی کے پاس، اسی لیے وہ دکان پر فرصت کے وقت اپنے زیور کو خواہ مخواہ بھی اُلجھا کر یوں سُلجھاتی رہتی ہے، گویا وہ زیور کی کثرت سے بہت زیادہ عاجز اور تنگ ہے، اس کا لباس کبھی قیمتی نہیں ہوتا مگر رنگ اور بھڑک کے حساب سے وہ نصف میل سے نظر آنے والا ہوتا ہے اس ٹھاٹھ سے جب وہ دکان پر بیٹھتی ہے تو اُسے ہفت اقلیم فتح کر لینے کا اطمینا ہو جاتا ہے، اور اسی لئے اب اُس کی گفتگو کے ہر فقرے میں خاصا غرور اور گھمنڈ موجود ملتا ہے، اگرچہ یہ صورت شکل کی نہایت بھونڈی کالی، اور سانولی سے تو کبھی اونچی ہوتی ہی نہیں، مگر لباس کی بھڑک سے وہ خود کو اندر سبھا کی پری تصور کرتی ہے، ادھر اس کی دُکان پر جانے والے خود بھی بلند ذہنیت اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ نہیں ہوتے لہذا اس کا اتنا ہی بناؤ سنگھار کافی سمجھا جاتا ہے، شاید ہی کوئی گاہک ہوگا جو اُس کے پاس سے پندرہ منٹ سے پہلے اُٹھ آنے کو گوارا کرتا ہو اور تو اور وہ بڑے مولوی صاحب کی عمر کے گاہک بھی اس کی خرافات اور ہفوات سُنے بغیر سودے سے فارغ نہیں ہو سکتے، بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ جہاں اس سے آپ نے ترکاری کا نرخ دریافت کیا اور اس نے مُنہ چڑھا کر کوئی آڑا ترچھا جواب رسید کیا جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اُس کی دُکان سے چلے جانے کے عوض تاؤ کھا کر اس سے اُلجھ پڑیں گے بس جہاں آپ نے اسے کوئی جواب دیا کہ اُس نے پھر ایک ایسا فقرہ چُست کیا کہ آپ اب کھڑے رہنے کے عوض تاؤ کھا کر بیٹھ گئے، اور لگے حجّت فرمانے بس اب جب آپ کے تاؤ کا پارہ بڑھنے پر آیا کہ اب یہاں سے آپ کو اس کا شوہر یا وہ اندر بیٹھی ہوئی ساس سنبھال لیگی

اور فوراً کہیگی چلو جانے بھی دو میاں،

اُس کا کیا وہ تو ہے لونڈیا، دیکھتے نہیں ہو آپ کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے،

اور وہ آپ کو پہچانتی بھی تو نہیں ہے،

ہاں ہاں سچ کہتے ہو میاں ہے نا آخر کار لونڈیا، چلیئے جانے دیجئے،

لائیے میں میں دیدیتی ہوں آپ کو،

کیا لو گے میتھی کی بھاجی،

ہاں ہاں دو پیسہ سیوں کے حساب سے لیلو،

آپ ہی کی دکان ہے،

اچھا اچھا تو یوں ہی لے جائیے،

آخر برسوں کے لینے والے ہو،

ایک تم سے نفع نہ لیا تو کیا بھوکے مرجائیں گے،

ارے میاں کہا نا کہ وہ تو ہے لڑکی ابھی، ادھر وہ آپ کو پہچانتی بھی نہیں،

ہاں ہاں بے شک میں سُن رہی تھی اندر سے،

وہ تو میں نے آپ کی آواز سُنی تب پہچانی آپ کو،

خیر تو بولو تین سیر دوں یا چار سیر،

بس جہاں ساس نے آپ سے اتنی مہربانی کا اظہار کیا کہ آپ نے دُلہن کنجڑی کی تمام بیہودگی دل سے بُھلا کر فوراً ساس کے سامنے پیسے پھینک دیے اور ترکاری لیکر گھر

یوں واپس آ گئے کہ کل پھر اُسی دُکان پر موجود نظر آنے لگے، اب آج ایُس سے نہایت درجہ لُطف اور مہربانی سے پیش آئیگی اور اس درمیان میں اگر کہیں تبسّم سے کام لیا تو آپ کھڑے سے بیٹھ جائیں گے،

اس کی دُکان پر مولوی مزاج حضرات جاتے ہیں تو اس طرح گویا وہ اپنی اولاد سے ترکاری خرید رہے ہیں یعنی ترکاری تو خرید فرمائیں گے بہو سے اور گفتگو جاری رہیگی وہ اندر والی ساس سے،

تو اچھا یہ تمہاری بہو ہیں،

ماشاء اللہ، خدا عمر دے،

ہاں تو یوں کہو کہ تمہارے چھوٹے بچّے کی دلہن ہے،

ہاں ہاں وہی پیر بخش،

چلو الحمد للہ، جیسا ماشاء اللہ وہ نیک بچہ ہے ویسا ہی خدا نے جوڑ ملایا، خدا برکت دے،

اچھا اب سمجھا میں تو یوں کیوں نہیں کہتی ہو کہ نبی بخش کی صاحبزادی ہیں یہ،

ارےبھئی نبی بخش تو بڑا ہی اللہ والا تھا، خدا بخشے اُس کو وہ تو بے چارہ میرے وعظ میں آیا کرتا تھا کبھی ناغہ نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ تو خود اُس نے اپنے گھر پر میرا وعظ کرایا تھا، بڑا ہی جنتی آدمی تھا، تو اب اُس کے کئے بچّے اور ہیں یعنی ایک تو یہ تمہاری بہو اور؟

ساس :۔ بس مولوی صاحب یہی ایک لڑکی تھی،

مولوی صاحب:۔ خیر خدا اسی کو اُس کی یادگار رکھے،

ساس ۔ اسے مولوی صاحب وہ خوب یاد آئی مگر خیر اب تو موقع نہیں مگر ہاں کسی دن آپ ہی کے گھر پر آ کر کہوں گی،

مولوی صاحب ۔ (بے چین ہو کر) تو کہو کہو آخر کیا بات ہے؟

ساس ۔ (بہو کی طرف اشارہ کر کے) کہوں کیا کچھ بھی نہیں کوئی بڑی بات نہیں ہے آپ کے نزدیک اسی آپ کی بیٹی کے لئے ایک تعویذ لینا ہے آپ سے،

مولوی صاحب ۔ (خوش ہو کر) اچھا اچھا اب سمجھا میں، تو کہو تو کل لیتا آؤں تعویذ؟ وہ تو جیسے تمہاری بہو کا کام ویسا میری اولاد کا کام انشاء اللہ خدا مراد پوری کریگا تمہاری، وہ دیکھو نا وہ تمہاری ہی برادری کے وہ کیا نام اُس کا لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اس وقت بھول رہا ہوں خیر تو اُسے بھی تو میں نے ہی تعویذ دیا تھا،

ہاں ہاں تو تمہارا گھر ہے میں تو صبح کی نماز پڑھ کر ذرا سو جاتا ہوں کیونکہ پچھلی رات کو بھی تم جانتی ہو کہ مجھے بہت زیادہ پڑھنا ہوتا ہے خیر تم تو کوئی سوا دس بجے کے قریب آجانا بس ایک دو آنے کی زعفران لے آنا،

اولاد پیدا ہونے سے پہلے اس بیوی کو مولویوں، پیروں، صوفیوں، فقیروں، اور قبروں کے آس پاس خوب گھمایا جاتا ہے مگر اس کے ہاں اولاد پیدا ہونا بازار اور گاہک کے حق میں ایسا ہی مصیبت ناک ہے جیسا کہ گورمنٹ کے لئے یہ سوراج مانگنے والے یا دولت کے حق میں یہ بازاروں میں بھیک مانگنے والے گداگر،

اب اگر کرنا خدا کا یوں واقع ہو گیا کہ اس کے ہاں ایک آدھ کالا سا بیٹا پیدا ہو گیا تو

سمجھ لیجے کہ اب دُکان پر اس کے نخرے اور غرور کی کوئی حد نہیں، مزاج میں بھی اب وہ آزادی اور تلخی ہوگی کہ وہ پنجاب میں گولہ باری کرنے والے جنرل ڈائر کا غصّہ ایک طرف اور یہ کوتوالی میں ملزموں کو اوندھا لٹکا کر مارنے والے کوتوالوں کا تاؤ ایک طرف، سب سے بڑی مصیبت یہ ہوگی کہ اب دوکان پر اُس کا بیٹا دن میں ایک مرتبہ بھی اس کی گود سے علحدہ نظر نہ آئیگا، اور گود میں بھی کس طرح کہ لحہ دودھ سے چمٹا ہوا، یا جھوما ہوا، یا لپٹا ہوا، یا لٹکا ہوا پھر اس بیٹے سے اِن نئی والدہ صاحبہ کا عشق وہ کہ فرہاد بھی اپنے عشق سے شرمندہ اور مجنوں بھی نادم،

ابھی لونڈا سوا مہینے کا ہوا ہے کہ اُس کے گلے میں دنیا کے ایک ایک مولوی ایک ایک صوفی ولی اور ایک ایک قطب صاحب کا تعویذ موجود ملیگا، پھر یہ اس حد سے سوا بھونڈے بیٹے کو زیور، لباس اور کاجل سے یوں آراستہ رکھیگی کہ جب دیکھئے دکان پر بیٹھی اُسے سنوار رہی ہے، پر لطف بات ہے کہ گاہک کو ترکاری بھی دیتی جائیگی اور بیٹے کو دودھ بھی پلاتی جائیگی، اس بیٹے کو وہ کھانسی ہو جانے پر بھی حکیم صاحب اور پیر صاحب کے ہاں لیجاتی ہے اور زکام ہو جانے پر بھی، اس کے ہاں اولاد کی تقاریب اور نذر و نیاز کا کوئی اندازہ مقرر نہیں کیا جا سکتا بس یوں سمجھئے کہ وہ بغیر نذر و نیاز اور بدعات کے زندہ نہیں رہ سکتی، مگر اولاد پر اس حد سے سوا محبت کے باوجود بھی وہ اتنی دولت صرف نہیں کرتی کہ صاحبزادے صاحب تھیٹر بھی جا سکیں اور سینما بھی، یہی حال بیٹے کی معاشرتی زندگی کا ہوتا ہے کہ نہ وہ ہیٹ پہن سکتا، نہ انگریزی ٹوپی، تعلیم اور تہذیب کے نام اللہ کا نام، اور بائیسکل اور ہاتھ کی گھڑی کے لئے

والد صاحب کا طمانچہ اور لاڈلے بیٹے صاحب کا منہ، بس روٹی کھاؤ اور کنجڑے بنے ہوئے دکان پر بیٹھے رہو، اسی لئے کنجڑوں کی اولاد ابتدا ہی سے جفاکش محنتی اور مستعد نظر آتی ہے اور آخر عمر میں دولت مند،

الغرض پہلا بیٹا ہونے پر اب اُس کی مزاجی آزادی اور زبانی تلخی سب سے پہلے پاس والی دکان کے لئے عذاب بن جائیگی چنانچہ اس کی پہلی لڑائی پاس والی دکان والی یا دکان والے سے ہوتی ہے اور وہ بھی اتنی سی بات پر کہ اُس دکاندار نے ترکاری کی ایک ٹوکری اس کی ٹوکری کے قریب رکھ کر قبضہ مخالفانہ کیوں کرلیا؛ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ یہ اتنی بات پر بازار میں اس زور شور سے لڑتی ہے کہ ایک مرتبہ مہذب سے مہذب راہ گیر کو بھی اس ہنگامہ پر متوجہ ہونا پڑتا ہے، اس کی زبانی لڑائی کی رفتار پنجاب میل کی رفتار سے کسی طرح کم نہیں ہوتی وہ لڑائی کے وقت اپنی زبان سے جتنا کام لیتی ہے مثلاً وہ زبان سے فحش تر الفاظ ادا کرتے وقت ہاتھوں کو بھی اتنا مٹکاتی ہے کہ گالی کی ہلکی سی تصویر نظر کے سامنے آجاتی ہے اور سمجھنے میں تو ادنیٰ سی دشواری بھی نہیں ہوتی ادھر اس نے گالی کا پہلا حرف شروع کیا اُدھر آپ پوری گالی کو سمجھ گئے کیونکہ اس کی گالی حد سے سوا صاف اور تہذیب کے تمام قاعدوں سے بری ہوتی ہے، اس کی لڑائی میں بعض اوقات ایک سے لیکر چار چار دکانیں شریک ہو جاتی ہیں، کبھی کبھی یہ لڑنے والی کے سامنے تھرکنے بھی لگتی ہے اس کی پاس والی کنجڑیاں اپنی اپنی دکانوں پر بیٹھی اس کی ہاں میں ہاں ملایا کرتی ہیں مگر مرنے اور مارنے کی حد سے یہ خود بھی دور رہتی ہے اور اس کی طرفدار بھی دور، اس کی لڑائی کا

زور صرف اتنی دیر کے لئے دھیما پڑ جاتا ہے کہ عین لڑائی میں کوئی گاہک آجائے کیونکہ یہ انتہائی غصّہ کے عالم میں بھی ترکاری فروخت کرنے سے باز نہیں رہتی لیکن جہاں گاہک سودا لیکر روانہ ہوا کہ اس کی بکواس پھر شباب پر آگئی، کبھی کبھی یہ بے خبر گاہک کو بھی لڑائی کی تفصیل سناتی جاتی ہے اس عرصہ میں اندر بیٹھی ہوئی ساس صاحبہ کبھی کبھی اتنا ارشاد فرما دیتی ہیں کہ

چل چل سودا دے میاں کو دیکھ وہ کب سے کھڑے ہیں اور کہیں کہیں ساس بھی اس لڑائی میں حصہ لیتی ہے مگر اس طرح کہ کہ اپنی دکان کی اندرونی حد سے باہر نہیں آتی، اس بیوی کا بڑا پا تمام بازار کے لئے مصیبت ہوتا ہے اب یہ گاہک کی دوست نہ اپنے بیٹے اور بہو کی دوست بلکہ جو اس کے مقابل آیا اُسے سُنائے بغیر نہیں رہتی اچھے اچھے گاہک بڑی کُنجڑی کی دکان پر جانے سے گھبراتے ہیں کیونکہ اس کی بکواس جتنی غیر مہذب اور بے ضابطہ ہوتی ہے اُتنی ہی کوتوالی کے قانون سے بھی آزاد، پھر اس کی لڑائی کا بھی کوئی ضابطہ نہیں بلکہ جہاں سے چاہتی ہے لڑائی شروع کر دیتی ہے مثلاً آپ اسے پیسہ دیکر کہئیے کہ ذرا نرم اور ہری ہری بھاجی دینا تو بجائے جواب دینے کے آپ کے اوپر آپ کا دیا ہوا پیسا پھینک دیگی اور بعد میں کہیگی کہ "ایسی نرم ترکاری کسی اور دُکان سے لیلو میرے ہاں نہیں ہے" مگر اسی کے ساتھ جب وہ انسانیت کے پاجامے میں ہوتی ہے" تو پھر گاہک کو اپنی ترکاری کا عاشقِ زار بنانے کے لئے بھی عجیب عجیب جملے اور فقرے استعمال کرتی ہے ہر ترکاری کی تعریف کے لئے اس کے جملے بھی خاص ہوا کرتے ہیں مثلاً لکھنوئیر کھیرے کی نفاست بیان کرنے کے لئے یہ جملہ بہت

مشہور ہے کہ لیلے کی انگلیاں ہیں اور مجنوں کی پسلیاں ہیں"، اسی طرح وہ گاہک کو دوسری دکان پر جانے سے روکنے کے لئے بھی چند جملے استعمال کرتی ہے اور بے وجہ بھی آپ کے گزرنے پر کہتی کہ میاں آج فلاں ترکاری لیتے جائیے آپ تو عرصہ سے کچھ خریدتے ہی نہیں، تو آخر آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں، خیر آپ لیں یا نہ لیں مگر دیکھتے تو جائیے،

اس کے لباس میں لہنگا اور پشواز خاص چیزیں ہوتی ہیں وہ اُس وقت تک استعمال کرتی ہے جب تک کہ اُس کے ریزے ہوا میں اُڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور زیور سے تو کسی عمر میں بھی نہیں چوکتی،

پاکدامن، شوہر کی خدمت گزار، بے حد کم ہمت اور بدعات و رسوم کی حد سے سوا پابند، دولت جمع کرنے میں طاق اور کم خرچ کرنے میں محراب، بچوں کی تعلیم و تربیت سے اس لئے بے خبر کہ خود بھی علم و تربیت سے بے خبر اور شوہر بھی جاہل، مکان کو آراستہ اور ستھرا رکھنا نہ والد کے گھر سیکھا نہ شوہر کے ہاں ضرورت، نہایت گندہ اور تاریک گھر مگر کھانے پکانے کے کاموں میں مستعد، اس کے ہاں "نہ بہشتی سقہ" ملازم نہ دھوبی کی سخت ضرورت، وہ خود ہی اپنے گھر کے لئے پانی لاتی ہے اور اکثر اوقات خود ہی کپڑے دھوتی ہے گھر میں بھی لڑاکا اور شوہر صاحب سے اُلجھنے کو تیار مگر نہ اتنی کہ طلاق اور مقدمہ تک معاملہ پہونچے،

زیور کے حق میں بے حد حریص اور ایک سے لیکر پندرہ سیر وزن کا زیور استعمال کرنے کے لئے ہر وقت تیار، بڑھاپے کے باعث مزاج میں تلخی وفات سے قریب

ہونے پر اور زیادہ ہو جاتی ہے، اس قسم کی بوڑھی کُنجڑی کو خدا دکان پر بیٹھا ہوا نہ دکھائے کیونکہ اب اُس کا حلیہ اس درجہ ناگوار ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ، یوں سمجھئے گویا اُس کے گوشت پوست کو جسم سے نکال کر اُس کی ہڈیوں تک کو شکنجہ میں کس کر اس کی دوکان پر خواہ مخواہ بٹھا دیا ہے اب اس کی صورت اور لباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تمام دنیا کا غصہ اور خشکی سمٹ کر کُنجڑی بن گئی ہے، یہ دکان پر جس انداز سے بیٹھتی ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس پورے بازار سے بیزار بیٹھی ہے، اس عمر کی کُنجڑی کے شوہر صاحب بھی اب دُکان پر حقّہ بنے بیٹھے رہتے ہیں، گویا وہ اب دُھواں ہی دھواں ہیں اور چند منٹ کے مہمان، بڑی جرأت کر کے اگر اُٹھتے بھی ہیں تو دکان کی ایک ٹوکری سے دوسری ٹوکری تک آتے ہوئے تین چار مرتبہ کھانسی کا فرض بھی ادا کرتے ہیں اور سجدہ کرنے کا بھی، کبھی کسی ترکاری کو سنبھالنے کی ہمّت بھی کرتے ہیں تو اس طرح کہ وہ سبزی ترکاری کو نہیں بلکہ ترکاری خود اُنھیں سنبھال رہی ہے مگر اس درجہ ضعیف کُنجڑے کی بیوی اتنی سُست اور کاہل نہیں ہوتی بعض ماہرین اور محققین کا خیال ہے کہ کُنجڑی اس عمر میں افیون سے بھی کام لیتی ہے، مگر مُلّا رموزی کا تجربہ یہ ہے کہ افیون خور کی گفتگو میں وہ زور باقی نہیں رہتا جو اس مرنے پر آمادہ کُنجڑی کی زبان میں پایا جاتا ہے، امان کمال ہی ہے کہ جتنی زیادہ عمر کی کُنجڑی کی دُکان پر جائیے اُتنی ہی تیز و تُند گالیاں سُنکر آئیے، تو یہ تاثیر افیون کی کہاں جبکہ افیون والوں کو ایک آزاد اور کشادہ سی انگڑائی لینا بھی محال اور آپ کو نظر بھر کر دیکھ لینا بھی مشکل محسوس ہوتا ہے اگر یقین نہ ہو تو افیون کی نصف تولہ خوراک مقرر کر کے دیکھ لیجے، فقط،

تمبولی کی بیوی

تمبولی ۹۹ فیصدی آبادی کی جان ہے، یہ پان سگریٹ، بیڑی، اور تمباکو فروخت کرتا ہے جو ہندوستانیوں کی تفریحی غذائیں مانی گئی ہیں اور ان کے بغیر ہندوستانی نہ دین کا رہتا نہ دنیا کا بس غنودگی اور چلّا چلّا کر جمائیاں لینے کے قابل رہ جاتا ہے، پھر پان چھالیا، حقّہ، اور سگریٹ، بیڑی پینے والوں کی بھی اقسام اور نسلیں ہوتی ہیں یعنی ایک وہ ہوتا ہے جو ان میں سے ایک چیز کو اس کثرت اور زیادتی سے استعمال کرتا ہے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے مثلاً پنجاب و سرحد کا آدمی اس کثرت سے حقّہ پیتا ہے کہ دیکھنے والے کہ یہ آدمی حقّہ نہیں پی رہا ہے بلکہ حقہ اس آدمی کو پی رہا ہے، یہی حال بیڑی پینے والوں کا ہوتا ہے، سگریٹ کا خرچ اس لئے کم ہوتا ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور ۹۹ فیصدی ہندوستانی مفلس ہوتے ہیں، یہی حال گٹکا کھانے والوں کا ہے چنانچہ بعض لوگ اس کثرت سے گٹکا کھاتے ہیں کہ دیکھنے والا سمجھے کہ ان کے منہ پر کسی ظالم نے اس زور سے جوتا مارا ہے کہ منہ سے خون کی دھاریں نکل کر ان کے کپڑوں کو داغدار بنا گئی ہیں مگر اس بے چارے نے کوتوالی میں رپٹ تک نہ لکھائی ویسے ہی خون آلودہ کپڑے پہنے پھرتا ہے،

ہندوستان کی "تاریخ تمدن" سے بھی آگے جائیے تو ان چیزوں کے وجود کے ذمہ دار یعنی پان

گنگے، اور حقّے کے موجدین شاہانِ مغلیہ ہی ملتے ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ "آوردۂ شاہی" تھا اس لئے ہندوستانیوں نے اپنی غلام فطرت اور مرعوب طبیعت کے ہاتھوں خوب ہی نوازا، پروان چڑھایا اور لطف یہ کہ شاہانِ سابق سے جو حقہ اور گنگا عطا ہوا تھا ابھی اُس کی غنودگی دور بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انگریز بھائیوں نے سگریٹ کا تحفہ بھی عطا فرمادیا، نتیجہ یہ کہ صوبجات متحدہ کے باشندے تو ان چیزوں کی سنبھال اور ترقی میں اپنے دماغ اور دولت کی بہترین قوتیں لیکر مصروف ہوگئے اور انگریز بھائی ہوائی جہاز، ریل، اور توپ خانے بنانے کے لئے پھر یورپ واپس چلے گئے چنانچہ خود مُلّا رموزی نے ۱۹۱۷ء میں اپنی تعلیم کے سلسلے سے کانپور میں رہ کر دیکھا ہے کہ پان کی ایک چھوٹی سی گاڑی بازار میں پھرائی جاتی تھی جس پر ایک تختہ لگا تھا اور اس پر پان کی اقسام اور قیمت لکھی رہتی تھی چنانچہ سب سے اول درجہ کے ایک پان کی قیمت خالص علہ روپیہ تھے، کچھ شک نہیں کہ پان کی ترقی میں لکھنوی باشندوں نے جو دولت صرف کی ہے وہ کسی دوسرے صوبے کے باشندوں نے نہیں کی اور اسی لئے آج جس قیمت اور جس شان کا پان لکھنو والے کھاتے ہیں اُسے "بادشاہ لوگ" ہی کھا سکتے ہیں، اب آپ کہیں گے کہ پان تو بہرحال ایک درخت کے سبز پتے ہی کو کہتے ہیں پھر لکھنؤ والوں نے اس میں کونسا سرخاب کا پر لگادیا ہے جو اس کی قیمت اور شان اس درجہ اونچی بتائی جاتی ہے اس لئے صرف ایک پان کی صورت بتاتے ہیں، یعنی درخت کے اس سبز پتے کے ساتھ جو چیزیں کھائی جاتی ہیں اُس کا مجوزہ نسخہ یہ ہے

پان، الائچی، زعفران، چھالیا، قوام عنبری، بادام کا مغز، کوکین، کتھا، چونا، ورق نقرہ یا طلائی،

ایک عدد، ایک عدد، نصف رتی، ایک ماشہ، ایک رتی، ۱/۴ ماشہ، بقدر عادت نصف حصہ، نصف حصہ، نصف

زردہ مدبّر یا معطّر، لونگ، معطّر گولی، یہ اور ان سے بھی زیادہ چیزوں کا مجموعہ کہیں ایک پان
ایک ماشہ ایک عدد، ایک عدد،
کہیں ایک گلوری، اور کہیں ایک بیڑا کہا جاتا ہے، اور انہیں چیزوں کا اہتمام جتنا زیادہ کیا جاتا
ہے اتنی ہی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور اسی کے فروخت کرنے والے کو تمبولی کہا جاتا ہے،
لیکن آبادی سے تعلقات کا یہ عالم ہے کہ

درویش و غنی بندۂ تمبولی اند،

جس شہر میں تمبولی نہ ہو اُس شہر کی آبادی کا جینا بھی مشکل اور مرنا بھی حرام، اور اسی لئے تمبولی
کی بین الجماعتی حیثیت نہایت ضروری اور قیمتی ہے،

تمبولی کسی قوم یا نسل کو نہیں کہتے بلکہ یہ "پان" کی تجارت سے پیدا ہوتا ہے اب خواہ قوم کا برہمن
یا شیخ، البتہ اس تجارت سے تعلق رکھنے والوں کی مجموعی تعداد کو ایک برادری یا ایک قوم سمجھا جاتا ہے
تمبولی کی حیثیت کو بلند بنانے والی بیگماتِ شاہی گزری ہیں جنہوں نے شاہانہ مقدرت کے
کے باعث پان کو قیمتی اور پرکیف بنانے میں بہت زیادہ حصّہ لیا، اُس وقت تمبولی کی بیوی
بھی اس لئے قابل توجّہ بن گئی تھی کہ وہ پان پہونچانے کبھی کبھی محلاتِ شاہی تک پہونچتی تھی،
پان کو قابلِ ذکر بنانے والی دوسری جماعت شعرائے ہند کی ہے جنہوں نے پان کو "محبوب"
کے حُسن کا جزوِ اعظم قرار دیکر اس کی ثنا و صفت میں اپنی بہترین دماغی قوتیں صرف فرمائیں،
چنانچہ بے شمار اشعار پان کی تعریف میں اُردو میں موجود ملتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں،

مسی مالیدہ لب پر رنگ پان ہے
تماشہ ہے تہِ آتش دھواں ہے، (ناسخ)

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتے ہیں،
شعر جا جا کے اُنھیں روز سُنا آتے ہیں،

(اکبر الہ آبادی)

یاد اتنی تمھیں دلاتے جائیں،
پان کل کے لئے لگاتے جائیں،

(زہر عشق)

تمبولی کی بیوی کو قابلِ ذکر سمجھ کر اُردو کے نامور مصنّفین نے بھی اس پر طبع آزمائی فرمائی ہے چنانچہ مشہور مصنّف پنڈت رتن سرشار نے اپنی مقبول عام کتاب "فسانہ آزاد" میں اس بیوی کا تذکرہ متعدد اور مختلف مواقع پر کیا ہے، اس کا تذکرہ اُردو کے بے شمار ناولوں میں بھی موجود ملتا ہے، گویا ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمبولی کی بیوی نہایت درجہ عالمگیر نہایت درجہ شاعرانہ اور نہایت درجہ ادبی اثرات کی مالک ہے،

موجودہ زمانے میں بھی اس کے کاروبار نے خاصی ترقی کی ہے اور اب اس کی دکان پر پان کے ساتھ بیڑی، سیگریٹ، اور کہیں کہیں چند اور چیزیں بھی ملتی ہیں، بمبئی، کلکتے، کانپور، لکھنؤ دہلی، لاہور اور ناگپور میں اس کی دکانیں نہایت شاندار اور قسم اول کی موجود ہیں، اس کی دکان کی عام آرائش کی چیزوں میں بڑے بڑے آئینے نہایت ضروری چیز ہیں، ان کے بعد نہایت بے معنی اور بے جوڑ تصاویر کا ہونا بھی ضروری ہے، دکان کے پاس، سامنے، یا ایک طرف لمبی میز، کرسی، یا بیٹھنے کے لئے پتھر کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو ایک ٹمٹمی سی گھڑی بھی ہے، پھر

تو اس کی دکان کا جواب ہی نہیں ہو سکتا،

تمبولی کی بیوی یکسر جاہل ہوتی ہے اس لئے کہ شوہر بھی "خاندانی جاہل" ہوا کرتا ہے، بہت زیادہ لکھا پڑھا تو بس اتنا کہ آڑے ترچھے حروف سے دکان کا حساب لکھ لیا، یا کبھی کبھی دکان پر بیٹھے بیٹھے "رامائن، قصہ حاتم طائی، گل بکاؤلی" ایسی کتابیں چلا چلا کر او رہل ہل کر پڑھنے لگے ان کے ہاں بھی شادی کے لئے عمر کی قید نہیں، اس لئے جب چاہا شادی ہو گئی اور جتنی عمر کی دلہن ملی لے آئے، شادی معمولی قسم کی ہوتی ہے، کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں، البتہ شادی کے بعد سے اس بیوی کو کارآمد بنایا جاتا ہے یعنی وہ کسی عمر اور کسی قسم کی ہو مگر شوہر کے گھر آتے ہی اب اُسے شوہر کی دکان پر بیٹھنا ہوگا اور شوہر صاحب بیوی بن کر یا دکان کے اندر سوتے رہیں گے یا گھر میں، اس لحاظ سے کچھ شک نہیں کہ اس بیوی کا شوہر نہایت درجہ بے غیرت اور بے حیا ہوتا ہے اور وہ اپنی نئی نویلی بیوی کو بازار میں بٹھا کر اُس کی طرف متوجہ ہونے والے لوگوں کو اپنی دکان کا گاہک بناتا ہے، اس بے حیائی کا لازمہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی بھی معلوم کر لیتی ہے کہ دکان پر مجھے بٹھانے کا منشا ہی یہ ہے کہ میری وجہ سے خریدار زیادہ آئیں اس لئے اس کے اندر بھی قدرۃً بے حیائی کا جذبہ ترقی کرتا ہے، اور اب وہ دانستہ طور پر اپنے اندر ایسے خواص و اطوار پیدا کرتی ہے جو حد سے سوا بے غیرتی اور بے حیائی کے نمونے ہوتے ہیں اور فریب کے نہایت بھونڈے طریقے، مثلاً وہ ہر وقت نہایت درجہ شوخ اور رنگین لباس پہنکر دکان پر بیٹھیگی، زیور بھی کافی ہوگا، اور آنکھوں میں سُرمہ بھی، آپ کو راستہ گزرتا پاکر کبھی کبھی اس

طرح مسکرائیگی گویا اُس سے آپ کی کافی واقفیت ہے اُس دکان پر آنے والے لوگوں سے وہ کبھی کبھی اس رنگ سے گفتگو کریگی گویا وہ آپ سے گفتگو کرنا پسند ہی نہیں کرتی اور کبھی کبھی اس طرح گویا وہ آپ کی قدیم خیرخواہ اور نیازمند ہے، آپ سے وہ دن بھر خواہ بے پردہ بیٹھے مگر گاہک کے آنے پر وہ یا لمبا گھونگھٹ فرما لیگی، یا پھر آپ کی طرف سے رُخ بدل کر بیٹھیگی، پھر اگر آپ اس کی دکان پر دو چار مرتبہ جائیں گے تو اب وہ آپ سے نہایت میٹھے لہجہ میں یہ بھی دریافت کریگی کہ آپ کل کہاں رہے مجھے تو خیال تھا کہ آپ آئیں گے، بس اُس کا آپ سے اتنا دریافت کرلینا آپ کو اُس کی دُکان کا زرخرید گاہک بنا دیگی ۔

اس کی دُکان پر بازاری غُنڈے بڑے شوق سے جاتے ہیں، ان کے بعد اسکول کے لونڈوں کا اس کی دکان پر آنا نہایت ضروری ہے، جہاں اسکول کی چھٹی ہوئی اور طلبہ آنا شروع ہوئے پھر یہی نہیں بلکہ اسکول جاتے وقت بھی آتے ہیں درمیان میں بھی اور گھر جاتے وقت بھی، یہ اسکول کے لڑکوں کو قرض پان سیگریٹ دیتی ہے مگر حساب صرف اس کے دل میں رہتا ہے، کیونکہ اُدھر نوجوان طلبہ جتنا مانگیں اُتنا دینے کو تیار، اور ادھر یہ بھی کھاتے اور حساب کی کتاب لکھنے سے معذور ہوتی ہے بعض جوشیلے گاہک اُسے ہمیشہ دانستہ طور پر زیادہ قیمت دیتے ہیں، بعض صاحبانِ ذوق اپنے لئے خاص قسم کا پان بنانے کا قاعدہ بھی سکھا دیتے ہیں، جسے یہ خوب یاد رکھتی ہے اور یہ خاص پان والے صاحب اپنے ساتھیوں سے فخریہ طور پر کہتے ہیں کہ دیکھئے وہ میرے لئے خاص طور پر پان بناتی ہے اور اسی لئے مجھے کسی دوسری دوکان کے پان پسند ہی نہیں آتے، بعض اس کے ہاں پیشگی رقم جمع

فرمادیتے ہیں، جس کا حساب بھی نہیں سمجھتے پس جس دن بی تمبولن صاحبہ فرمادیں کہ حساب ختم ہوگیا اُسی دن یہ مزید رقم عطا فرمادیتے ہیں بعض کے لئے یہ چند پان علٰحدہ اور پوشیدہ رکھ دیتی ہے اور جب یہ تشریف لاتے ہیں تو اُنھیں دکھا کر وہ علٰحدہ رکھے ہوئے پان لاکر دیتی ہے اور یہ اسی مخصوص برتاؤ کی خوشی سے بے ہوش رہتے ہیں اور احباب سے کہتے ہیں کہ دیکھئے میرے مزاج کو کتنا پہچانتی ہے، اس کی دکان پر بعض اوقات عدالتوں کے وکیل، بیرسٹر اور پروفیسر بھی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پان سگریٹ خریدتے نظر آتے ہیں، اور تمبولن صاحبہ سے مذاق دلگی اور جملے بازی سے بہت زیادہ لطف حاصل فرماتے ہیں، بعض نیم جاہل دولت مند اور امرا بھی اس کے ہاں سے "در پردہ" پان منگواتے ہیں، اور جب ان کا "مرسلہ آدمی" اس کی دکان پر جاتا ہے تو تمبولن مُسکرا کر پان دیتے وقت آہستہ سے کہدیتی ہے کہ "ہمارا بھی سلام کہدینا، بعض تابو سے باہر گاہک اس کے اور اس کی دُکان کے لئے تحفے بھی عطا فرماتے ہیں،

بعض اس کی دکان یا دکان سے قریب گزرتے وقت اس کو اشعار بھی سُناتے ہیں، جس پر یہ بظاہر غصہ ہو کر آہستہ گالیاں بھی دیتی ہے، مُلّا رموزی نے اس کی دُکان پر بعض انگریز اور دیسی صاحب بہادروں کو بھی اکڑتے ہوئے دیکھا ہے، اور پان کھاتے ہوئے ان کے شوہر صاحب چوبیس گھنٹے میں دو چار مرتبہ ہی نمودار ہوتے ہیں، خاصکر اُس وقت صلح کے لئے آجاتے ہیں جب تمبولن کی کسی غنڈے سے "چل جاتی ہے" یا "جھگڑ جاتی ہے،" گاہکوں کی کثرت کے باعث اس کے مزاج میں غرور اکڑفوں اور نخرہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اگر اس سے

کسی صاحب کی چھڑ جائے تو پھر آبروکا سلامت لے جانا محال ہوتا ہے، یعنی تمبولن توجہ چاہے آپ کو سنائے لیکن اگر آپ نے اس سے ایک فقرہ بھی تیز کہدیا تو تمام بازار مع پولیس کے سپاہی کے آپ ہی سے چمٹ جائیگا یہ کہہ کر کہ جانے بھی دیجے حضرت وہ پھر عورت ذات ہے،

یہ بیوی نہایت درجہ پاکباز، امور خانہ داری میں بے حد مستعد، حیثیت چالاک، دولت کمانے اور جمع کرنے میں استاد محتاط، گھر میں صفائی کی عادی، البتہ شوہر پر غالب رہنے والی اس وجہ سے کہ وہ کماتی ہے اور شوہر کھاتا ہے، خود جاہل ہوتی ہے اس لئے اولاد بھی جاہل ہوتی ہے،



حلوائی کی بیوی

تجارت اور بازاری کاروبار میں اس بیوی کا رتبہ بھی کسی سے کم نہیں ہے، حلوائی کسی خاص قومیت اور قبیلے سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ ہر وہ شخص جو مٹھائی کی تجارت کرتا ہے حلوائی کہا جا سکتا ہے، اس میں ہر فرقے اور ہر قوم کے لوگ شریک ہوتے ہیں اس کے ہاں بھی ہر عمر اور ہر سن کی بیوی پائی جاتی ہے، اس کی دکان دوسری دکانوں کے مقابل شہر کے زیادہ آباد اور بڑے بازار میں ہوتی ہے، کچھ شک نہیں کہ حلوائی مرد زیادہ کام کرتے ہیں مگر ان کے بعد دکان پر رونق افزا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے اس کی دکان کی رونق تقریباً دوسری دکانوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، دکان کی آرائش میں انتہائی سلیقے اور قرینے سے کام لیا جاتا ہے،

مہاجنی دماغ ہونے کے باعث حلوائی نہایت درجہ گندے، غلیظ اور میلے کپڑے بھی استعمال کرتا ہے، مگر اس کے ننھے میاں کی والدہ "بیگم حلوائی" ہونے پر بھی نہایت درجہ شوخ اور بھاری لباس اور زیور استعمال فرماتی ہیں، عام طور پر دکان پر ان کا قیام بھی "رونق افروزی" سمجھا جاتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ حلوائی کو مٹھائی تیار کرنے سے بھی فرصت نہیں ملتی لہذا اگر یہ نہ بیٹھے تو کون بیٹھے؟ اگرچہ یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ ہر دکان پر اس

کا بیٹھنا یقینی ہے مگر ہاں یہ ایسی بھی نہیں کہ دُکان پر بیٹھنے سے معذور ہو لہذا وہ بیٹھتی ہے یا بٹھائی جاتی ہے اور جب وہ بیٹھتی ہے تو بیٹھی ہی رہتی ہے،

اس بیوی کی بھی کوئی خاص برادری یا قومیت نہیں ہوتی بلکہ مٹھائی بنانا یا فروخت کرنا ایک قسم کی تجارت ہے لہذا حلوائی کی بیوی بھی وہ جو مٹھائی بنائے یا فروخت کرے خواہ وہ کوئی پٹھان اور مغل ہو یا برہمن اور چھتری،

بعض دکانوں پر چھوٹی عمر کی بیوی بھی نظر آتی ہے، مگر نہ اتنی کہ اُسے "ننھی مُنّی" کہا جائے البتہ اُس کے دُکان پر رونق افروز ہونے کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ضرور ہے کہ دکان کی حدود میں حلوائی جتنا میلا، گندا اور غلیظ نظر آتا ہے یہ اُتنی ہی صاف زرق برق اور "بھڑک دار" ہو کر بیٹھتی ہے، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت بے پردہ ہو کر مٹھائی فروخت کرتی رہے، بلکہ اکثر اوقات وہ لمبا سا گھونگھٹ فرمائے رہتی ہے دُکان پر اس کا لباس اور زیور نہایت درجہ نظر کش ہوتا ہے، بعض جگہ یہ شوہر کے پیچھے کھڑی ہوئی نظر آتی ہے اور بعض جگہ شوہر دُکان کے اندر اور یہ دُکان کے اوپر یہ گاہک سے بہت کم بات کرتی ہے، مگر مٹھائی ضرور فروخت کرتی ہے، اور گاہک بھی اس سے بہت کم بات کرتے ہیں، مگر مٹھائی اسی سے خریدتے ہیں،

یہ شروع سے لیکر آخر تک جاہل رہتی ہے، مگر دکان کے قاعدہ سے گھر کے برتن بہت زیادہ صاف رکھتی ہے، طوطے اور مینا یا دوسرے پرندے پالتی ہے، جو دکان اور مکان میں نظر آتے ہیں،

اس کی اولاد کا کوئی خاص ضابطہ نہیں، البتہ دولت مند ہونے پر کم اور مفلس ہونے کی حالت میں زیادہ اولاد کی ماں ہوتی ہے، اولاد عموماً جاہل رکھی جاتی ہے، البتہ اب کہیں جبری مدارس میں بھیجی جاتی ہے ورنہ ہندی زبان میں دکان کے حساب کتاب کے قابل تعلیم دی جاتی ہے،

شوہر سے بہت کم لڑتی ہے مگر جب لڑتی ہے تو دکان پر بھی نہیں چوکتی، مگر اس کی لڑائی کا معاملہ بھی طلاق اور سسرال تک نہیں جاتا، بس اگر صبح کو لڑی تو شام کو صلح اور شام کو لڑی تو صبح کو صلح،

یہ اپنے گھر کے کام میں نہایت مستعد، کھانے پکانے سے لیکر نل اور کنوئیں پر سے پانی لانے میں خود کو ذلیل نہیں سمجھتی، پردہ کی بعض اوقات یہ پابندی کہ سر پہ پانی کا گھڑا اور چہرہ پر ڈھائی گز کا گھونگھٹ، دولت جمع کرنے کی عادی، فضول خرچی سے نفرت، مگر زیور کی عاشق، نئی بات یہ ہوتی ہے کہ کھانا پکانے میں تو بیوی ہی رہتی ہے، مگر مٹھائی بنانے کے معاملہ میں شوہر ہو جاتی ہے، اور اس کا شوہر اس کی بیوی نظر آتا ہے، یا نظر آتی ہے، یعنی عام طور پر حلوائی مٹھائی بناتا ہے اور بیوی فروخت کرتی ہے،

مزاج کی نفاست اگر حد سے بڑھ جاتی ہے تو دکان اور مکان میں چند تصاویر لٹکا لیتی ہے، جو زیادہ تر بنارس کے مندروں یا مذہبی بزرگوں کی ہوتی ہیں، اپنے چھوٹے بچے سے محبت کرتی ہے اور بڑے سے نفرت، یہ اس طرح کہ ایک مہینے سے لیکر ایک سال تک کے ننھے میاں کو بڑے پیار سے دکان میں گود سے نیچے نہیں اتارتی، اور اس کے پاؤں اور

گلے کو زیور سے ہر وقت آراستہ رکھتی ہے، آنکھ اور پیشانی پر کاجل کے بے شمار نشانات سے اُسے انسان کے عوض بھوت کا بچّہ بنائے رہتی ہے اور دکان ہی پر گاہکوں کی نظر سے بچانے کے لئے دو پٹے کی اوٹ میں بڑے پیار سے دودھ پلاتی رہتی ہے، لیکن اس سے بڑے بچے ہر وقت دکان پر نیم برہنہ اور حد سے سوا گندے نظر آتے ہیں یہ ان بچوں کو اتنا بھی مہذّب نہیں بناتی کہ ہمارے آپ کے جانے پر اس کا ایک بچّہ بھی ذرا جھک کر سلام تو کرلے، اس کے بچوں کے پانوں چھ سات برس تک پاجامے اور دھوتی سے پاک نظر آتے ہیں، مگر کیا مجال جو ان کے گلے اور سینوں پر چاندی کی لمبی زنجیریں نادعلی اور ایک ڈیڑھ تعویذ نہ ہو، اور سُرخ رنگ کے مونگے کے ہار یا کنٹھے سے تو اس کا شوہر پنشن کی عمر تک بھی باز نہیں رہتا،

فی الجملہ اس کا وجود بازار کے لئے جس طرح ضروری اور لازمی ہے اُسی طرح اس کا طرز زندگی "صُلحِ کُل" یا "مُرنجِ و مرجان" ہوتا ہے، البتہ کہیں کہیں وہ اگر کسی گاہک سے لڑائی کی ٹھان لے تو پھر بھرے بازار میں اُس کی موٹر سے زیادہ تیز زبان ہوگی اور آپ کے سماعت سے محروم کان، یعنی اُسے سب کچھ کہنا ہوگا اور آپ کو مشرقی قاعدہ سے عورت ذات کا سب کچھ خموشی سے سُننا ہوگا، جاہل محض، پاکدامن، شوہر کی وفادار، حد سے زیادہ کفایت شعار کہیں کہیں حد سے سوا خوبصورت، اور کہیں کہیں ذرا ذرا ناٹک کے تماشے اور کلب کی ممبری سے یکلخت ناواقف پاؤں میں ڈھائی ہزار روپیہ کا زیور، مگر جوتا ہمیشہ ندارد، جوانی میں حد سے سوا شرمیلی، اور حلیم مگر خدا اس کے بڑھاپے سے محفوظ رکھے کیونکہ

بوڑھی ہونے پر پہلی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ اب دکان پر اس کو اور اس کے شوہر کو دیکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دونوں آپس میں میاں بیوی ہیں کیونکہ اب وہ بڑھاپے کی بیباکی کے باعث دکان پر کیا بیٹھتی ہے تمام بازار کی کمانڈر انچیف نظر آتی ہے، یوں سمجھئے کہ وہ شوہر صاحب تو رہتے ہیں دکان کے اندر مٹھائی کی بھٹی یا چولھے میں مصروف اور یہ دُکان پر نہایت اونچی ہو کر جب بیٹھ جاتی ہے تو اپنے برابر کی تین تین دکانوں کی خرابیاں چلا چلا کر درست کراتی رہتی ہے اس کی دُکان سے اگر تیسری دکان پر کسی گاہک کا جھگڑہ ہو گیا ہے تو یہ اپنی دُکان پر قابو سے باہر ہو جائیگی، کبھی اُس گاہک کو بُرا بھلا کہیگی اور کبھی دکاندار کو پھر اس بات کی بھی پروا نہیں کہ اس کی بکواس کو جھگڑنے والے سُنتے بھی ہیں یا نہیں یہ تو ہر حال میں بڑبڑاتی اور بکتی رہیگی، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جب تک اُس دُکان پر جھگڑہ ہو رہا ہے اُسی وقت تک یہ بھی بکتی رہے، بلکہ اسے حق ہے کہ جھگڑنے والے اپنے مکان پر پہونچکر کھانا بھی کھالیں، مگر یہ ہو گی کہ اُسی جھگڑے کی یاد میں آپ ہی آپ بکتی رہیگی صرف آواز میں دھیما پن پیدا ہو جائیگا، اس حالت میں اگر اس کے پاس گاہک بھی آجائے تو یہ اُسے مٹھائی دیتی جائیگی مگر بکتی جائیگی خاص بات یہ ہے کہ تیسری دکان کے جھگڑہ پر اسے بکتا ہوا پاکر اس کے اندر بیٹھے ہوئے شوہر صاحب بھی اسے خوش نہیں کر سکتے بلکہ یہ ممکن ہے کہ یہ خود اس دکان کے جھگڑے کو اپنے شوہر صاحب کو اس طرح سناتی رہے کہ دکان پر آنے والا شخص یہ سمجھے کہ مجھے سنا رہی ہے کیونکہ اس وقت اس کی بکواس مجذوب کی بڑھ ہو جاتی ہے، لہذا ضروری نہیں کہ اس بکواس کے وقت

وہ اندر بیٹھے ہوئے شوہر کی طرف اپنا رُخ بدل دے، یہی حالت شوہر صاحب کی بے پروا مزاجی کا ہوتا ہے، کہ وہ بھی دریافت نہیں کرتے کہ آخر تیسری دُکان پر ہونے والے جھگڑے سے مجھے کیا واسطہ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ جھگڑے کی بے ربط سی تفصیلات کو بیوی سے سُن کر یہ بھی کچھ بڑبڑانے لگتے ہیں مگر اس طرح کہ نہ بیوی ان سے مخاطب نہ یہ بیوی سے مخاطب بلکہ مٹھائی بناتے جاتے ہیں اور بکتے جاتے ہیں، کبھی کبھی اپنی کسی گزری ہوئی لڑائی کا قصہ بھی خود ہی شروع کر دیتے ہیں اور خود ہی ختم کر کے حُقّہ پینے میں مصروف ہو جاتے ہیں یا کھانسی میں مبتلا ہو کر رہ جاتے ہیں،

بُڑھاپے میں یہ بہت زیادہ سادہ مزاج ہو جاتی ہے، اسی لئے اب نہ اُس کے پاس بھڑک والا لباس نظر آئیگا نہ زیور، اتنی عمر میں کبھی کبھی وہ شوہر کے ساتھ حُقّہ نوشی میں بھی شریک نظر آتی ہے، مزاج میں اب وہ تلخی کہ آپ مٹھائی لینے جائیں تو آپ سے لڑنے کو تیار اور دو سیر آئے بہادر جائیں تو اُن سے لڑنے کو تیار، گنوار اور کسان قسم کے گاہکوں پر یوں حاوی کہ ایک دو پیسے کی مٹھائی دینے سے صاف انکار، باقی خیریت، خُرد و کلاں کو درجہ بدرجہ سلام، فقط،



مالی کی بیوی

بازار سے تعلق رکھنے والی بیویوں میں مالی کی بیوی بھی قابلِ تذکرہ ہے مالی کی تعریف یہ ہے کہ "وہ آدم زاد" جو پھولوں کی تجارت کرتا ہو اور بس، مگر خاص بات یہ ہے کہ ادبیاتِ اُردو یا اشعار اُردو میں مالی سے زیادہ اس کی بیوی کا تذکرہ پایا جاتا ہے مگر اس کے تذکرہ کا سبب مالی کی بیوی کا حُسن و جمال نہیں بلکہ پھولوں کی نسبت نے اُسے ادبِ اُردو میں قابلِ تذکرہ بنا دیا ہے، پھر یہ کہ ایک سنڈے مشٹنڈے مرد کے مقابل ایک نازک بدن عورت ہی میں لطافت اور رعنائی زیادہ اور موزوں ہوا کرتی ہے اس لئے ادبِ اُردو میں بی مالن کا تذکرہ اپنے شوہر سے زیادہ پایا جاتا ہے، یہی راز ہے کہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے اشعار اور افسانوں میں مالن کو جس درجہ حسین و جمیل دکھایا ہے وہ اصلیت میں اتنی حسین و جمیل نہیں ہوتی اِلّا شاذ، تو شاذ کی حیثیت سے تو کبھی کبھی افریقہ کے حبشیوں کی ایک لڑکی بھی نظر فریب نظر آ ہی جاتی ہے البتہ مالن کے غرور اور نخرے کو حسن خیال نے ترقی دی ڈاُس کا بازار میں بیٹھکر پھول فروخت کرنا اور بے وقوفوں کا اُس کی دکان پر اس انداز سے جانا گویا بس تمام بازار میں یہی مالن ہے، جس سے بات کر لینا ہفت اقلیم کو فتح کر لینے کے برابر ہے،

پھر مالن کے نخرے کو بڑھانے والا دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ شادی بیاہ ایسی تقاریب کے موقع پر پھولوں کا دلفریب زیور بنا کر لانے والی ہوتی ہے مگر صرف پھولوں کا زیور بنانے کا کام تو مرد بھی کر سکتا ہے لیکن مالن جو زیادہ قابل تذکرہ بنی سو اس لئے کہ شادی ایسی انتہائی مسرت کی تقریب میں عورتوں اور بیگمات تک وہی براہ راست پہونچ سکتی ہے، مرد نہیں جا سکتا اور اس سے بھی سوا سبب اس کی مقبولیت کا یہ ہے کہ یہ ایک مسرت بڑھانے والی تقریب سے متعلق خدمت انجام دیتی ہے، لہذا تقریب والوں کے خوشی سے بھرے ہوئے دل میں اس کے لئے کافی جگہ ہوتی ہے، یا یوں سمجھو کہ ایک خوشی کی تقریب اس کے بغیر شاندار بھی نہیں ہو سکتی، بہرکیف خلاصہ یہ ہے کہ مالن اپنی خدمت اور تجارت کے ذریعہ قابل تذکرہ قرار پائی ہے ورنہ صورت دیکھو تو کوئی پڑھے ایک مرتبہ مگر آپ سو بار لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ نہ پڑھیں تو ملا مودی کا ذمہ، مگر ہندوستانیوں میں غلامی کی ذہنیت کے باعث تحقیق کی قوت فنا ہو چکی ہے لہذا وہ محض نقل اور تقلید کو اپنا دماغی شرف و کمال سمجھتے ہیں اسی لئے انھوں نے تحقیق کی آنکھیں بند کر کے مالن کو حسین درجہ صاحبِ حُسن و ادا قرار دیا ہے اُس کے عجیب و غریب نمونوں سے گزرے ہوئے شعراء کے دیوان کے دیوان بھرے ہوئے ہیں، اور نہ صرف یہ بلکہ مالن کے عنوان اور نام سے بے شمار افسانے اور ناولیں لکھی گئی ہیں جو آجکل بھی معمولی قابلیت کے لوگ اور غنڈے پڑھتے ہیں اور بہت خوش ہوتے ہیں، لیکن اس کتاب میں ہمیں صرف تازہ ترین حالات سے بحث کرنا مقصود ہے اس لئے ہم پچھلے حالات کو یہاں نقل کرنا نہیں چاہتے،

چنانچہ مُلّا رموزی کی نظر سے "مالن" کے عنوان سے بعض ایسے افسانے بھی گزرے ہیں جن کے اندر اسے حسن و جمال اور لطافت و دلفریبی کا ایک لاجواب نمونہ قرار دیا ہے لیکن اصلیت صرف اتنی ہی ہے کہ وہ ایک "کامل جاہل" گھر میں پیدا ہوتی ہے، جو جہالت کے برابر ہی مفلس بھی ہوتا ہے اور مفلس اس لئے کہ پھولوں کی تجارت کوئی بلند تجارت نہیں مثلاً پھولوں کی خرید کے یہی مواقع ہوتے ہیں کہ یا کسی کی تقریب میں یا پھر عطاروں کے ہاں یا تیلی اور عطر فروش یا عطر ساز کے ہاں، اور ظاہر ہے کہ ان چاروں کو پھولوں کی ضرورت روزانہ نہیں ہوتی اور نہ کسی شہر میں یہ رسم ہے کہ وہاں کا ایک ایک باشندہ روزانہ ایک ایک ہار خرید کر پہنے، لہذا جس چیز کی فروخت کے مواقع مخصوص اور معین اوقات ہوں وہ تجارت ہمیشہ کم نفع دینے والی ہوتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ایک شہر میں ایک ہی مالن نہیں ہوتی جو ساری آبادی اسی کی دکان سے پھول خرید کر اسے افلاس سے محفوظ کر دے،

لہذا سب سے زیادہ دولت مند مالن وہی ہوتی ہے جو بازار کے وقت ایک صاف سا کپڑے کا جوڑا پہن کر بازار میں نظر آجائے ورنہ آپ بتا دیجے کہ ایسی کتنی مالنیں ہیں جن کی بڑی بڑی کوٹھیاں کھڑی ہیں، اسی لئے یہ اپنے غریب سے باپ کے ہاں پیدا ہو کر بغیر کسی تعلیم اور خاص تربیت کے کسی اپنے ہی ایسے غریب اور جاہل مالی کو پانچ برس کی عمر میں جس وقت موقع ہاتھ آجائے بیاہ دی جاتی ہے یعنی اس کی برادری میں بھی کم عمری کی شادی جائز قرار دی گئی ہے، اس لئے نہایت جاہلانہ رسوم اور معمولی حیثیت سے

بیاہ کر یہ لائی جاتی ہے، اور مالی برادری کے عام ضابطہ کے تحت یہ پھولوں کے ہار بیچکر یا بازار میں بیٹھتی ہے یا اپنی دکان پر،

ابتداء میں وہ اپنی ساس یا شوہر کے ہمراہ نظر آتی ہے، اور یہ ہی دو آدمی اس کے ابتدائی حجاب کو چند دن باقی رکھتے ہیں یعنی پانچ، چھ مہینے تک، اُس کے بازار اور دُکان کی مسلسل بے حجابی اُسے قُدرتاً یقین دلا دیتی ہے، کہ اب وہ خود کو کچھ بڑی ہی چیز سمجھے، لہٰذا اب وہ رفتہ رفتہ بے باک ہوتی جاتی ہے، مگر گھر میں وہ شروع ہی سے چولھا چکی اور شوہر کی تمام خدمات انجام دینے لگتی ہے، مگر صبح کے وقت وہ ہر حال میں پھول توڑنے اور لانے کے لئے باغ جاتی ہے، مگر یہ صبح کے وقت باغ جاتے ہوئے یا باغ سے آتے ہوئے صرف اُنھی لوگوں کو نظر آتی ہے، جنہیں صبح سویرے اُٹھکر چہل قدمی اور تفریح کرنے کی توفیق عطا ہوئی ہے اور اسی لئے مسلمان اسے بہت کم دیکھ سکتے ہیں کیونکہ ۹۵ فی صدی مسلمان بے نمازی اور عیش پسند ہوتے ہیں اس لئے وہ صبح ۹ بجے تک سوتے ہیں، بس اُن میں سے بے چارے مُلا رموزی صاحب ہیں جو رات کے تین بجے تک روزی کمانے کے لئے مضامین اور کتابیں لکھتے ہیں اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے صبح سویرے چار میل تک باغوں اور ویرانوں کی طرف ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں:

اس کے بعد یہ بازار میں جب خود مختار ہو جاتی ہے تو اسے خود بخود یقین آجاتا ہے، کہ بازار میں سب سے عمدہ چیز میں ہوں لہٰذا اس بھروسے پر وہ ذرا نخرے کے ساتھ بیٹھتی ہے، اور گاہک سے بھی نخرے کے ساتھ گفتگو کرتی ہے، لباس اور زیور میں بھی بھڑک اور نخرہ پیدا کرتی رہتی ہے، حالانکہ نہ اس کا لباس قیمتی ہوتا نہ زیور مگر جو ملتا ہے اُسی پر اکڑتی ہے اور بڑی آن بان سے

پھول فروخت کرتی رہتی ہے، پھر بھی ایک حد تک گفتگو میں لوچ اور نرمی باقی رہتی ہے لیکن ننھے میاں کی والدہ بنکر پھر یہ بازار کے لئے مصیبت بن جاتی ہے، اب اس کے نخرے میں اس کے ننھے میاں بھی یوں شریک کرلئے جاتے ہیں کہ وہ سرِ بازار جہاں پھول لیکر بیٹھتی ہے وہاں اس طرح بیٹھتی ہے کہ ہر موقع پر وہ اپنے کالے اور لاغر سے ننھے میاں کو اونچا اُٹھا اُٹھاکر اور پہلو بدل بدل کر یوں دودھ پلاتی ہے کہ تمام بازار دیکھتا جائے کہ وہ صاحبِ اولاد ہے اُسے سمجھا کیا ہے،

اب اُس کی زبان اور ہاتھ پاؤں میں غضب کی بجلی پیدا ہوجاتی ہے، اب ناممکن ہے کہ آپ اُس کی دُکان پر پھول خریدنے جائیں اور بغیر خریدے واپس تو آجائیں، جہاں آپ اس کی دکان کے سامنے گزرے اور اس نے کوئی ہار اُٹھایا اور آپ کو بے وجہ بھی مخاطب کرکے اس ہار کے خریدنے کے لئے عجیب عجیب جملے اور فقرے کہنا شروع کردیئے، چونکہ بازار میں عام طور پر پھول فروخت کرنے والی عورتیں اور مرد پاس پاس بیٹھتے ہیں لہذا اس کی پہلی کوشش یہ ہوگی کہ آپ کسی طرح دوسری دکان پر نہ چلے جائیں، بس جتنے ہار بھی خریدیں اسی کی دکان سے خریدیں اس لئے وہ اس وقت ۷۵ میل فی گھنٹہ کے حساب سے آپ سے باتیں بھی کرتی جائیگی اور ہاتھوں سے ہار پر ہار دکھاتی چلی جائیگی، اور سب سے بڑا کمال یہ ہوگا کہ اسی مصروفیت میں وہ ڈوپٹے کے اندر چھپے ہوئے ننھے میاں کو دودھ بھی پلاتی جائیگی مگر ہر حال میں پھول فروخت کرکے رہیگی، بعض اوقات وہ اتنی مصروفیت پر ایک آخری کمال اپنی مستعدی کا یہ دکھاتی ہے کہ اگر آپ کے ہاروں کے بنی ہوئی مقدار کم ہوتی ہے تو وہ اسی حال میں بقیہ

ہاروں کی تعداد پوری کر کے رکھ دیتی ہے، اور تیسرا کمال یہ ہے جس کا جواب ہی نہیں کہ وہ ننھے میاں کو گلے سے لٹکائے ہوئے دودھ بھی پلاتی رہیگی، آپ کے لئے نفیس و حسین ہار بھی بناتی جائیگی اور پاس والی مالن سے اگر اُس کی چھیڑ گئی ہے تو اُس سے لڑتی بھی رہیگی، اس حساب سے وہ اپنے شوہر پر بھی فضیلت اور فوقیت رکھتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ شوہر یہ تینوں کام ایک ساتھ نہیں کرسکتا،

اس سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنے میں ایک خطرہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر اس سے خرید و فروخت کی ابتدائی گفتگو کر کے آپ اس سے ہار نہ خریدیں اور دوسری دکان پر چلے جائیں تو پھر جب تک آپ اُسے نظر آئیں گے وہ آپ کی شان کے موافق آپ پر آوازے کستی رہیگی، یعنی اگر آپ صورت اور لباس کے لحاظ سے کسان، گنوار، قُلی، دھوبی، بھٹیارے حجّام، اور بجّہ سقہ نظر آتے ہیں تو وہ بلند آواز سے آپ پر آوازے کسیگی اور جو آپ صورت اور لباس کے لحاظ سے ہوئے "مردِ معقول"، تو آپ کی طرف رُخ بدل کر اس طرح بڑبڑاتی رہیگی کہ آپ اس کی آواز کا تال اور سُر تو سُنتے رہیں مگر یہ نہ سمجھ سکیں کہ وہ گالی دے رہی ہے یا دُعا، کبھی کبھی وہ آپ کو اس طرح بُرا بھلا کہیگی گویا وہ اپنے ذاتی ننھے میاں کو دودھ پلانے سے خفا ہو رہی ہے، آپ سے کچھ نہیں کہہ رہی،

فرصت کی حالت میں وہ اپنے آپ کو یا پھولوں کو خواہ مخواہ سنوارتی رہتی ہے، اور اس کا شوہر چند ہار کسی لکڑی میں اُلجھا کر یا لٹکا کر بازار میں گشت کرتا رہتا ہے یا کسی چوراہے پر کھڑا ہوا ان ہاروں کی تعریف میں چند خاص جملے استعمال کرتا رہتا ہے مثلاً ۱۹۱۷ء میں مُلّا رموزی صاحب

جب شہر لکھنؤ کے بازار امین آباد پارک میں سے گزر رہے تھے تو اُنھوں نے ایک مالی کو ہار فروخت کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سُنا تھا جو اب تک یاد ہے کہ "جمیلی معطر، بیلا ہے البیلا ہے"، یہ شوہر صاحب گشت فرماتے ہوئے کبھی کبھی اپنی ذاتی مالن کی دُکان پر آکر چلم پینے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے تازہ ہار لیکر روانہ ہو جاتے ہیں،

مالن کو جس کام نے بہت زیادہ قابل توجہ بنایا ہے وہ اس کا شادی بیاہ کے موقع پر پھولوں کا زیور بنانا ہے جس میں دولھا کے لئے "سہرے" کا تیار کرنا خاص الخاص کمال ہے جسے "گوندھنا" کہتے ہیں بس اس کے اس کام نے اسے اتنا بھی بلند اور مشہور کر دیا ہے کہ ہندوستان میں جب سے شاعروں کی پیدائش شروع ہوئی ہے اُس وقت سے لیکر آج ۱۹۳۱ء تک کا ہر شاعر سہرے کی تعریف لکھتے وقت مالن صاحبہ اور ان کے کام کی تعریف ضرور کرتا ہے،

"سہرا" اُس خاص قسم کے ہار کو کہتے ہیں جو پھولوں کی بے شمار لڑیوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور اسے دولھا میاں کی پیشانی پر یوں باندھا جاتا ہے گویا پھولوں کی لڑیوں کا ایک نقاب چہرے پر پڑا ہو، اس کے باندھ دینے سے اس کے موجد کی غرض تو یہ معلوم ہوتی ہے، کہ دولھا بہت زیادہ حسین اور خوبصورت نظر آنے لگے مگر عقلمندوں کے نزدیک دولھا میاں سہرے کو چہرہ پر لٹکا کر خاصے بے وقوف بلکہ ایک قسم کے جانور نظر آتے ہیں، اس لئے مُلّا رموزی صاحب اس کی غرض یہ ایجاد فرماتے ہیں کہ دولھا کے چہرے پر پھولوں کی لڑیاں اس لئے لٹکائی جاتی ہیں کہ شادی کے وقت دولھا کے اندر جو قدرتی حجاب پیدا ہو جاتا ہے اُس کے اثر سے وہ کسی کو نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا "دولھا لوگ"، شادی کے وقت اپنے آدھے چہرے کو اپنے "ہاتھ کے عمامے سے" چھپائے رہتے

ہیں یعنی رومال سے، لہذا اس حجاب کو باقی رکھنے اور دولھامیاں کو اندھے حافظ جی بنجانے سے بچانے کے لئے پھولوں کی لڑیوں کا یہ مجموعہ اُن کے چہرے پر لٹکا دیا جاتا ہے تاکہ اُس کے اندر وہ سمجھے رہیں کہ میں سب کو دیکھ رہا ہوں مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا، بہرحال دونوں صورتوں میں عقلمندوں کے نزدیک اس کے استعمال سے حماقت ہی ظاہر ہوتی ہے، مگر پُرانے جاہلوں میں اس سہرے کو نہایت درجہ مقدس اور محترم یا پھر مبارک چیز سمجھا جاتا ہے، اسی لئے شادی کے بعد جاہلوں میں اس سہرے کو بعض خاص رسموں کے ساتھ کسی کنوئیں یا تالاب میں ڈالا جاتا ہے، اور بغیر پانی میں ڈالے ہوئے سہرے کو ضائع کرنا گناہ اور نحوست سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسے بیوہ مالن بھی نہیں بنا سکتی کیونکہ جاہل عورتیں اور تعلیم یافتہ مردوں کی رسم پرست عورتیں اسے بھی منحوس کہتی ہیں،

اس کے بعد سہرہ اُن اشعار کو بھی کہتے ہیں جو اس پھولوں کے سہرے کی تعریف میں لکھے جاتے ہیں، یا کہے جاتے ہیں، ان اشعار کو سہرا کہنا اس لئے جائز ہے کہ وہ اسی مخصوص چیز سے متعلق ہوتے ہیں، پس اس کے باعث مالن ذات بہت ہی قیمتی اور ضروری عورت ذات قرار دی گئی ہے،

اسی لئے شادی شروع ہونے سے ختم ہونے تک شادی والوں کا تمام خاندان بلکہ تمام شریک ہونے والے افسر اور بادشاہ تک اس "مالن زادی" کے محتاج نظر آتے ہیں، مثلاً اگر مالن شادی کے لئے ہار کم یا خراب بنا دے اور شریک ہونے والے بادشاہ سلامت کو بھری محفل میں معمولی سا ہار پہنا دیا جائے، تو اس کی توہین ہو جاتی ہے، اور ویسے بھی مالن

شادی بیاہ کے کاموں میں حُسن پیدا کرنے والی چیز ہوتی ہے، اس لئے جاہل عورتیں اس کی عزت بھی کرتی ہیں اور اسی لئے اس کے ہاروں اور سہرے وغیرہ کی اصل قیمت کے اوپر بھی اسے انعام دیا جاتا ہے، جسے جاہلوں کی بول چال میں "حق"، اور کہیں "نیگ" کہتے ہیں مگر "سرکاری تقاریب" میں اسی معزز اور محترم مالن سے جوتے مار کر اور ماں بہن کی گالیاں دیکر ہار تیار کرائے جاتے ہیں اور قیمت کہیں "حسب ضابطہ" اور کہیں مہینوں "ندارد"، اور افسر لوگ اس مصیبت اور ظلم سے بنوائے ہوئے ہاروں کو پہن کر اپنے گھٹنے تک اونچی "گردن کر کے" یوں جاتے ہیں گویا اس وقت دنیا میں جو کچھ ہیں صرف یہی ہار پہنے ہوئے افسر صاحب ہیں، بعض مغرور اور متکبر افسر اس قسم کے ہاروں کو اپنے گھر میں اس خیال سے برسوں محفوظ رکھتے ہیں کہ آنے والے سمجھ لیں کہ ہاں اس افسر کو فلاں موقع پر اس کی شان اور افسری کی وجہ سے یہ اتنا بھاری ہار پہنایا گیا تھا، مگر ایسوں کو خبر نہیں کہ اُن کی اس اکڑفوں پر "مُلّا رموزی" ایسے لوگ غرور شکن قہقہہ لگایا کرتے ہیں، الغرض شادی کے وقت سے لیکر شادی کے خاتمہ تک مالن کا دماغ آسمان پر رہتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ وہ شادی والوں سے اکڑ کر بات کرتی ہے، بلکہ اُس کا غرور اپنے ہم پیشہ لوگوں کے مقابل ہوتا ہے اور ان معنی میں کہ دیکھو کہ اتنے بڑے شادی کے گھر کا زیور اور سہرہ میں بنا رہی ہوں، اگرچہ اُس کی تواضع شادی کے گھر میں خاصی ہوتی ہے مگر کبھی کبھی وقت پر ہار نہ دینے یا کم مقدار بنانے یا تاخیر سے پہونچانے پر وہ اپنے اور شادی والے گھر میں سیدھی سیدھی بھی سُنتی ہے، پھر بھی اُس کی ضرورت کم نہیں ہوتی اور بہر حال غصہ ہونے پر بھی اسی سے پھولوں کا سودا کیا جاتا ہے،

یہ شادی کے گھر میں بڑی آن بان سے جاتی ہے، مگر آن بان بس اتنی کہ شادی کے گھر والی "عورت ذاتوں" پر اپنے لباس اور زیور کا رعب ڈالتی ہے، اور بس، ایک خاص بات یہ ہے کہ اُسے اُجرت اور انعام میں اگر قارون کے خزانے بھی دیدیجے تب بھی کم کہیگی اور جھگڑتی ہوئی گھر واپس آئیگی لیکن جس گھر سے انعام پر جھگڑتی ہوئی آئی ہے دوسرے گھر میں جاکر اُسی گھر کی بے حد تعریف کریگی تاکہ نئے گھر والے یہ سوچکر اسے پہلے گھر سے زیادہ انعام دیں کہ یہ عورت دس گھر میں جانے والی ہے، ہر گھر میں ہمارے انعام کی تعریف کریگی، اسی لئے ملا رموزی صاحب نے اپنی "ذاتی شادی کے موسم میں" مالن کو اُجرت سے زیادہ انعام میں جھنجی کوڑی بھی نہ دینے دی، نہ اب اپنی دوسری شادی میں انشا اللہ اسے انعام دیں، یقین نہ ہو تو دعا کیجے کہ خدا جلد اپنے مُلّا رموزی صاحب کی دوسری شادی کسی اعلےٰ تعلیم یافتہ لڑکی سے کرادے،

اس کی عام معاشرتی اور اخلاقی حالت نہایت درجہ معمولی ہوتی ہے، وہ اکثر کرایہ کے نہایت تنگ و تاریک مکان اور اکثر ایک تاریک سی کوٹھری میں زندگی بسر کرتی ہے، شوہر سے ہر آن و ہر لحظہ لڑنے مرنے کو تیار رہتی ہے، اس لئے کہ مزاج میں بازار کی بے باک گفتگو کی عادت موجود ہوتی ہے،

فضول خرچ اس لئے ہوتی ہے کہ کم آمدنی اور ضرورت زیادہ، پھر آمدنی بھی مستقل نہیں، اور عادۃً اعلےٰ درجہ کے لباس اور زیور پر مرتی ہے، مذہب اور سنجیدگی سے ناواقف، جاہلانہ رسوم میں جکڑی ہوئی، زیادہ کمانے والی اور کم اولاد والی، تندرستی اس لئے اچھی کہ روزانہ صبح سویرے باغوں میں دو گھنٹہ تک ایک ایک پھول توڑنے کی ورزش کرتی رہتی ہے، مگر صورت کی بھونڈی، اور نام "بی مالن"

بھٹیارے کی بیوی

بھٹیارہ، باورچی، یا خانساماں، اُس ہندوستانی مرد کو کہتے ہیں جو کھانا پکاتا ہو، خواہ وہ لوگوں کے گھر جاکر پکائے یا اُن کی تقاریب میں پکائے یا خود پکائے اور بازار میں فروخت کرے، یا خود کہیں لنڈن سے وکالت پاس کرکے آئے مگر کھانے کی دکان لگالے تو اُسے بھی بھٹیارہ کہہ سکتے ہیں، پس اس قسم کے شوہر کی بیوی اور اس کے ہاں کی ہر عورت کو بھٹیارن یا بھٹیاری کہتے ہیں خواہ اُس کے گھر کی دوسری عورتیں کھانے سے ہاتھ بھی نہ لگائیں، مگر اُنھیں ساری دنیا "باورچن" ہی کہیگی، بھٹیارے کا وجود یوں تو ساری دنیا میں ہے، مگر اس طرح کہ ساری دنیا تعلیم کے باعث ترقی کر چکی ہے، اس لئے دوسرے ملکوں کے باورچی اور بھٹیارے اتنے خوبصورت ہو گئے ہیں کہ ...... اُن میں اور لاٹ صاحب میں فرق کرنا مشکل ہے، مگر ہندوستان میں جہالت اور افلاس کے باعث بھٹیارہ نہایت درجہ کالی صورت کا ہوتا ہے، جہالت اور حد سے سوا اولاد کی باعث وہ ہمیشہ نہیں تو کبھی کبھی افیون بھی کھاتا رہتا ہے، اس لئے اس کی صورت اور بھی زیادہ خراب ہو جاتی ہے، کھانا پکانے کے باعث اُس کے کپڑے ہمیشہ سیاہ اور نہایت غلیظ، گندے، اور میلے ہوتے ہیں، ہندوستان پر قبضہ کرکے جب سے یہاں انگریز لوگوں کا آنا اور رہنا، بسنا شروع ہوا ہے اُس وقت سے ہندوستانی

بھٹیاروں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ انگریزوں کی وجہ سے لاکھوں ہندوستانیوں کو کسی مشین میں ڈال کر بھٹیارہ بنا دیا ہے، بلکہ ہندوستان میں زیادہ انگریز نوکری اور تجارت کے لئے آتے ہیں اس لئے اُن کے ملک کے آدمی کوئی اُن کے باوا کی جائداد تو ہوتے نہیں ہیں جو اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک آدمی "بھٹیارہ" بنکر ہندوستان میں اُن کے آگے پیچھے ہاتھ باندھے پھرتا رہے، ادھر ہندوستان میں انگریز لوگوں کو "کُنٹیوں" سے اونچی نوکری ملتی ہے یعنی زیادہ تنخواہ ملتی ہے، اس لئے اُن کی ننھے میاں کی والدہ ہندوستان میں اپنے شوہر کے لئے کھانا پکانے سے صاف انکار کرکے دور کھڑی ہو جاتی ہے لہذا مجبوراً ہر انگریز کو ہندوستان میں ایک بھٹیارے کی ضرورت ہوتی ہے، ادھر انگریز لوگ اپنے ملازم کی بے انتہا قدر کرتے ہیں اُنھیں اپنے عمدہ عمدہ اور قیمتی کپڑے دیتے ہیں . . . .

. . . .

اسی لئے ہم نے ہندوستان کے بڑے بڑے ایم اے پاس لوگوں کو دیکھا ہے، کہ یہ انگریز افسر کے بھٹیارے کو بہت زیادہ جُھک کر سلام کرتے ہیں اُسے خواہ مخواہ انعام دیتے ہیں اُس کی ہر قسم کی خوشامد کرتے ہیں . . . .

. . . . گمر یہ بھٹیارے کے خوشامدی مُلّا رموزی صاحب کے سامنے اکڑ کر چلتے ہیں اور اپنے ماتحت ہندوستانیوں کو اپنا بھٹیارہ سمجھتے ہیں،

لیکن آج سے کوئی پچاس برس پہلے ہندوستان میں عام دستور یہ تھا کہ مسافر لوگ بھٹیاروں

کی دکانوں میں قیام کرتے تھے، اور انھی کی دکان پر کھانا کھاتے تھے، مگر اب تعلیم کی ترقی سے ہندوستانیوں کی عقل میں تھوڑی سی جو روشنی پیدا ہوئی تو اُنھوں نے سمجھ لیا کہ یہ بی، اے، پاس کرکے اپنے ہی ہم قوم ہندوستانی افسروں کی غلامانہ اکڑفوں سے بچنے کا ایک یہی طریقہ اچھا ہے کہ تجارت کرو اور تھیٹر کا تماشہ دیکھو، نتیجہ یہ نکلا کہ اب بے شمار ہندوستانیوں نے کھانے کی بڑی بڑی اور شاندار دکانیں ہر شہر میں قائم کردی ہیں، اور ان کا نام بجائے دکان کے "ہوٹل" رکھ دیا ہے، ادہر ہندوستانی لوگ ابھی اعلےٰ تعلیم اور تربیت تک سے دور ہیں اس لئے وہ ہر اُس چیز کو بڑی وقعت دیتے ہیں جو یورپ والوں کے پاس نظر آجائے لہذا لفظ "ہوٹل"، کے استعمال سے اب بڑے بڑے نخرے والے ہندوستانی بھٹیاروں کی دکانوں میں پڑے رہتے ہیں یعنی قیام کرتے ہیں، اس لئے اب ہندوستان کا وہ تاریخی بھٹیارہ ہندوستان سے کم ہوتا جارہا ہے، جس کی بیوی کا ہم تذکرہ کرنے والے ہیں چنانچہ آج سے پچیس بلکہ پچاس برس پہلے اس بھٹیارے کی ایک تنگ وتاریک سی دکان ہوتی تھی جس کے آس پاس دو چار دُبلی پتلی سی چارپائیاں پڑی رہتی تھیں اور دس بارہ میلے اور گندے سے کھانے کے برتن ہوتے تھے، جس کے بیچ میں "بی بھٹیارن" بڑے نخرے سے بیٹھی بازار کی رونق بڑھایا کرتی تھیں،

اس قسم کی بھٹیارن کے متعلق اس زمانے کے تنگ دماغ اور معمولی قابلیت کے لوگوں نے جو قصے لکھ کر چھاپے ہیں اُنھیں آج بھی دھوبیوں، حجاموں، کنجڑوں، مہاجنوں، اور غنڈوں میں مزے لے لیکر پڑھا اور سُنا جاتا ہے، چنانچہ اُن قصوں کا خلاصہ یہ ہے کہ

بھٹیارن،، نہایت ہوشیار عقلمند، سیاست داں، اور چالاک عورت ہوتی ہے، اس لئے وہ اُس زمانے میں جو خدمات انجام دیتی تھی وہ یہ ہیں،

۱- حکومت کے وزیروں کو بعض نہایت مشکل سیاسی نُکتے بتا دیتی تھی جو خود وزیروں سے حل نہیں ہوتے تھے،

۲- بادشاہ زادوں اور بادشازادیوں کے درمیان حُسن وعشق اور عوام کے درمیان شادی بیاہ کے معاملات یہی بھٹیارن طے کراتی تھی،

۳- مُخبری اور سُراغ رسانی کی خدمات بھی انجام دیتی تھی،

بہرکیف یہ واقعات آج سے کئی سال پہلے کے سُنے گئے ہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کا وجود آج اس شائستہ زمانے میں بھی ثابت ہے اور بعض شہروں میں نہایت شان کے ساتھ ثابت ہے، اس کے وجود کو ثابت کرنے والی چیز اس کے کھانا فروخت کرنے کی دُکان ہے، دکان کا نقشہ جو کثرت سے دیکھا گیا ہے یوں واقع ہوتا ہے کہ ایک مختصر سی کوٹھری کے بیرونی حصے میں چند دیگچیاں اور دیگچے، چند رکابیاں اور کٹورے، جس میں بعض خالی اور بعض میں ترکاری یا سیخ کبابوں کی نہایت معمولی سیخیں، ایک طشت میں فیرنی ایک خوان میں پودینہ، پیاز اور دو چار لیموں، کبابوں کی سیخوں پر ایک آدھ ہار لٹکا ہوا، سائبان کے کنارے پر طوطے، مینا یا تیتر کا پنجرہ لٹکا ہوا، سائبان کے نیچے ایک ڈیڑھ بنچ یا کُرسیاں جو صبح صاف ہوگئیں تو شام تک گندی، اور شام کو صاف کی گئیں تو صبح کو مکھیوں کا گھر بنی ہوئیں، اندرونی حصے میں یا ایک ڈیڑھ چارپائی یا ایک آدھ کھانے کی میز، پاس ہی پانی کے مٹکے جن کی کیچڑ یا غلاظت سے کپڑے سنبھالے بغیر دکان میں جانا بھی مُشکل، اس

سازوسامان کے ساتھ یہ دکان کبھی کبھی صبح ورنہ شام کو رونق پاتی ہے لیکن دوپہر کے وقت اس میں نہ بھٹیارہ ملتا نہ بی بھٹیارن، البتہ شام کے وقت ان برتنوں کے بیچ میں بی بھٹیارن گلاب کا پھول بنکر رونق افروز ہوتی ہیں، پھر رونق افروز بھی اس گھمنڈ اور نخرے کے ساتھ گویا اُن سے کسی شخص کا بات کرلینا بھی انتہائی بہادری کا کام ہے، جس وقت یہ دکان پر تشریف فرما ہوتی ہیں اُس وقت اُن کے لباس کی رنگینیاں اور زیور کی چمک دمک ان کے خیال میں سارے بازار کی آبرو بڑھاتی ہے، پھر انھیں حسن وجمال کی طرف سے بھی اس درجہ اطمینان ہوتا ہے، کہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کے بھٹیارے شوہر صاحب صبح سے شام تک تو ان کے شوہر نظر آتے ہیں مگر دکان کے وقت وہ ان کے ملازم ہوکر رہتے ہیں، یعنی کباب سے لیکر دال روٹی اور گوشت روٹی یا پلاؤ وغیرہ غرض جو کچھ خدا نے دیا ہے وہ سب بی بھٹیارن ہی اپنے دست حنا بستہ سے فروخت فرماتی ہیں، اور شوہر صاحب یا کبابوں کی آگ کو بیٹھے ہوا دیا کرتے ہیں یا اُٹھ اُٹھ کر اور دوڑ دوڑ کر اس کے احکام کی تعمیل میں مبتلا نظر آتے ہیں، محض اس لئے کہ بیوی صاحبہ کو یہ اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ دُکان پر جتنے خریدار بھی آتے ہیں سب ان کی وجہ سے آتے ہیں، حالانکہ پشاور سے چل کر بمبئی تک کے ایک ایک شہر میں جاکر دیکھ لیجئے کہ ان کے حُسن وجمال کا کیا حال ہے بس یوں سمجھ لیجئے گویا بی بھٹیارن کی دُکان کا چولھا مع کوئلوں کے ان کی صورت پر اُلٹ دیا گیا ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ وہ اس پر بھی اپنے کو سب سے زیادہ حسین وجمیل سمجھتی ہے، چنانچہ وہ دُکان پر جس انداز سے بیٹھتی ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت خود کو قیصر جرمنی سے زیادہ با وقار و با اثر سمجھے بیٹھی ہے کیا مجال جو یہ آپ سے

ایک مرتبہ تو مُسکرا کر بات کر لے، ہر فرمائش کی تعمیل کے لئے یہ نوکروں کی طرح اپنے شوہر کو آواز دیگی مثلاً

لاؤ ذرا وہ کباب کی سیخ تو اُٹھا دو،

ذرا یہ فیرنی کے لئے وہ تراز و تو اُٹھا لاؤ،

اور اندر کھانا کھانے والوں کو پانی بھی پہونچایا یا نہیں،

ذرا آگ پر پنکھا تو جھلو تم تو بیٹھے ہوئے ہو،

اس نخرے کے ساتھ ہی وہ کبھی کبھی کسی گاہک سے مُسکرا کر بات کر لے تو سمجھئے کہ زہے نصیب وسعادت اور ایسے ہی خوش نصیب گاہک ہوتے ہیں جو پھر اس کی دُکان پر بجائے پانچ روٹیاں کھانے کے دس روٹیاں کھاتے ہیں اور حقہ بھی پی کر جاتے ہیں، یہ شروع سے آخر تک جاہلِ محض ہوتی ہے مگر خود کو تمام دنیا کے مقرّر اور لکچرار بھائیوں سے زیادہ بہتر بولنے والی تصور کرتی ہے، اسے ضرب الامثال کا خزانہ سمجھئے اور جاہلانہ فقروں اور جملوں کی موٹی سی کتاب، اب چاہے اس کی گفتگو میں ایک جگہ بھی شائستگی نہ ملے مگر وہ آپ سے جب مخاطب ہو گی اس اطمینان اور اکڑ کے ساتھ گویا آپ تو جاہل اور وہ علامہ غزالیؒ موجودہ زمانے میں اس نے یا اس کے شوہر نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس مختصر گندی اور معمولی سی دُکان پر ایک تختی یا تختہ بھی لگایا جاتا ہے، جس پر شوہر صاحب کے نام کے ساتھ اس دکان کو ہوٹل لکھا جاتا ہے، مثلاً "نبی بخش اسلامیہ ہوٹل" "محبوب ہوٹل"، "اسلامیہ ہوٹل" مگر اس ہوٹل میں داخل ہونے سے پہلے انسان کو اس کے دھوئیں اس کی غلاظت اور

اس کے ہاں کی مکھیوں کی کثرت سے طاعون، انفلوانزا، اور تپ دق کے لئے تیار ہو جانا چاہئیے چنانچہ جن برتنوں میں اس کے ہاں کھانا کھلایا جاتا ہے وہ عام طور پر ایسی دھات کے بنے ہوئے ہوتے ہیں جن پر ایک سال تک قلعی کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی، یہی حال اس کے ہوٹل کے فرش اور اُن میزوں کی گندگی کا ہوتا ہے جن پر گاہک روزانہ کھانا کھاتے ہیں، یہ میزیں اور فرش اس طرح صاف کئے جاتے ہیں کہ ان پر ایک "قانونی جھاڑو" صبح یا فرصت کے وقت پھیر دی جاتی ہے یا کوئی گندہ سا کپڑا اور بس، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر پڑا ہوا ذخیرہ تو صاف ہو جاتا ہے، مگر میل کچیل کی تہ برابر جمتی جاتی ہے، جس کے باعث میز کا اصل رنگ اور اصل سطح گندگی سے نوفٹ نیچے دبی رہتی ہے، مگر اس کے ہوٹل کی اس گندگی پر نہ گاہک احتجاج فرماتے نہ میونسپل کمشنر صاحب، کبھی اس کے ہاں کے کھانے کی میزوں کو چاقو سے کھرچ کر یا چھیل کر ملاحظہ فرماتے کہ ان پر میل اور گندگی کی تہ کتنی اونچی ہے؟ یہی حال اس کے ہاں کے پانی کے برتنوں کی غلاظت کا ہوتا ہے، مثلاً اس کے ہاں جن مٹکوں میں پینے کے لئے پانی رکھا جاتا ہے وہ اس طرح کہ ان کے اندر بس روزانہ پانی بھر دیا جاتا ہے، مگر ان برتنوں کی تہ میں کبھی نہیں دیکھا جاتا کہ پانی کے نیچے گندگی جمع ہو چلی ہے، اسی طرح اس کے ہاں پانی نہ صاف کیا جاتا نہ ٹھنڈا کیا جاتا چنانچہ آپ شدید گرمی کے موسم میں اس کے ہاں کھانا کھائیے اور پانی طلب کیجیے وہی پانی دیدیا جائیگا جو شوربے اور سالن کے برابر گرم ہوگا، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ گرمی کے موسم میں گاہک اپنے ساتھ برف خرید کر لاتے ہیں، اور بی بھٹارن کی دکان کے پانی میں ملا کر پیتے ہیں،

بھٹیارن صاحبہ کی دکان کی اس غلاظت اور گندگی کے ذمّہ دار اصل میں اُس کے ہاں کے خریدار ہیں اور پھر وہاں کی مینوسپلٹی جو اس کے ہاں کی صفائی اور حفظانِ صحت کے اصول کی تکمیل پر توجہ نہیں کرتے، گاہک تو اس لئے توجہ نہیں کرتے کہ اس زمانے میں بھٹیارن کی اس قسم کی دُکان پر صرف جاہل غُنڈے اور مزدوری پیشہ لوگ ہی جاتے ہیں جو اس کی اصلاح اور صفائی کے لئے احتجاج اور انتظام کرانے کے طریقے نہیں جانتے، مگر مینوسپلٹی کے ارکان اس دکان کی بیماری اور وبا پھیلانے والی گندگی کے اس لئے ذمّہ دار ہیں کہ وہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، مگر پھر بھی وہ کھانے کی دُکانوں میں ظاہری صفائی کے سوا اس کی مضرت رساں گندگی کو دور کرنے پر متوجّہ نہیں ہوتے مگران کے متوجّہ نہ ہونے کا سبب بھی اُس شہر کے عوام کی بے خبری ہے، ورنہ جس دن دس بارہ غُنڈے مینوسپلٹی کے صدر صاحب کے مکان پر پہونچکر یہ عرض کریں کہ بس دیر نہ کیجے اور چلئے فلاں نان بائی یا بھٹیارے کی دکان میں کافی صفائی کا بندوبست فرما دیجے اُسی دن سے اُس شہر کی تمام دُکانوں میں نہایت معقول صفائی نظر آنے لگے،

الغرض بھٹیارن جوانی کی عمر سے گزر کر جب بڑھاپے کی طرف سفر کرتی ہے تو اس کی مزاجی حالت نہایت ابتر اور تکلیف دہ ہوتی جاتی ہے، مثلاً وہ اب لباس اور زیور کے حساب سے بھی نہایت "واہیات سی عورت" ہوجاتی ہے، چنانچہ اس کا یہ "واہیات پن" کیا کم ہوتا ہے، کہ یہ اب حُقّہ پینا شروع کر دیتی ہے، اور کبھی کبھی افیون سے بھی لُطف اُٹھاتی ہے، اور اِن "لطیف غذاؤں" کا یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اب اُس سے سیدھی طرح بات کرنا محال ہوجاتا ہے، جہاں آپ نے اُس سے

کوئی سوال کیا اور اُس نے یوں جواب دیا گویا جوتا مار دیا، اب اُس کی زبان نہ شوہر کے بس کی نہ بازار والوں کے قابو میں، اور ویسے بھی اب یہ ذرا "وسیع المعلومات" سی ہوتی جاتی ہے، چنانچہ اب گاہک کا دکان پر بیٹھنا مصیبت ہے، جہاں آپ پہونچے اور اس نے خلافت ایجی ٹیشن اور کانگریس کے رضا کاروں کی بُرائی شروع کی، مگر اس درجہ بے موقع اور بے ربط کہ خدا کی پناہ اگر اُسے کسی آنریری مجسٹریٹ کا نام یاد ہے، تو وہ جہاں سے چاہیگی اس کا قصہ شروع کر دیگی اور جب چاہیگی شہر کو توال کا قصہ سُنانے لگیگی، پھر آخری مصیبت یہ کہ نہ آپ سے مخاطب ہوگی نہ آپ کی طرف دیکھیگی، مگر زبان ہوگی کہ قینچی طرح برابر چلتی رہیگی، اب وہ دنیا کی نہیں تو اپنے شہر کی ہر چیز اور ہر بات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتی ہے، اس لئے پردیسی گاہکوں کے لئے ایک حد تک وہ رہنما کا کام دیتی ہے، مثلاً آپ تلاش معاش میں اُس شہر میں داخل ہوں تو وہ یہاں کے وزیر صاحب تک کا نام بتا دیگی، مگر ساتھ ہی یہ کہہ کر رہیگی کہ میاں وہ بڑا لالچی آدمی ہے گرہ میں اگر کچھ ہو تو وہ آپ کے لئے سب کچھ کر دیگا ورنہ پھر کچھ بھی نہیں، وہ یہ بھی بتا دیگی کہ حکیم محمد احمد صاحب دہلوی کا علاج زیادہ فائدہ کرتا ہے، یا حکیم نابینا صاحب کا، وہ یہ بھی بتا دیگی کہ جانکی بائی الہ آباد والی اچھا گاتی ہے، یا مشتری جان آگرہ والی، وہ یہ بھی بتائیگی کہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں قوالی کس عُرس میں ہوتی ہے، اور مولٰنا احمد سعید صاحب دہلوی کے وعظ کا وقت کب سے کب تک ہے، وہ ہندوستان میں انگریزوں کی چالاکیوں اور مظالم کو بھی بیان کریگی، اور ان سے پہلے کے زمانے کی تعریف بھی سُنائیگی، اور وقت آنے پر وہ مولویوں کو بھی سیدھی سیدھی سُنا دیگی، اور صوفیوں کو بھی، اور کوتوال صاحب کے تذکرہ کو بچا کر وہ عدالت کے

جج صاحب تک کی بُرائیاں کرنے سے باز نہ رہیگی، خاص کر پچھلے زمانے کے عدل و انصاف اور طریق حکومت کے مہمل اور بے معنے حوالے ضرور دیگی، اور اسی سلسلے میں وہ ایک آدھ کہانی بھی بطریق مثال شروع کر دیگی پھر آپ کا جی چاہے سُنیں ورنہ وہ خود اسے بیان کرلیگی اور خود ہی سُن لیگی، چنانچہ ایسا بھی ہوا ہے کہ اس کی سابق گاہک سے شروع کی ہوئی کہانی کو تازہ گاہکوں نے سُنا ہے،

اس کی زندگی کا سب سے خطرناک حصّہ اس کی وہ لڑائی ہے جو دکان پر یہ اپنے گاہک سے لڑتی ہے اور جس کے لئے آج تک دنیا کے کسی ایک قانون میں کوئی صراحت اور شرح یا دفعہ اور قاعدہ نہیں بتایا گیا، کہ آخر اس لڑائی کا حق اُسے کیوں کر ملا، پھر یہ کہ اُسے کس حیثیت سے گاہک سے لڑنا چاہئے، کس وقت لڑنا چاہئے، کس قسم سے لڑنا چاہئے کتنی دیر تک لڑنا چاہئے، کس کے سامنے لڑنا چاہئے، اور پھر یہ کہ لڑنا ہی کیوں چاہئے، سیدھی طرح معاملہ صاف اور طے کیوں نہ کرلینا چاہئے؟ پھر یہ کہ اگر لڑتی ہے تو اپنی دکان کے گاہک سے لڑے، مگر دوسری پاس والی دُکان کے گاہک کی لڑائی میں تو اپنی دُکان پر بیٹھی ہوئی اُس طرف مُنہ پھیر کر کیوں برس رہی ہے؟ پھر یہ بھی کوئی دریافت کرے کہ اے معمولی سی بھٹیارن وہ جو تیرا ایک مرد اور شوہر ہے وہ تو اپنی ساری عمر خاموش ہی رہا اور کسی سے نہ لڑا مگر تو ہے کہ بیوی ہو کر ہر آنے اور جانے والے سے جو اُلجھنے کو اُدھار کھائے بیٹھی رہتی ہے تو آخر کیوں؟ پھر یہ کہ اگر تو لڑنے ہی کو کارِ خیر سمجھے ہوئے ہے تو خیر لڑ، مگر خدا کے لئے اتنی دیر تک نہ لڑ کہ لڑنے والا گاہک اپنے گھر تک پہونچ جائے مگر تیری بڑبڑ اور ٹرٹر کا تار ہی نہ ٹوٹے،

پھر اس سے یہ بھی دریافت کیجے کہ جب تو لڑتی ہے تو اس طرح کیوں لڑتی ہے کہ تیرا شوہر بجائے گاہک کے اُلٹا تجھے ڈانٹتا ہے مگر تو ہوتی ہے کہ اس پر بھی دم نہیں لیتی، اس کی لڑائی کا انجام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ گاہک تو صبر کر کے گھر چلا جاتا ہے مگر یہ برابر ٹر ٹر کرتی رہتی ہے، اور آخر کار تھک کر خموش ہو جاتی ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے جس کی کوئی تمہید نہیں ہوتی مثلاً جو چیز گاہک خریدنا چاہتا ہے اُس کی حیثیت یا اُس کی قیمت سے جھگڑے کا آغاز ہوتا ہے، اور یہ کہتی ہے کہ

میاں تم نے کبھی پردیس کی صورت بھی دیکھی ہے ؟

کبھی عمر میں خریدا بھی تھا ؟

کس گانؤں کے رہنے والے ہیں آپ ؟

جب گرہ میں ٹکا نہ تھا تو پھر دکان پر تشریف ہی کیوں لائے ؟

میں سمجھتی ہوں کہ گھر سے نکلنے کا شاید پہلا ہی موقع ہے ؟

بس تو رکھ دیجے یہاں ڈھائی آنے اور،

تو کیا مسافر خانہ سمجھا ہے میری دکان کو ؟

تو کیا ہم کوئی "کمین ذات ہیں" ؟

تو پھر آپ سے کیوں باہر ہوتے آپ ؟

بس زبان کو قابو میں رکھئے،

ذرا ہوش کی لیجے ورنہ ابھی معلوم ہو جائیگا آپ کو،

تو کس نے ہاتھ جوڑے تھے آپ کے ؟

بہت خوب بہت خوب سچ فرمایا آپ نے،

چھا توبس لائیے وہ ڈھائی آنے تو میں ہو جاؤں خموش،

ال دیا ہے مال، ہیں کس خیال میں آپ؟

اے حضت کسی کا پیسہ رکھ لینا آسان کام نہیں ہے،

یہاں بڑے بڑوں کو دیکھ لیا ہے آپ ہیں کیا چیز؟

ہاں ہاں ہم تو ڈھائی آنے ہی لیتے ہیں اس کے،

تو پھر آپ کی خوشامد کی تھی میں نے ؟

واضح ہو کہ اس وقت بی بھٹیارن کے میاں بھٹیارے صاحب ہوٹل کے کسی گوشے میں یادم بخود نظر آتے ہیں یا حقہ پینے میں مصروف، اب اگر کہیں بولتے ہیں تو اتنا کہ اپنی ہی بیوی کو چُپ ہو جانے کی ہلکی سی ہدایت فرما کر پھر حقّہ پینے لگتے ہیں، اور جو کہیں شوہر صاحب کے "دخل در گاہک" سے گاہک رخصت ہو جائے تو پھر یہ بھٹیارن اپنے شوہر پر ٹوٹ پڑتی ہے،

تمہیں بیچ میں بولنے کی کون ضرورت تھی؟

تو خبر بھی تھی کہ میں کیا کہہ رہی تھی اُس سے ؟

تو پھر تم ہی "چلا لو دُکان"

میں تو کہتی ہوں کہ تمہیں بیچ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی،

تمہاری باتوں ہی سے تو میرے ڈھائی آنے گئے ضائع،

تمہیں خبر کیا تھی کہ معاملہ کیا ہے؟

مگر تم سے بولے بغیر رہا جائے جب نا ؟

تم اپنا حقّہ چھوڑ دو جب ؟

تو کس نے کہا تھا کہ تم میرے اور گاہک کے درمیان بولو،

میں تو یہ کہتی ہوں کہ معاملہ تو سمجھ لیا ہوتا پہلے تم نے،

وہ بھی تو مجھے سُنا رہا تھا خوب خوب،

اچھا تو کل سے تم میری جگہ بیٹھ کر دیکھ لو،

مسافر تو تھا تو کیا دام چھوڑ دیتی اپنے ؟

اور وہ جو کل سے کہہ رہی ہوں کہ آٹا خراب آرہا ہے،

اور یہ آج کے کبابوں کا گوشت تم لائے تھے یا وہ سدّو؟

وہ تو میں خیال نہ کرتی تو یہ بھی نہ ملتا اور اوپر سے ہیں کہ معاملات میں دخل دیتے ہیں آپ،

اچھا تو ایسا میں نے کیا کہہ دیا تھا اُس سے،

کونسی فوجداری کی تھی میں نے ؟

بھٹیارن کی لڑائی سے بعض اوقات ڈپٹی کلکٹروں اور گورنروں تک کی سواری رُک جاتی ہے، اس طرح کہ اس کی لڑائی کا شور سُن کر راہ گیر ٹھہر جاتے ہیں اور آن کی آن میں اس کی دکان کے سامنے خاصا ہجوم ہو جاتا ہے اس ہجوم کی وجہ سے آنے جانے والے تانگے رُک جاتے ہیں اور ان کے پیچھے گورنر صاحب کا موٹر کھڑا چیختا رہتا ہے،

اس کا مکان نہایت تاریک اور گندہ ہوتا ہے، یہ خود دکان کے بعد نہایت غلیظ اور گندہ

رہتی ہے، مزاج کی بے حد سُست اور کاہل، حکومت کرنے کی عادی، اور بات بات پر لڑنے کو تیار، اس کی اولاد یکلخت جاہل، آوارہ، قمار باز، اور چانڈو نوش ہوتی ہے، یہ مفلس اور تنگدست رہنے کی عادی ہوتی ہے، دولت جمع کرنا اس کے امکان میں نہیں، ہمیشہ قرضدار، اولاد کم، پھر بھی زیور کی عاشق، مذہب سے یکسر ناواقف، شوہر پر حاوی، صورت کی بھونڈی اور کالی، اور زبان کی نوک پر تو تڑاق اور گالی، فقط،



دھوبی کی بیوی

دھوبی وہ جو ہمارے آپ کے اور ساری دنیا کے کپڑے دھوتا ہے، بظاہر تو لفظ "دھوبی" کا اطلاق اُس حقیر سے انسان پر ہوتا ہے جو کپڑے دھوتا ہے لیکن بین الاقوامی اور بین الجماعتی لحاظ سے دھوبی کی ذات نہایت اثر انداز اور تہلکہ ڈالنے والی ذات ہے، اس کے اثرات سے نہ فقط عوام بلکہ خواص اور خواص کے بھی خواص متاثر ہوتے ہیں مثلاً آپ یہی دیکھ لیجئے کہ دھوبی جس طرح ہمارے آپ کے گھروں پر کپڑے لینے آجاتا ہے اُسی آسانی کے ساتھ وہ وئیسرائے اور ملک معظم کے کپڑے لینے ان کے محلات پر چلا جاتا ہے اور کیا مجال جو اُسے یا اُس کے ننھے میاں کی والدہ کو ایک سپاہی یا پچاس سپاہی بھی ملکر روک تولیں، بلکہ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ دنیا کے تمام امیروں اور رئیسوں کے ساتھ دھوبی ضرور رہتا ہے، ویسے بھی یہ ہر انسانی جماعت کے لئے اس درجہ ضروری چیز ہے کہ اس سے قطع تعلّق کرنا گویا اپنی شرافت، اپنی شہرت، اپنے اثر اور اپنی حیثیت پر داغ اور دھبّہ لگانا ہے کیونکہ جب سے پڑھے لکھے انسانوں نے ہر شخص پر اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑے دھونا معیوب قرار دیدیا ہے اُس وقت سے دھوبی کے اثر اور اقتدار میں بغیر موت کے پھانسی تک دیدینا شامل ہو گیا ہے، اور شریفوں کے لئے اس کا پھانسی پر

لٹکا دینا نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ عین عید کی صبح کو اُس کے گھر پر کھڑے ہوئے چلّاتے ہیں کہ

ابے ملعون تو کیا آج عید کے دن بھی یہ میلے کپڑے پہن کر جائیں ؟

اور یہ اُس وقت بھی نہایت اطمینان کے لہجہ میں کہتا ہے کہ دے تو رہا ہوں میاں آپ کے کپڑے بس یہ ذرا عبداللہ خاں کے کپڑے اور تیار کر لوں، پھر اس کی یہ شان کیا کم ہے کہ یہ آپ کے کپڑوں میں سے جس کپڑے کو ذرا صاف اور شاندار پاتا ہے اُسے دھونے سے پہلے خود ایک ہفتہ تک پہن کر اکڑتا ہے، مگر آپ سے نہیں ڈرتا،

پچھلے زمانے کے دھوبی آج بھی نہایت تنگ و تاریک مکانات میں رہتے ہیں، مگر اس زمانے کا دھوبی شہر بمبئی میں "بالسٹر" کی حیثیت سے ایک شاندار دکان میں رہتا ہے، البتہ عام دھوبیوں کے مکانات کی شان یوں نظر آتی ہے کہ ایک تاریک مکان میں آپ سب سے پہلے اُس کا "پارچہ بردار" ٹٹو یا گدھا یا نیلام شدہ خچر یا موٹا تازہ سا بیل، بندھا ہوا نظر آتا ہے جس پر دہ تمام دنیا کے کپڑوں کا انبار لاد کر گھاٹ پر لیجاتا ہے اور کبھی کبھی اس انبار کے اوپر خود بھی بیٹھا ہوا نظر آتا ہے، ورنہ اس کے دو ننھے میاں تو اس سواری سے چوکتے ہی نہیں، اس کا گدھا اکثر ایسے حصّہ مکان میں بندھا رہتا ہے جس کے بالکل ہی قریب آپ کے اور تمام محلے اور شہر کے شریفوں کے کپڑوں کا انبار لگا ہوتا ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ اگر اُس کا گدھا گھانس چرتے چرتے کبھی کپڑے چرنا چاہے تو آسانی سے چر سکتا ہے اسی لئے کبھی کبھی سُنا ہے کہ وہ اپنے ننھے میاں کی والدہ سے چلا کر یہ کہتا ہے کہ " اری

اندھی دیکھ وہ گدھا کپڑے کھا رہا ہے "ذرا بھگا اُسے جلدی"

اس کے اقتدار اور اثر کا دوسرا نمبر یہ ہے کہ اپنے ہاں کے جمع کئے ہوئے کپڑوں کے انبار پر دھوبی کے پانچ چھ ننھے میاں ہر وقت کھیلتے اُچھلتے، کودتے، پھاندتے اور گھسیٹ گھسیٹ کر بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور کہیں کہیں والد صاحب کی نظر بچا کر انہی کپڑوں کے اندر پیشاب بھی فرما دیتے ہیں اور پھر کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں، اسی لئے تو یہ بڑے "مولوی صاحب" کی قسم کے لوگ دھوبی کے عوض خود اپنے ہاتھوں سے جامع مسجد میں کپڑے دھو لیتے ہیں، مگر دھوبی کو نہیں دیتے، دھوبی کے گھر میں بڑا اہتمام اُس "کارخانہ پارچہ شوئی" کا ہوتا ہے جسے بعض لوگ "بھٹی" اور بعض لوگ "بھٹا" کہتے ہیں چنانچہ جب کپڑے اس بھٹی کے اندر ڈال دیے جاتے ہیں تو پھر اگر پولیس بھی چاہے تو وقت پر انہیں نکال نہیں سکتی، مثلاً جب آپ دھوبی کے گھر کپڑوں کے لئے جائیے یہی جواب ملیگا کہ ابھی بھٹی گرم ہو رہی ہے پرسوں ملیں گے آپ کے کپڑے"

دھوبی یقیناً ایک برادری والا انسان ہوتا ہے جو ایک منتظم حیثیت کی جماعت سمجھی جاتی ہے، اس برادری کے آداب و رسوم خاص ہوتے ہیں جن کا ہر دھوبی پابند ہوتا ہے، اس کے ہاں دوسری برادری اور جماعت میں شادی بیاہ جائز نہیں ہے" لہذا اس کی بیوی بھی اسی برادری سے ہوتی ہے، جو نہایت درجہ جاہل خاندان میں پیدا ہوتی ہے، اور جاہلانہ رسوم و حالات کے ساتھ پرورش پاتی ہے، اس کی پیدائش پر حسب حیثیت مسرت اور تقاریب کا سامان کیا جاتا ہے، اس کے ہاں کم عمری کی شادی

جائز ہے اور بعض کے ہاں منع، اس کی تربیت اور تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا بس جاہل ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے اور کپڑے دھونے کا کام سیکھ جاتی ہے، اور بس، البتہ یہ شادی ہو جانے کے بعد نہایت "عُلّامہ"، ہو جاتی ہے، خصوصًا ابتدائی عہد میں تو اس کے پاس کپڑے لینے جانا خود کو موت کے مُنہ میں دینا ہوتا ہے، یہ صبح اور شام کے وقت سر سے لیکر جہاں تک اس کا بس چلتا ہے وہاں تک نیچا گھونگھٹ فرمائے نظر آتی ہے، مگر اس نظری حجاب کے یہ معنیٰ نہیں ہوتے کہ وہ کوئی بڑی ہی شرمیلی دُلہن ہے بلکہ اس گھونگھٹ کے اندر اُس کی ہاتھ بھر کی وہ زبان ہوتی ہے جس سے نہ سڑک پر کھڑا ہوا پولیس کا سپاہی محفوظ نہ ہم اور آپ، چنانچہ جس نے بھی اس سے اپنے کپڑے مانگے اور اس نے گھونگھٹ ہی کے اندر سے فرمایا،

دھرے ہیں کپڑے ابھی سے،

وہ پچھلے مہینے کے دام تو دو پہلے، پھر لینا کپڑے،

تو آپ کے ہاتھ کون جوڑتا ہے، دُھلوا لیجے کسی اور سے،

ہاں ہم تو مہینے میں دو مرتبہ ہی دیسکتے ہیں کپڑے،

مجھے نہیں معلوم وہ کہاں رکھ گئے ہیں آپ کے کپڑے،

بس تو اُنھی سے لیجانا کپڑے،

اے میاں ایک روپلی میں سارے گھر کے کپڑے ہم سے تو نہیں دھوئے جاتے،

مردوں سے اس نخرہ سے گفتگو کے مقابل یہ ہمارے آپ کے گھر کی عورت ذاتوں سے جو

گفتگو کرتی ہے اُس میں یہ فرق ہوتا ہے کہ غریب گھرانے کی عورتوں سے جو بات کرتی ہے کافی نخرے سے اور امیر عورتوں سے جتنی دیر بات کرتی ہے کافی ادب، کافی خوشامد، اور کافی دعائیں دیکر،

اور جو کہیں یہ ہوئی افسروں اور رئیسوں کے کپڑے دھونے والی، پھر تو عوام سے اس کے نخرے کا اندازہ ہی محال ہے، حد سے سوا شوخ اور بھڑک والا لباس پہنے گی، بھونڈا زیور اس کے سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخن تک نظر آئیگا، چلیگی تو نخرے سے اور بات کریگی تو نخرے سے، غرض یوں سمجھئے کہ وہ دھوبی کی بیوی ہونے پر خود کو دھوبی کی بیوی نہیں سمجھتی،

اس کے ہاں اولاد کی تعداد بھی کافی ہی نظر آتی ہے، لیکن اس کی عملی مستعدی اور اس کی بہادرانہ جرأت کا اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب یہ اپنے گھر سے تین چار سو کپڑوں کی گٹھری سر پر لیکر اس طرح گھاٹ کو جاتی ہوئی نظر آتی ہے کہ سر پر اتنا بوجھ، اور گود میں ایک بچہ دودھ سے چمٹا ہوا اور دو چار آگے پیچھے روتے ہوئے یا کھیلتے ہوئے اور ان سب کے آگے اس کے کپڑے لیجانیوالا گدھا، گویا بہ یک وقت وہ ایک گدھے اور دو تین بچوں کی کمانڈ بھی کرتی جاتی ہے، خود بھی بوجھ اُٹھائے رہتی ہے، اور ایک بچے کو دودھ بھی پلاتی جاتی ہے،

اس کے بعد اس کا گھاٹ اس کے عمل کا مرکز بھی ہوتا ہے، اور یہی اس کی دوسری آرام گاہ بھی بن جاتا ہے، چنانچہ یہ عین اُس وقت جبکہ صبح صادق سے بھی کچھ پہلے اپنے بڑے مولوی صاحب نماز کے لئے کھانسنا شروع کرتے ہیں اور اُن کے ہاں کا سفید مُرغا اذان دینا شروع

کرتا ہے یہ کسی دریا یا کسی تالاب کے پانی میں اُتر جاتی ہے، اور ہمارے آپ کے نفیس اور نازک کپڑوں کو کسی بڑے پتھر پر یوں اُٹھا اُٹھا کر دے مارتی ہے کہ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ اسی پتھر پر اس "دھوبن" کو دے ماریں، مگر یہ مسلسل دو تین گھنٹے تک پانی میں رہتی ہے، عام اس سے کہ جاڑے کا موسم ہو یا برف باری کا، اب یہ پانی سے باہر آ کر دھوئے ہوئے یا بے دھوئے ہوئے کپڑوں پر بے تامل بیٹھ جاتی ہے اور اپنے بچّے کو دودھ پلانا شروع کر دیتی ہے، اور کبھی جو ہوا وقت دوپہر کا تو پھر دودھ پلاتے پلاتے ہی انہی کپڑوں پر مع بچّے کے خود بھی چت پڑی ہوئی نظر آتی ہے اور اسی جگہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے کام یا اپنی روزی خود کمانے میں کتنی مستعد اور عملی عورت ہے، کہیں کہیں یہ مزاج کی چور بھی واقع ہوتی ہے، چنانچہ وہ آپ کے ہمارے کپڑوں میں سے بعض عمدہ سا کپڑا دوسرے شخص کو خفیہ طور پر فروخت بھی کر دیتی ہے، اور آپ سے کہہ دیتی ہے کہ وہ کپڑا مجھے گھر سے دیا ہی نہیں گیا، یا دیا تھا مگر کھو گیا، اس موقع پر اس کے اور کپڑے مالک کے درمیان جرمنی کی جو لڑائی نظر آتی ہے خدا اُس سے ہر شریف انسان کو بچائے۔

تو میرے بھی تو تین مہینے کے دام ہیں آپ کی طرف،

میاں کا ایک کپڑا کیا کھو گیا کہ اب ہم ہو گئے چور زمانے کے،

تو اپنے کپڑے کے دام ہی لو گے کہ کسی کی جان؟

ہاں ہاں حضور ہم تو ہیں کمین ذات مگر آپ اشراف ذات ہیں تو ہمارا بھی حساب صاف کر دیجے

ہاں ہاں میں اولاد کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے وہ کپڑا نہیں دیا،

اچھا اچھا تو آپ اول فول کیوں بولتے ہیں بس کاٹ لینا ہماری تنخواہ سے جتنا جی چاہے،

دیا بھی تھا کبھی انعام،

بس رہنے بھی دیجے حضور کیوں مجھ سے زیادہ........

ہاں ہاں کہہ تو رہی ہوں کہ..........

اچھا تو پھر کوتوالی میں بند کرا دیجے اب آپ،

کس کے سامنے؟

جھوٹ جھوٹ،

اس درمیان میں کہیں کہیں ان کے شوہر صاحب بھی فرماتے جاتے ہیں بس تو چپ ہو جانا تو ہی

ہاں ہاں تو دام دیدیں گے پھر کیوں چلا رہی ہے تو،

حضور میں ذمہ دار ہوں وہ تو ہو گئی ہے دیوانی،

بس تو آپ مجھ سے لینا،

اس موقع پر یہ شوہر صاحب کو بھی وہ سناتی ہے کہ سنئے اور مست ہو جائیے،

بس تو پھر تم ہی لانا اُن کے کپڑے،

تو تم بیچ میں کیوں بولے،

کیا تم گئے تھے کپڑے لانے،

تو اُن کی بھی سُنی تھیں باتیں،

اچھا تو اب تم ہی دھونا اُن کے کپڑے،

کپڑے دھونے میں مُستعد مگر گھر کے کاموں میں میلی اور سُست، مکان اور اُس کا سامان گندہ، صرف اپنا لباس اور زیور صاف نہ زیادہ فضول خرچ نہ زیادہ جمع کرنے والی، اولاد کی تربیّت میں نہایت جاہل اور بے پروا، شوہر کی عزّت کرنے والی مگر کبھی کبھی برا سے لڑنے والی، اپنی روزی کمانے میں خود نہایت ہوشیار، چالاک، شوہر کی طرح اولا سے بھی بے پروا،

شدید قسم کی جاہلانہ رسوم کی پابند، نہ مذہب سے خبردار نہ دنیا کی کسی دوسری تحریک سے واقف،

بہت بڑھی تو میلے اور تہوار کے دن بچّوں کے کپڑے ذرا عمدہ بنا دیئے ورنہ ننگ دھڑنگا کم شرمانے والی، زیادہ بولنے والی، اور زیور کو بڑھاپے تک نہ چھوڑنے والی، بے حد حریص اور لالچی، چنانچہ تقریبات میں جتنا بھی انعام دیجے آخر میں اتنا ضرور کہیگی کہ ایک روپیہ تو اور دیدیجے، ابھی تو کچھ بھی نہ ملا، بے حد مکّار، اور جھوٹ بولنے والی، چنانچہ جب یہ کہے بس جمعہ کے دن لادونگی کپڑے تو سمجھ لیجے کہ دوسرے جمعہ کو بھی دیدے تو احسان ورنہ چاند کی پہلی کو، سو وہ بھی اس طرح کہ آپ خود دس مرتبہ اس کے گھر جا کر گالیاں دیں یا ملازم کے ذریعہ اسے مسلسل غزلیں اور نظمیں سُناتے رہیں، اسی عادت کی بنا پر وہ کبھی کبھی کپڑے والوں کے طمانچے بھی تناول فرماتی ہوئی دیکھی گئی ہے،

بھنگی کی بیوی

بازاری تعلقات، خدمات، اور اثرات کے لحاظ سے بھنگی بیوی کا رتبہ بھی خاص ہے، یہ انسانی ضروریات اور خدمات کے لحاظ سے نہایت ضروری بیوی لفظ "بھنگی" کے ظاہری معنے کے لحاظ سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ بیوی، غلاظت، گندگی، اور میلے پن کی ایک نہایت گھناؤنی پوٹ ہوگی اور ایک حد تک ایسی ہی ہوتی بھی ہے لیکن بعض حالات کے ساتھ یہی "بھنگی زادی"، بعض اشراف اور امراء کے گھر کی ملکہ بھی بن جاتی ہے،

بھنگی کی پیدائش بھنگی ہی کے گھر سے ثابت ہے، دوسرے ممالک کو چھوڑ کر ہندوستان میں "بھنگی" سے زیادہ ذلیل، پست، خوار اور پلید دوسرا کوئی انسان نہیں سمجھا جاتا اسی لئے اس کے خواص میں بھی حد سے سوا بےچارگی، بندگی، غربت، ذلت اور پستی بطریق ضابطہ موجود ملتی ہے، یعنی ایک بھنگی خود کو ہر انسان سے نہایت درجہ پست، ذلیل، کمزور، اور سب سے نیچے درجہ کا انسان سمجھا جاتا ہے، اور یہ اس لئے کہ ابتدا ہی سے اُس کے ساتھ جماعت میں نہایت ذلیل اور ذلت انگیز برتاؤ روا رکھا گیا ہے، چنانچہ جماعت یا عام افراد کی طرف سے بھنگی انسان کے ساتھ جس قسم کے تعلقات رکھے جاتے ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں

ا بھنگی، اُس کی بیوی، اور اُس کی اولاد، اور اُس کے جملہ متعلقات سے چھو جانا، ہاتھ لگانا

یا اُس کے قریب سے گزرنا "ناپاکی" پلیدی اور گناہِ عظیم کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ جاہل طبقات میں سے اگر کوئی شخص کسی بھنگی سے سہوًا بھی چھو جائے یا اُس کے کپڑے سے کپڑا چھو جائے تو اس صورت میں چھو جانے پر غسل کرنا اور اُن کپڑوں کو یا پھینک دینا یا از سرِ نو پاک کرنا فرض سمجھا گیا ہے،

۲۔ بھنگی کو اشراف کی آبادی میں رہنے کے لئے جگہ دینا جماعت میں ممنوع ہے، اسی لئے بھنگی ہمیشہ آبادی سے ایک طرف اور دور گھر بناتا ہے،

۳۔ بھنگی ضرورت کے سوا آپ کے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا،

۴۔ اُس کے آدابِ گفتگو یہ ہیں کہ اُس سے آپ جب مخاطب ہوں تو۔ تو۔ تڑاق سے اُسے مخاطب کریں، اور وہ جب آپ کو جواب دے یا آپ سے بات کرے تو آپ کو حضور، اَن داتا، مائی باپ، مالک، آقا، اور سرکار کہے اور اس طرح کی گفتگو کو نہ آپ معیوب سمجھتے نہ بھنگی اسے غیر منصفانہ برتاؤ قرار دیتا،

۵۔ بھنگی کو اپنے سامنے کا بچا ہوا کھانا، باسی ترکاری، اور گندگی سے بھرا ہوا کھانا دینا بھی جائز ہے اور بھنگی اپنی گندہ ذہنیت کے باعث اسے بغیر کسی اعتراض اور نفرت کے قبول بھی کر لیتا ہے،

۶۔ جماعت کے اس ذلّت انگیز برتاؤ نے جب ایک ضابطہ کی صورت اختیار کر لی تو بھنگی کی نسل اور طبیعت تک میں گندگی اور ذلّت نے جگہ پکڑ لی، چنانچہ اُس کے اندر گندگی اور ذلّت پسندی کے جملہ خواص موجود نظر آتے ہیں،

البتہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے ہندوستان میں جو ذہنی اور عقلی انقلاب شروع ہوا ہے اُس کے اثر سے یہاں کی بعض پست اور ذلیل جماعتوں میں اپنی فطری خودداری، اور تبدیلی کا ایک خفیف سا احساس پیدا ہو گیا ہے جس کے زیر اثر، حجام، دھوبی، چمار اور بھنگی، برادری میں نئی زندگی کے آثار اور اعمال نظر آنے لگے ہیں، چنانچہ ایسی جماعتوں میں اپنی برادری کی تنظیم، تفوق، تعلیم، اور رسوم بد کی اصلاح کے لئے انجمنیں، اور لیڈر پیدا ہو گئے ہیں، جو اپنی اپنی جماعتوں کو عام انسانوں کے برابر ترقی دینے کے لئے ساعی ہیں، لیکن پست جماعتوں کے اس احساس کی رفتار اس لئے ابھی سست اور نا قابلِ التفات ہے کہ اُن میں دیرینہ جہالت کے اثرات کافی سے زیادہ موجود ہیں، اس لئے وہ جدید انقلاب اور تبدیلی کو مذہبی اور قومی روایات کا مخالف اور ایسے اعمال کو مذہبی گناہ سمجھتے ہیں، جو نیم تعلیم یافتہ ہونے کے باعث پست جماعتوں کو عام انسانی حقوق دینے اور دلانے کو اپنے اقتدار کے خلاف سمجھتی ہیں اسی لئے پست جماعتوں کے مصلحین کو اصلاح کے لئے عام تائید حاصل نہیں ہوتی، پھر بھی اعلےٰ جماعتوں کی اصلاحی تدابیر اور ترقی حاصل کرنے کے ذرائع کو دیکھ کر پست اقوام کے افراد نے اپنی اپنی جگہ کام شروع کر دیا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ ہندوستان کی پست اقوام کو عام انسانوں کے برابر ترقی حاصل کرنے کے جو مواقع انگریز قوم نے دیئے وہ ان سے پہلے نظر نہیں آتے، مثلاً انگریزوں نے اپنی جاری کردہ عام سواریوں مثلاً ریل، موٹر کار، سائیکل، مسافر خانوں، اور سٹیشنوں پر پست جماعتوں کے لئے کوئی ممانعت اور خصوصیت روا نہیں رکھی اور اسی لئے جس ریل میں آپ سفر کر سکتے ہیں

اُسی میں ایک بھنگی اور چمار بھی سفر کر سکتا ہے، اسی طرح انتظامی امور میں بھی انگریزوں نے متعدد مواقع پر پست جماعتوں کو برابر کے حقوق دیکر اُنھیں ترقی کے مواقع بہم پہونچائے مثلاً ایک چمار اور بھنگی کا لڑکا اور اُس کی لڑکی ہر انگریزی تعلیم گاہ میں اُس کی عام شروط کے ساتھ ہمیشہ سے داخل ہو سکتا ہے اور داخل ہو سکتی ہے، اسلام میں بھی پست اور اعلےٰ جماعت کا کبھی کوئی معیار قائم نہیں ہوا لہذا اب وہ لوگ پست جماعتوں کے محسن نہیں کہے جا سکتے جو آج اُنھیں ترقی دلانے چلے ہیں بلکہ یوں کہئے اور نہایت دیانت سے کہئے کہ اگر انگریز قوم اپنے نظم حکمرانی میں پست اقوام کے لئے مذکورہ بالا اور ان سے بھی سوا مراعات کو جائز نہ رکھتی تو پست اقوام کا موجودہ احساس ترقی کبھی بیدار نہ ہوتا، چنانچہ انگریزوں کے جملہ قوانین میں بعض خاص الخاص حالات کے سوا اعلےٰ اور پست اقوام کے ساتھ یکساں برتاؤ کو جگہ دیکر موقع بہم پہونچایا گیا ہے کہ پست اقوام آگے بڑھیں، چنانچہ پست اقوام کی جد و جہد تعلیم، تمدن، معاشرت، تجارت، ملازمت، خدمت، غرض ہر شعبے میں جاری ہے اور نام یہ ہے کہ ہندوستان کے بعض وسیع حوصلہ افراد اپنے ہاں سے پست اقوام کا امتیاز اور فرق مٹانے کے لئے بیدار ہو چلے ہیں، حالانکہ پست اقوام کی بیداری پہلے انگریزی حکومت کی، پھر طبعی ارتقاء کی ممنون کرم ہے اور پھر جس میں غیر اقوام کے میل جول اور حالات کی اطلاع خصوصاً اخبارات کی کثرت نے مزید جوش اور بیداری پیدا کر دی ہے، چنانچہ بھنگی برادری میں بھی ترقی اور بیداری کے جملہ اثرات کام کر چکے ہیں، اور اب اُن میں ترقی اور طلب حقوق کے لئے انجمنیں، مدرسے، اور رہنما پیدا ہو چکے ہیں، اور جن صوبوں

میں اعلیٰ جماعتوں نے جتنی ترقی کی ہے وہاں کی جماعتوں میں بھی اُتنا ہی کام کیا جا رہا ہے، چنانچہ اس وقت جبکہ ملّا رموزی یہ مضمون لکھ رہے ہیں اُن کے سامنے صوبہ پنجاب کے ایک بھنگی کے لئے یہ اطلاع موجود ہے کہ وہ صوبۂ پنجاب کی سرکاری "مجلس قانون ساز" کا رُکن مقرر ہو چکا ہے، پھر اتنی بڑی مجلس کا رکن بنکر وہ جو کام کر رہا ہے اُسے اخبار "طلاپ لاہور" مورخہ ۱۸۔ فروری ۱۹۳۱ء نے اپنے صفحہ ۳ کالم نمبر ۲ پر ان الفاظ میں شائع کیا ہے،

"لاہور ۱۶۔ فروری ۱۹۳۱ء، آج صبح ایک ہزار بھنگی، چمار، اور دیگر اچھوت اقوام کا ہجوم "بنسی" بھنگی ممبر کونسل کی رہنمائی میں ٹکسالی دروازہ سے جلوس کی صورت میں روانہ ہوا تاکہ گورنمنٹ ہاؤس یعنی گورنر کے مکان پر جاکر اس امر کی شکایت کرے کہ آئندہ مردم شماری میں پست اقوام کو ہندو یا سکھ کیوں لکھا جاتا ہے، مشن کالج کے قریب پولیس نے اس جلوس کو روک لیا اور اس کے گرد گھیرا ڈال لیا، اچھوتوں کا رہنما بنسی بھنگی ڈپٹی کمشنر کے پاس گفت و شنید کے لئے چلا گیا، اور جلوس کو ہدایت کی کہ سب لوگ بیٹھے رہیں اور گفت و شنید کے نتیجے کا انتظار کریں،

معلوم ہوا ہے کہ اچھوتوں کا مطالبہ یہ ہے کہ انھیں پنجاب کونسل اور تمام مقامی محکمات میں جُداگانہ حقِ نیابت دیا جائے،

جناب بنسی کی یہ کارروائی پنجاب کے بعض ہندو بھائیوں کے خلاف تھی اس لئے مخالف ہندوؤں

کی ترجمانی کرتے ہوئے اخبار "ملاپ" لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۷۔فروری ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۲ پر اس شخص کے متعلق ذیل کے الفاظ لکھے ہیں،

"مسٹر بنسی کے متعلق یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لاہور کا ایک بھنگی ہے اور جب ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی اور حقوق دلانے والی انجمن "کانگریس" نے مجالس قانون ساز میں جانا ناجائز قرار دیدیا تھا تو چند بے سمجھ لوگوں نے "کانگریس" کے اثر و رسوخ کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس شخص کو چند نہایت ہی بارسوخ ہندوؤں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور اسے پنجاب کونسل کا رکن بنا کر خواہ مخواہ ہندوؤں کے سر مڑھا"،

لیکن ۱۵۔فروری ۱۹۳۱ء کو شہر لاہور میں چوہڑوں، چماروں، اور دیگر اچھوت اقوام کا جو زبردست جلسہ ہوا اُس میں اسی بھنگی نے جو تقریر کی اُسے اخبار "ملاپ" لاہور نے اپنی مذکورہ بالا اشاعت میں ان الفاظ کے ساتھ شائع کیا ہے،

"پہلے رحمتِ شاہی کا زمانہ تھا، وہ اب گزر گیا، اب مطلبِ شاہی کا زمانہ ہے، میں اپنے مطلب کے لئے ہندو بنا، میں نے اپنا اُلّو سیدھا کیا اور لاہور کے ہندوؤں کی بدولت مجھے پنجاب کی مجلس قانون ساز کی رکنیت نصیب ہوئی یہ صدر جلسہ جناب عبدالغنی صاحب ایم اے، بار ایٹ لا، کی انگریزی ٹوپی ہے جو آپ کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، اس مجلس کے ویسے ہی رکن ہیں جیسا کہ میں، مگر یہ مزدوروں کے نمائندے ہیں، مجلس میں ان کے متعلق یہ مشہور ہے

کہ "یہ مفت کے رُکن ہیں"، کیونکہ یہ مزدور لوگوں کی تنظیم کرنے کے بعد ان
کے حلقے سے مُفت میں رُکن بن جاتے ہیں، مجھ میں اور اُن میں یہ فرق ہے
کہ وہ مزدوروں کے نمائندے ہیں اور میں لاہور کے ہندوؤں کا نمائندہ
ہوں، میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے مطلب کے لئے ہندو بنا تھا،
تم بھی مطلب پرست بنو، مگر تم ہرگز ہندو نہ بننا۔ میرے کئی رام داسی بھائی
اپنے آپ کو سکھ لکھاتے ہیں حالانکہ وہ سکھ نہیں ہیں۔ کیونکہ سکھ وہ ہوتا ہے
جو فوج میں ملازم ہو، بندوق رکھے، تلوار اُٹھائے، صوبیدار ہو، جمعدار
ہو، تم ٹوکری اُٹھانے والے ہو تم کیا سکھ ہو سکتے ہو؟ ہندو اس وقت
تک بھنگیوں اور چوہڑوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے اور ان کی لاعلمی اور بے
سمجھی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مجالس قانون ساز اور میونسپلٹیوں میں ان
کی نشستوں پر فائز ہوتے رہے ہیں"،

اس تحریر کے نقل کرنے سے یہ مطلب ہے کہ آپ بھنگی برادری کے ارکان کی ذہنی اور
عملی ترقی و تبدیلی کا اندازہ کر سکیں،

لیکن اس قدر حالات کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہندوستان کے تمام بھنگیوں میں اتنی ہی تبدیلی
اور بیداری پیدا ہو چکی ہے، بلکہ اس قسم کی بیداری ابھی (۵ فیصدی) سے آگے نہیں
بڑھی ہے اور عام بھنگی اُسی پست حالت میں ہے جن کو اوپر اختصار کے ساتھ دکھایا گیا
ہے، اس لئے بھنگی کی بیوی عام طور پر جس طرح پیدا ہوتی ہے، اُس کا نمونہ یہ ہے، یہ نہایت

گندہ اور تاریک مکان یا جھونپڑے میں پیدا ہوتی ہے، مگر پیدائش پر اظہار مسرت میں باجا اور گانا بھی ہوتا ہے، اور برادری کی عورتیں بھی جمع ہوتی ہیں، حسب حیثیت جاہلانہ رسوم بھی ادا کی جاتی ہیں، اور عقیقہ بھی،

ابتدائی تربیت میں کچھ بھی نہیں یعنی اس کی عمر کے دس سال بے کار جاتے ہیں، جن میں نہ اُسے تعلیم دی جاتی نہ کوئی ہنر سکھایا جاتا، دس سال کے بعد وہ اپنے ماں باپ کے پیشہ اور کام میں شریک کر لی جاتی ہے یعنی غلاظت اور سڑکوں کی صفائی کا کام کرتی ہے اور بس اس کے ہاں بھی کم عمری کی شادی جائز ہے، اس لئے وہ کہیں آٹھ نو برس کی اور کہیں پندرہ سولہ سال کی دلہن بنتی ہے، شادی کی رسوم میں پوری برادری کا شریک کیا جانا اور کھانا نہایت ضروری شرط ہے، اس کے سوا دوسری رسوم میں بھی حسب حیثیت روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور بس چلتا ہے تو رنڈی بھی بُلائی جاتی ہے اب اس کا دُلہن بنکر شوہر کے گھر آنا قیامت ہے، چنانچہ دُلہن کے آنے پر اس کی ساس مارے غرور کے قابو میں نہیں رہتی، چنانچہ وہ دلہن کے کپڑے اور زیور پہنا کر پہلے تمام مکانوں میں "سلام" کے لئے اسے لیجاتی ہے اور ہمارے آپ کے ننھے میاں کی والدئین اسے "سلامی" میں روپیہ، زیور، اور کپڑے دیتی ہیں، یہ گویا اس کا ابتدائی تعارف ہوتا ہے، اس کے چند دن بعد تک وہ اپنے شوہر یا اپنی ساس کے ساتھ نہایت آراستہ پیراستہ ہو کر ایک لمبے گھونگھٹ کے ساتھ مکانوں اور سڑکوں کی صفائی کا کام شروع کرتی ہے اور اسی طرح وہ رفتہ رفتہ بے باک اور بے حجاب ہوتی جاتی ہے اب وہ چند دن کے بعد سے مکانوں میں صفائی کے لئے اس طرح آتی ہے

کہ صفائی کے بعد تھوڑی دیر آپ کے ننھے میاں کی والدہ سے باتیں بھی کرتی ہے اور آہستہ سے پان تمباکو یا کسی کپڑے کی فرمائش بھی کرتی ہے جسے اپنے ننھے میاں کی والدہ فوراً پورا کر دیتی ہیں، اسی طرح اس کے مراسم بعض گھرانوں میں بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، اور ننھے میاں کی بعض "واللائیں" تنہائی کے اوقات میں اس سے "راز" کی باتیں بھی کر گزرتی ہیں گفتگو میں یہ ہمیشہ "ہزار داستاں" ہوتی ہے، اس لئے عام عورتیں اس سے بہت جلد مانوس ہو جاتی ہیں،

اب یہ عورتوں سے بڑھ کر مردوں سے بھی ہم کلام ہوتی ہے، اپنے لباس اور زیور کی دُھن پر مرتی ہے اور ہمیشہ نہایت آراستہ پیراستہ ہو کر "تشریف لاتی ہے"، ایک گھر میں دوسرے گھر کے حالات سُنا جاتی ہے، تمام محلّے کے گھرانوں خصوصاً عورتوں کے حالات سے کافی طور پر واقف ہو جاتی ہے، اور ہر گھر کی عورتوں کے حالات سے واقفیت بہم پہونچانے کی شائق ہوتی ہے، اور انہی خوبیوں کے باعث بعض "اشراف" اس سے نکاح کر لیتے ہیں،

یہ اپنی خدمات کے بجالانے میں نہایت مستعد اور تیز ہوتی ہے چنانچہ سورج نکلنے سے پہلے یہ ہمیشہ سڑکوں کو صاف کرتی نظر آتی ہے، مگر اس طرح کہ اگر اس سڑک پر سے آپ گزر رہے ہیں تو یہ ترچھی نظروں سے آپ کو دیکھ کر اُسی طرف گرد زیادہ اُڑائیگی جس طرف سے آپ گزر رہے ہوں گے اخلاق کے لحاظ سے یہ نہایت درجے بے حس، بے حیا، اور بے غیرت ہوتی ہے، اور یہ اس لئے کہ خود اعلیٰ جماعتوں کا اس کے ساتھ برتاؤ نہایت غیر شریفانہ ہوتا ہے، مثلاً اسے ہر مرد ہر عورت اور ہر بچہ جس قسم کی گالی چاہے دیسکتا ہے مگر یہ اس کا ویسا ہی جواب نہیں دے سکتی، لہذا بجواب

گالیاں کھانے سے اس کی خودداری اور غیرت کی قوت مُردہ ہو جاتی ہے اور کہنے میں یوں آتا ہے کہ بھنگی زادی بڑی بے غیرت ہوتی ہے،

اس کی معاشرتی حالت نہایت درجہ پست اور گندہ ہوتی ہے، اُس کے ہاں بچوں کی صحت بچوں کی تعلیم، اور بچوں کی تربیت کا خیال تک نہیں ہوتا اُس کا گھر اُس کے برتن، اُس کا بستر، غرض ہر چیز نہایت تاریک گندہ اور میلی ہوتی ہے، البتہ وہ زیور کو نہایت سلیقے اور صفائی سے رکھتی ہے، اور اسے روزانہ پہنتی ہے، وہ بیمار اور "مُردار" جانوروں کا گوشت کھاتی ہے، پیروں، قبروں، اور گنڈے تعویذ کی بے حد معتقد ہوتی ہے، اور مذہبی احکام سے یکسر بے خبر،

باوصف قلیل آمدنی کے بے حد منتظم اور روپیہ جمع کرنے والی ہوتی ہے، مُرغا مرغی پالنے کی بڑی شائق، اور کثرتِ اولاد کے لحاظ سے ہر وقت دس بارہ بچوں کی ماں، زیور کاجل، سُرمے، اور رنگین کپڑوں پر عاشق،

شوہر کی خدمت گزار، مگر عادی، بڑھاپے میں مزاج کی تیز اور کام میں مستعد، شادی بیاہ کے مواقع پر خود ہی گانے والی اور خود ہی ناچنے والی، حریص، لالچی، اور کہیں کہیں چور، زیادہ بات کرنے والی، اور زیادہ کام کرنے والی،

تیلی کی بیوی

کاروباری لحاظ سے اس بیوی کو بھی بازار سے تعلق حاصل ہے، مگر حالات اور اثرات کے اعتبار سے یہ بہت معمولی قسم کی بیوی ہے، اس کے متعلق وسطی ہندوستان میں مُلّا رموزی کو جو تجربات ہوئے ہیں وہ نہایت محدود ہیں،

تیلی وہ جو تیل کا کاروبار کرتا ہو سو وہ بھی کھانے پکانے کے تیل کا ورنہ آپ سمجھیں کہ یہ "لونڈر" یا "ہیر آئیل"، قسم کے سر میں ڈالے جانے والے تیل کا، پس واضح ہو کہ تیلی ایک حد سے سوا جاہل انسان کا نام ہے، جس کے ہاں بلحاظ جہالت گویا کسی ایک نسل میں بھی علم و تعلیم کا اثر پاس سے ہو کر بھی نہیں گزرتا اور اسی لئے اس کی بیوی ایک تاریک تر خاندان میں پیدا ہوتی ہے اور نہایت بھونڈی اور تاریک رسوم و تقریبات کے ساتھ اس کی پیدائش کی خوشی منائی جاتی ہے، اور اسی طرح وہ خالص جاہلانہ مراتبِ زندگی سے گزر کر کبھی ۶ برس کی عمر میں اور کبھی ۱۲ برس کی عمر میں بیوی بنا دی جاتی ہے، اس کی برادری اور قومیت خاص ہوتی ہے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مُلّا جی کے بیٹے کی بیوی تیلی کی لڑکی بنا دی جائے اس لئے تیلی شوہر کے لئے شادی کے وقت کسی خاص قابلیت یا دولت مندی کی شرط ضروری نہیں، بس یہ دیکھا جاتا ہے کہ "وہ تیلی ابن تیلی" ہے یا نہیں، پس اس کے "تیلی زادہ" ہونے کی

تصدیق کے بعد ہی سمجھ لیجے کہ شادی ہو گئی،

ایک بیمار سے ٹٹو پر دولہا میاں لال لال رنگ کے عجیب وغریب کپڑے پہن کر لد گئے اور نہایت ذلیل قسم کے باجے بجاتے ہوئے دلہن کے گھر آ گئے، یہاں بغیر فرش کے زمین پر اور کبھی کبھار چھوٹے سے فرش پر، ورنہ اپنے اپنے پاس کی دھوتیوں اور چادروں کو بچھا کر باراتی لوگ بیٹھ گئے، عورتوں میں "گانا" تو کیا ہاں گانے قسم کا ایک شور سا ہوا، نہایت ادنیٰ قسم کے چاول خود باراتیوں نے پکائے اور سڑک کے کنارے پر بغیر فرش ودسترخوان بچھائے رات کے تین بجے کھانا کھا کر اسی جگہ یوں سو گئے، گویا بڑے اول نمبر کا ماحضر تناول فرما کر اب آرام فرما رہے ہیں، جب سورج سر پر سے ہو کر سینے پر آ گیا اور محلّے کے کتّے ان کے آس پاس جب گشت کرنے لگے تو عجیب تال سُر کے ساتھ جمائیاں اور انگڑائیاں لیکر اُٹھے اور دو تین تولہ پانی چھڑک کر حلیم پی اور پھر شادی کا ناچ ناچنے میں یوں مصروف ہو گئے کہ سڑک پر سے گزرنے والے ڈپٹی کلکٹر صاحب بھی موٹر روک کر ان کی بیہودگیوں کے دیکھنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو ان ناچنے والے تیلیوں میں کا ایک تیلی بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ تمام ناچنے والے تیلی ڈپٹی صاحب ہی کو اُلٹا بے وقوف سمجھ کر گاتے رہیں، مگر چپ نہ ہوں،

تھوڑی دیر بعد سسرال سے "جس قسم کی ملی"، دولہا کے ٹٹو پر لاد کر اس طرح سے چلے کہ تمام راستے نئی دُلہن ٹٹو پر بیٹھی ہوئی چلاّ چلاّ کر روتی ہوئی دولہا کے گھر آتی ہے مگر کیا مجال جو راستے میں ایک باراتی بھی ٹٹو روک کر اُس سے کہے کہ "ارے نیکبخت"

راستے میں تو نہ رو،

گویا ان کے ہاں راستے میں دلہن کا چلا چلا کر رونا کوئی ایسی زیادہ معیوب بات نہیں، نہایت بھونڈے قسم کے زیور سے لدی ہوئی دلہن جہاں دولہا کے گھر آئی کہ دوسرے ہی دن سے آزاد، اب وہ تیلی کے گھر کا کام بھی کررہی ہوگی اور دکان پر بھی کبھی کبھی نظر آجائیگی، اور رفتہ رفتہ کے قاعدے سے وہ ایک دو مہینے میں اتنی آزاد ہو جائیگی گویا اسی گھر سے بیاہ کر اسی گھر میں رکھ لی گئی ہے،

اب وہ تیل کا برتن لیکر محلے کے گھروں میں تیل فروخت کرنے بھی جائیگی اور دکان پر بھی تیل فروخت کریگی، البتہ گھروں میں جا کر تیل فروخت کرنے میں وہ اپنی ساس کے بغیر ابتدا میں ذرا کم آزاد ہوتی ہے، مگر جب وہ ساس کے بغیر گھروں میں جانے لگتی ہے تو پھر وہ خاصی آزاد ہوتی ہے، اور گھر کی پردہ نشین عورتوں کو بے وقوف بنانے میں کافی اُستاد ہو جاتی ہے، مگر اپنے محدود قسم کے حالات کی بنا پر یہ گھروں کے اندر زیادہ دلچسپ نہیں ہوتی،

اس کی دکان اکثر اس کے گھر ہی کے باہر والے حصہ میں ہوتی ہے، جہاں یہ کبھی کبھی بہت خاصی خوبصورت بنکر بیٹھنے کی کوشش کرتی ہے، مگر تیلی کی گندہ معاشرت کے لحاظ سے یہ جتنی زیادہ خوبصورت بننے کی کوشش کرتی ہے اُتنی ہی زیادہ بھونڈی اور بدصورت نظر آتی ہے، چنانچہ ہم نے آج تک ایک تیلی کی بیوی کو بھی سفید رنگ نہیں دیکھا، پھر خوبصورتی پیدا ہو تو کس طرح،

اس کی گھریلو زندگی نہایت درجہ گندہ اور تاریک ہوتی ہے، صفائی کے عوض ہر طرف

غلاظت اور گندگی نظر آتی ہے، اسے جب دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے دن سے آج تک نہ اس نے کبھی غسل کیا نہ کپڑے بدلے،

اس کی گندگی کے اثرات اس کی اولاد کے اندر بہت زیادہ نظر آتے ہیں، اور اسی لئے اس کے ہاں اولاد کی کثرت نظر آتی ہے، لیکن گھر کے کاموں میں نہایت تیز مستعد، اور ہوشیار، روزی کمانے میں بے حد مستعد، شوہر کی فرماں بردار، مذہب سے یکسر ناواقف، جاہلانہ رسوم کی پوٹ، باقی خیریت،



جُلاہے کی بیوی

جُلاہا وہ جو کپڑا بنانے یا بِننے کا کام کرتا ہو، اُسے مُومِنؔ بھی کہتے ہیں، اس کا وجود نہایت قدیم اور تاریخی روایات رکھنے والا ہے، اس کا کام بازار کی زندگی کے لئے روح کا حکم رکھتا ہے، کیونکہ جب تک یہ کپڑا تیار کر کے بازار میں نہ لائے اُس وقت تک ہم گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہی نہیں ہو سکتے اور اگر آپ بغیر جُلاہے کی امداد کے گھر سے باہر نظر آجائیں تو تمام دنیا آپ کو بے وقوف کہے اور شہر کی پولیس آپ کو فوراً پاگل خانے بھیجدے،

لفظ جُلاہا اُس کے پیشے اور کاروبار کی نسبت سے وضع کیا گیا ہے، ورنہ اس کا اصل نام شیخ محمد ابراہیم اور کشن رام ہوتا ہے، اس کی جماعت میں نہایت ممتاز، ذی علم، اور ارباب سطوت و اقتدار بھی موجود ہیں، یہاں تک کہ یورپ کے جُلاہے سے تو وہاں کے اچھے اچھے وزیر اعظم کانپتے ہیں،

ہندوستان میں بھی یہ ہمیشہ سے ممتاز و معزز رہا ہے، البتہ پچھلی صدی میں یورپ والوں کی تجارتی آسانیوں اور مشینوں کی درآمد نے اس کی حیثیت کو کافی نقصان پہونچایا، اور اپنے کاروبار کی کمزوری کے باعث بہت زیادہ حقیر سا نظر آنے لگا تھا کہ پچھلے دس سال

میں ہندوستان کے سیاسی رہنما جناب موہن داس، کرم چند، گاندھی گجراتی نے ہندوستانیوں کو ملکی کپڑا استعمال کرنے کی ہدایت کرکے اس کی کھوئی ہوئی شان کو پھر دوبالا کردیا ہے، بین الاقوامی اعتبارات سے بھی اس کا رتبہ ہمیشہ سے بلند رہا ہے، مگر ہندوستان میں یہ طویل عرصے تک تعلیم سے دور رہنے اور سقیم الحالی کے ہاتھوں برباد ہوتا رہا یہاں تک کہ بہت زیادہ حقیر اور پست قسم کے طبقات میں شمار ہونے لگا تھا مگر ۱۹۱۴ء کے بعد سے ہندوستان میں جو بیداری اور ذہنی انقلاب ترقی پذیر ہوا اُس نے جلاہے برادری کے اندر بھی ایک قابلِ اعتبار جوش پیدا کردیا، اور کچھ شک نہیں کہ اس سے پہلے بھی اس کا وجود قومی تحریکات میں بہت زیادہ کارآمد ثابت ہوتا تھا، خصوصًا قومی چندوں میں اس کے افراد نے لائقِ احترام رقوم پیش کی ہیں، اور اگر آج علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے بانی علامہ سرسیدؒ زندہ ہوتے تو وہ بتاتے کہ کتنے بی، اے پاس مسلمان ہیں جو محض جلاہوں کے روپیہ سے پڑھ کر بی، اے ہوئے ہیں اور آج افسر بنکر مسلمانوں کے سامنے اکڑتے ہیں، چنانچہ عہدِ حاضر میں اس کے بعض ذی مقدرت افراد نے اس کی ترقی کے لئے بڑے بڑے مدارس، اور صنعتی ادارے قائم کردیئے ہیں، بعض جگہ اس کے لئے "حقوق طلب" انجمنیں بھی ہیں، کہیں کہیں اس کی اصلاح و تنظیم کے لئے سالانہ اجتماعات بھی ہوتے ہیں۔ خود اس کے افراد ایم، اے، پاس ہوچکے ہیں اس کے اخبارات اور رسائل بھی جاری ہیں، جن میں سے ایک ماہوار رسالے کا نام **المؤمن** "ہے جو شہر بنارس سے نکلتا ہے، اسی طرح کلکتہ سے بھی اس کے رسالے نکلتے ہیں، انھی میں سے بعض کے کارخانے بھی ہیں، جن میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں،

لیکن ہمیں جس جُلاہے سے بحث کرنا ہے، اُس کی تعداد کثیر ہے، یعنی غریب جُلاہا لہٰذا اس کی پوری زندگی نہایت پست اور قابلِ رحم ہے، اس کے افراد کی زیادہ تعداد پُرانی لکیر کی فقیر ہے اس کا کاروبار نہایت مختصر اور پست ہے چنانچہ وسطی ہندوستان میں اس کی آبادی نہایت مفلس، بے ہنر، بے علم، اور بے یار و مددگار ہے گو ہر جگہ اس کی جماعتی تنظیم مکمل ہے یعنی جُلاہا برادری کے ضوابط اور قواعد ہی اس کی زندگی کو بنانے اور بگاڑنے کے ذمہ دار ہیں، مگر یہی قواعد اس کی اصلی بربادی کے اسباب ہیں چنانچہ ان تاریک قواعد میں اس کے لئے موجودہ زمانے کے برابر ترقی کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، اس کے مقابل اس کے تمام افراد نہایت درجہ جاہلانہ اور تباہ کُن رسوم و قواعد میں جکڑے ہوئے ہیں دور از دین احکام و ضوابط نے اسے موت کے قریب کر دیا ہے، چنانچہ خود مُلّا رموزی نے ۱۹۲۰ء میں ایک جُلاہے کی تقریب شادی میں ایک تقریر کی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

> "تم جُلاہے جو اپنی برادری کی رسوم اور جاہلانہ قواعد کی خلاف ورزی کرنے والوں سے جُرمانے کے نام سے سال بھر تک روپیہ جمع کرتے ہو اور آخر سال میں اس تمام روپیہ کا پلاؤ پکا کر "قومی باغ" کے نام سے کھا جاتے ہو، تو اب تم جُلاہے اس حرکت سے باز آ جاؤ، اور اس روپیہ سے ایک "مومن اسکول" قائم کرو اور اس میں اپنی برادری کے بچوں کو جدید تعلیم اور جدید صنعت و حرفت سکھاؤ"

تو اس تقریر کی عام جُلاہوں نے بڑی قدر کی، لیکن ایک جُلاہے نے اس تجویز کو

"نیچری تعلیم" کہہ کر اس کی سخت مخالفت کی تھی، مطلب یہ تھا کہ اگر برادری کے بچے چند دن میں اس تعلیم سے ہوشیار ہو گئے تو پھر ہم موٹے موٹے اور بوڑھے مُلاہوں کو برادری کی "سرداری" کس طرح حاصل ہو گی، اور کچھ شک نہیں کہ چند خود غرض اور تاریک دماغ جُلاہے اکثر مقامات پر عام جلاہوں پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے مذہب کے نہایت غلط قوائد کے نام سے اُنھیں مرعوب کئے ہوئے ہیں،

پس اس قسم کے جُلاہوں کی بیوی بھی ایک نہایت تنگ و تاریک جھونپڑے یا مکان میں پیدا ہوتی ہے، اس کی پیدائش سے لیکر عمر کے آخری حصہ تک اسے ہر ادنےٰ تقریب پر "برادری کا چندہ" ادا کرنا ہوتا ہے، اور مُلّا رموزی کو اس جماعت کے جتنے حالات معلوم ہوئے ہیں اُن میں یہ ایک رسم و قیمہ ہی اس کی تباہی کے لئے کیا کم ہے کہ اگر کوئی جُلاہا اپنی اولاد کی کتنی ہی چھوٹی تقریب کرنا چاہے تو گویا اُس کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنے شہر کے ایک ایک جُلاہے کو اس میں شریک کرے، ورنہ قومی چندہ دے، اور برادری سے خارج، یا پھر اس تقریب ہی کو ملتوی رکھے، اس لئے اس کی اکثر تقریبات اُس وقت تک رُکی رہتی ہیں، جب تک اس کے پاس اتنا روپیہ جمع نہ ہو جائے کہ وہ ساری برادری کو "نقیقہ کا کھانا" کھلا سکے، اسی لئے اکثر اوقات اس کی پیدائش پر کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا بس نہایت درجہ غریب حیثیت سے پیدا ہو کر رہ جاتی ہے، ہاں اگر پیدائش کے وقت محلے کی دو چار ماں بہنوں نے "راہِ خدا پر" جمع ہو کر ڈھول بجا کر گا دیا تو اُن کی مہربانی ورنہ اس کی بھی شکایت نہیں،

اب بڑی ہوئی تو ماں باپ پہلے ہی سے حد سے سوا غریب **تنگ دست**، اور جاہل ہوتے ہیں

لہذا بغیر کسی خاص تعلیم و تربیت کے سیدھی کی سیدھی جوان ہو جاتی ہے، بس کپڑا بننے کا کام اور موٹی موٹی روٹی اور ترکاری پکانے کا کام اس لئے سیکھ لیتی ہے کہ بالآخر وہ عورت ذات ہوتی ہے، جو اُس کا طبعی اور فطری کام ہے، اس کی شادی میں بھی برادری کی قید ہے مثلاً اس کے لئے شوہر بھی "جُلاہا ابن جُلا" درکار ہے کسی دوسری جماعت میں مُحال ہے، اسی لئے اس برادری میں بیوہ عورتوں کی نکاح ثانی کے لئے بے چارگی ناقابل برداشت ہے،

شادی میں گو مصارف کیلئے کوئی خاص قید نہیں مگر "ولیمہ کی دعوۃ" میں تمام برادری کی شرکت ہی جُلاہے کو ہمیشہ کے لئے قرض کے عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے، چنانچہ نہایت درجہ سادہ رسوم کے ساتھ یہ بیوی بنکر ادھر دولہا کے گھر آئی اور دوسرے ہی ہفتے سے اس نے اپنی روزی کمانے میں شوہر کا کام سنبھالا، اب وہ گو دُلہن ہے اور سُرخ اور پیلے کپڑے اور موٹا موٹا سا زیور پہنے ہے مگر چولھے چکّی سے لیکر تانے بانے کا کام بھی کرتی پھرتی ہے، بعض جگہ اسے اپنا بنایا ہوا کپڑا خود لیکر بازار جانا ہوتا ہے اور یہ بغیر کسی رکاوٹ کے بازار بھی جاتی ہے، اس کا کام صبح سے شام اور رات کے ابتدائی حصے تک جاری رہتا ہے، مُلّا رموزی نے ۱۹۲۱ء میں صوبجات متحدہ کے مشہور شہر فیض آباد سے قریب مقام اجودھیا کی ایک شکستہ مسجد میں اس قسم کی دُلہن کو دیکھا تھا، یہ مسجد شاہی عہد کی مسجد تھی جو اُس وقت نہایت درجہ شکستہ ہو چکی تھی، اس کے اندر کا دالان پختہ تھا جس کے نصف حصے میں جُلاہے کا ایک مختصر سا خاندان پردے

باندھ کر آباد تھا، اس مسجد کے صحن میں اس جُلاہے کا تانا بانا تھا جسے اس کی تازہ بیوی تن رہی تھی، مُلّا رموزی جب مع لفٹننٹ اختر علی صاحب تاباں اسپیشل اودھ کمپنی واقع فیض آباد کے ہمراہ اس مسجد کی تحقیق کے لئے اس کے صحن میں داخل ہوئے تو اس تازہ بیوی نے اپنے چہرے پر ایک لمبا سا گھونگھٹ فرمالیا مگر کام میں برابر مصروف رہی، اس کے شوہر صاحب پاس ہی ایک چار آنے والی چارپائی پر ایک چھوٹی سی دھوتی فرمائے آرام میں تھے پھر انھی نے آکر مُلّا رموزی کو بتایا تھا کہ یہ مسجد اس کی ملحقہ زمین کے ساتھ ایک ہندو بھائی نے خرید لی ہے اور ہمیں اپنے حصے میں رہنے کی اجازت دیدی ہے،

الغرض یہ حد سے سوا فرماں برداری اور غربت کے ساتھ اپنے شوہر کے کاروبار میں شریک ہوتی ہے، گھر کی جملہ ذمہ داریوں میں نہ ہر وقت مستعد رہتی ہے،

مذہبی احکام کا احترام کرنے والی، بے حد قانع، کفایت شعار، منتظم، صرف دو باتوں کی شائق، ایک زیور کی،

دوسرے پڑوسن سے لڑنے کے لئے صبح سے شام تک یوں تیار کہ تانے بانے کا کام بھی جاری اور لڑنے والی کے لئے تیز و تلخ جوابات کا سلسلہ بھی جاری، کیا مجال جو اُس کی زبان تو بند ہو جائے یا رُک جائے، پھر بڑی آسانی یہ کہ شوہر اس معاملہ میں نہ معاون نہ مددگار، جس کا یہ مطلب ہے کہ شوہر اپنے تانے بانے میں مصروف اور بیوی اپنی لڑائی میں مصروف، اس کی لڑائی اکثر بچوں کے معاملات سے شروع ہوتی ہے، اور اس کی انتہا یہ کہ اب یہ تانا بانا چھوڑ کر یا گھر کے دروازے پر آجاتی ہے یا گھر کی کسی منہدم سی دیوار پر چڑھی ہوئی نظر آتی ہے، جہاں ہم آپ ایسے

سفید پوش بھائیوں کو دیکھا تو ذرا نیچی ہوگئی، اور جب ہمارے گزر جانے کا اُسے اطمینان ہوگیا کہ پھر دیوار پر سے اونچی ہوگئی ہے، اس وقت اس کی گالیوں اور بد دعاؤں کی رفتار بحساب ۴۵ میل فی گھنٹے سے کسی طرح کم نہیں ہوتی، یہ اس تاؤمیں اپنے مار کھائے ہوئے بچے کو خود بھی مارتی ہے، اور پروسن کو گالیاں دیتی جاتی ہے، جس کے بچے نے اس کے بچے کو مارا تھا، کہیں کہیں نصف پردہ کرتی ہے، اور کہیں "صفا"، افلاس اور جہالت کے باعث اولاد تو کیا خاصی ایک پلٹن کی ماں ہوتی ہے، بچے ہمیشہ گندے، میلے، آوارہ، اور ننگ دھڑنگ،

حد سے سوا محنت کر کے کمانے والی، مگر معمولی حیثیت کے کاروبار کے باعث ہمیشہ قلاش، اور محتاج، پھر بھی دولت جمع کر کے بیٹے اور بیٹی کی شادی پر تمام برادری کو کھانا کھلانے والی، زیادہ محنت کے باعث کم بیمار ہونے والی، محلّے سے آگے شہر تک کی کسی اہم بات سے ہمیشہ بے خبر، البتہ چند دن سے وہ ہندو مسلم فساد سے واقف ہوگئی ہے، اور کہیں وہ اپنے شوہر اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے خود بھی نہایت بجگر ہوکر لڑی ہے، قومی چندے میں روپیہ دے آنے پر شوہر سے لڑتی نہیں، اور خلافت کے سوا کسی دوسری تحریک میں خود چندہ دیتی نہیں، نہ یہ کلب کی ممبر، نہ کمپ جوتے کی عاشق مگر ہاں قومی میلے اور تہواروں پر تماشہ دیکھنے کے لئے ضرور جاتی ہے، سو کسی اہتمام سے نہیں اور نہ کسی سواری پر بلکہ زیور پہنا تھوڑی خوبصورت بنی اور ڈھائی ڈھائی گز کے چار بچوں کو گھسیٹتی ہوئی تماشہ گاہ جا پہونچی، اسی لئے یہ عید، بقرہ عید، محرّم اور ہولی دیوالی اور رام لیلہ کے ہنگاموں میں نظر آجاتی ہے اور محرم کی راتوں

میں تو یہ کسی طرح بھی گھر میں صبر کر کے نہیں بیٹھ سکتی، واپسی پر اس کے ہاتھ اور گود میں بچوں کے ساتھ ہی پاپڑ، بڑے، مٹھائی، یا ایک آدھ کھلونا بھی نظر آتا ہے، تماشوں کے مواقع پر شوہر کا ساتھ رہنا ضروری بھی ہے اور نہیں بھی، بہرحال وہ تماشوں میں جا کر ہی دم لیتی ہے، مگر ایسے تماشوں میں نہیں جن کے لئے اُسے ٹکٹ خریدنا پڑے، بلکہ ایسے تماشے جو بغیر ٹکٹ کے اُسے نظر آجائیں، پھر تماشوں کے اندر بھی مردوں کا سہواً سے اس سے ٹکرا جانا یا اس کے کسی بچے کے پاؤں پر پاؤں رکھ دینا، اس لئے قیامت ہے کہ پھر جو آپ سے چمٹ جائے تو وہ سُنا ئے کہ تمام تماشے والے آپ کا تماشہ دیکھیں مگر آپ اس سے بازی نہ لیجا سکیں،

تو کیا اندھے ہو گئے ہو،

اور اگر میرے بچے کا پاؤں پھسل جاتا تو؟

مزہ تو چکھا دیتی،

اچھا تو لو یہ کھڑا ہے، دیکھوں تو کیسے بہادر ہو؟

تو ذرا مار کر دیکھو نا؟

خود تو آنکھیں بند تھیں اور میرے بچے کو گرا دیا اندھے نے،

وہ تو اُس کے خون نہیں نکلا ورنہ بتا دیتی پھر میاں کو،

جب سوجھتا نہیں ہے تو پھر تماشے میں کیوں آتے ہو؟

غرض تماشے میں اس کی غزل اس قدر طویل ہوتی ہے کہ کبھی منقطع سُنا ہی نہیں سکتی، شوہر کے حق میں ہر طرح مفید، صورت کی بھونڈی مگر سیرۃ کی حد سے سوا اچھی، شادی کے لحاظ سے

کہیں بوڑھی، اورکہیں بالکل بچی، موٹے زیور اور موٹے کپڑے سے خوش، مصیبت میں شوہر کی مددگار اور خوشحالی میں بھی شوہر کی وفادار، فقط،



چمار کی بیوی

اب تو کیا مگر ہاں چند سال پہلے ہندوستان کے بازار میں چمار کا گوہ زور تھا کہ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا، مگر جب سے یورپ کے چماروں نے ہندوستان میں اپنا مال بھیجنا شروع کیا، ادھر ہندوستانی بی، اے، پاس ہونے لگے تو اس کی وہ اگلی سی شان باقی نہ رہی، اور اب یہ ہندوستان کی مزدور کسان، دھوبی بھنگی، بھشتی، اور حجاموں کی جماعتوں کے لئے زندہ ہے اور بس،

چمار کی ایک تعریف تو یہ ہے وہ جوتا بنائے، اور دوسری تعریف یہ ہے کہ وہ جوتا فروخت کرے پھر تیسری تعریف یہ ہے کہ وہ اپنی قومیت اور برادری کے لحاظ سے کتنا ہی بلند مرتبہ، شریف آدمی ہو لیکن اگر آپ کو اس پر حد سے سوا غصہ آجائے تو اب وہ آپ کی نظر میں بھی چمار، اور آپ کی باتوں سے بھی چمار، کچھ شک نہیں کہ اس کا وجود جماعت کے لئے حد سے سوا ضروری اور مفید ہے، اور پھر وجود بھی کیسا کہ نہایت تاریخی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ چماروں نے بھی اپنی کوئی علیحدہ تاریخ لکھوا کر شائع کر دی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ چمار نہایت قدیم جماعت کے افراد کو کہتے ہیں، یہ چمڑہ کا کام کرتا ہے، جوتا بناتا ہے، بندوق کے چرمی تسمے بناتا ہے، اور اب تو وہ چمڑے کے صندوق، چمڑے کے غلاف، گھوڑے کا زین

اور بے شمار چیزیں بناتا ہے، ادھر یورپ کی قوموں کی تجارت کو دیکھ کر ہندوستان کے بے شمار غیر چمار بھائیوں،، نے بھی اس پیشے کو اختیار کر لیا ہے اور لفظ "چمار" کی تکلیف سے محفوظ رہنے کے لئے اپنا نام کہیں "بوٹ شوز کمپنی" رکھ لیا ہے، تو کسی جگہ "لیدر ورکس،، کہیں "شوز میکر" تو کسی جگہ "شو فیکٹری" غرض ان غیر چمار بھائیوں "کے" دخل در چماریات،، کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہندوستان کا اصل چمار صرف قصبات، دیہات، اور پست اقوام کے لئے خاص ہو کر رہ گیا، اور غریبوں کے ہاتھ کی یہ دیسی صنعت اب ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے قبضے میں آگئی ہے، لیکن ہم اُسی تاریخی چمار سے بحث کریں گے جو کبھی ہم تو ہم کو توال شہر تک کو اپنی دکان کے دس طواف کراتا تھا، مگر وقت مقررہ پر کبھی جوتا نہ دیتا تھا،

اس چمار کی بھی مختلف قسمیں ہیں جن میں سے بعض کو موچی بھی کہتے ہیں، موچی اکثر اس چمار کو کہتے ہیں جو ذرا نازک، نفیس، حسین اور خوبصورت جوتا بناتا ہے، اور چمار وہ جو بس جوتا بنا دیتا ہے اب اُس کی بلا سے اسے لکھنؤ والے پہن کر چل سکیں یا ہر قدم پر اُٹھیں اور مارے جوتے کے بوجھ کے دس مرتبہ گر پڑیں، اور ہمیں اسی چمار سے بحث کرنا ہے جو ہندوستان کی ۸۰ فیصدی آبادی کی عزت کا اس طرح محافظ ہے، کہ ڈاسن کے پمپ جوتے کے مقابل یہ بس اڑھائی روپیہ میں چھٹے مہینے تک کام دینے والا جوتا بنا دیتا ہے، پس اس قسم کا چمار شہر کے نہایت تاریک اور گندہ حصے میں رہتا ہے، یا یوں کہئے کہ یہ جس جگہ رہتا ہے اُسے اپنی غلیظ زندگی سے غلیظ کر دیتا ہے اس کی عام معاشرت یہ ہے کہ وہ ہر وقت بقدر ستر عورت دھوتی سے کام لیتا ہے، بس پورا لباس اُسی وقت پہنتا ہے، جب وہ برادری کے کھانے میں جائے یا کسی تھانیدار کے ملازم کا جوتا وقت پر

نہ دینے کے جرم میں تھانے میں جائے، ایک تنگ وتاریک سی دُکان جس کا بقیہ حصہ مکان، اس کے ایک گوشے میں کسی نہایت گندہ سی گدڑی پر ایک چھوٹا سا پتھر، ایک لکڑی اور جوتے سینے اور جوڑنے کے دیسی اوزار، اس کے مُنہ کے بالکل سامنے ایک چھوٹا سا حُقّہ رکھا ہوا جس کی چلم کے ساتھ ایک زنجیر میں چھوٹا سا دست پناہ آگ جانے کے لئے لٹکتا رہتا ہے اور چار تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسی دست پناہ سے چلم کی بیمار سی آگ کو کھانس کر درست کرتا جاتا ہے، اور حُقّہ پیتا جاتا ہے،

تعلیم اور دنیا کی ہر نئی چیز سے یہ یکسر بے خبر، بس برادری کے چند آداب سے واقف یا بازار کے رستے سے خبردار، اس کے پاس کام زیادہ مگر پونجی ہمیشہ اس لئے کم کہ اولاد سے تین کوٹھریاں لبریز، قانوناً تو یہ صرف جوتے بنانے کا کام جانتا ہے مگر سرکاری بے گاریں، خود اس کے جوتے مار کر اس سے جو کام چاہئے لے لیجے، زیادہ سے زیادہ روئیگا عاجزی کریگا، ہاتھ جوڑیگا اور بیگار پوری کر کے بھی یہ نہ کہیگا کہ میرے اوپر ظلم ہوا، اس کے پاس جوتا بنوانے جائیے تو پیمانے کے لئے اس سے یہ نہ کہئے کہ

ابے سات چار ہے میرا نمبر،

بلکہ اس سے ہمیشہ "تیرھواں، پندرھواں"، کہئے تو یہ آپ کے پاؤں کے طول وعرض کو فوراً سمجھ لیگا، اس کے ہاں جوتے کی قیمت کبھی طے شدہ اور مقررہ نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ "فی البدیھہ" طے کی جاتی جس کے الفاظ یہ ہوتے ہیں

ابے چل ڈھائی آنے اور دیدونگا بس یہ ہوگئے دو روپیہ ساڑھے چار آنے،

اور وہ اُس عید پر بھی تو، تو نے سوا دو روپیہ میں بنایا تھا میرا جوتا اندھے،

ابے بے ایمان چار مہینے بھی تو پورے نہ ہوئے تھے، کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا وہ،

دیکھ اسے بھی کہیں ویسا ہی نہ بنا دینا،

اور سُن اگر سنیچر تک نہ دیا تو نے تو مارے جوتوں کے سر توڑ ڈالونگا اور ایک پیسہ بھی نہ دونگا،

اچھا تو اب جاؤں؟

لے ذرا ایک مرتبہ اور دیکھ لے پانوں، ایسا نہ ہو کہ پنجے کو دبانے لگے،

اچھا تو لے یہ ایک روپیہ اور باقی پھر دیدوں گا،

ہاں ہاں ابھی کھڑا ہوں خوب بجا لے اُسے،

عام طور پر یہ سادے جوتے بناتا ہے، مگر بعض "روشن خیال گنواروں کے لئے" اسے گوٹے کناری اور ستاروں کا جوتا بھی تیار کرنا پڑتا ہے، اور اس کام کے لئے اس کی "بیوی" کام آتی ہے، جو اسی کے سامنے بیٹھی ہوئی جوتوں پر "کشیدہ کاری" کے کمالات دکھایا کرتی ہے اور بعض اوقات اپنے شوہر کو گالیاں دینے والے کو بھی جوابات دیتی جاتی ہے،

یہ بیوی ایسے ہی گندے اور قلاّش چارسے "بنتی" ہے، اس کی پیدائش پر بس اتنی خوشی ہوتی ہے گویا وہ اپنی ہی خوشی سے پیدا ہوئی ہے چار کو اس کی ضرورت نہیں تھی، اس کے ہاں گو اولاد کی تقاریب اور رسوم بھی کافی ہیں، مگر حد سے بڑھی ہوئی تنگدستی کے ہاتھوں عام طور پر اس وقت صبر ہی سے کام لیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے ہاں بھی "ساری برادری کی شرکت ضروری چیز ہے، جسے" چار ذات،، برداشت نہیں کرسکتا، اسی طرح حد سے گزری ہوئی جو لڑ

کے باعث "پاپوشی کشیدہ کاری" کی تعلیم کے سوا اس کی ذہنی اور عملی تربیت کا تذکرہ تک نہیں ہوتا،

یہ چھ سات برس کی عمر تک اکثر اوقات ننگ دھڑنگ نظر آتی ہے، محلّے کے چار زادوں اور چار زادیوں کے ساتھ دن بھر کھیلتی رہے اور خوب گالیاں بکتی ہے، کیونکہ اس سے کہیں زیادہ فحش گالیاں اس کے ماں باپ اسی کے سامنے بکتے رہتے ہیں، بس اس طرح "پل بڑا کر" وہ ہوشیار سی ہوئی کہ بیوی بنادی گئی، کیونکہ اس کی برادری میں بھی کم عمری کی شادی جائز ہے اس کی بارات میں بھی نصف برہنہ باراتی نظر آتے ہیں، دولہا کے لئے اگر ٹٹو مل گیا، مل گیا ورنہ باراتیوں کے ساتھ بغیر سواری کے حاضر، شہر میں سب سے نیچے درجے کا باجہ جس کی آواز، دُلہن کے ہاں پھونکیرا اگر حد سے سوا شان ہی دکھانا ہوا تو باغ بہاری کا ایک آدھ تختہ بھی ساتھ رکھ لیا اور آتش بازی سے دو چار انار چھوڑ کر دُلہن والوں کو دکھا دیا کہ آخر ہمیں سمجھا کیا تھا ؟ دُلہن کے والد نے باراتیوں کو اگر دعوۃ دی تو تمام سامان باراتیوں کو دیدیا کہ بھائیو "دستِ خود اور دہانِ خود"، دعوۃ سے پہلے یا بعد "شراب خواری" نے تمام محلّے والوں پر ثابت کر دیا کہ ہاں ہمارے محلّے میں بھی چاروں کی بارات آئی ہے، ایک طرف چارپائی پر سیدھی سیدھی غزلیں سنا رہے ہیں اور انھی کے قریب کے حصّے میں ان کی عورت ذاتیں پی رہی ہیں اور سُنا رہی ہیں، دولہا میاں بھی ایک طرف عجیب وغریب سی چیز بنے ہوئے یا بیٹھے ہوئے ہیں یا پڑے ہوئے ہیں،

رخصتی کے وقت جو کچھ نصیب تھا لیا اور گھر آ گئے، اب اگر دولہا کے والد صاحب کچھ

ہیں تو ولیمہ کے کھانے میں بھی سب سے زیادہ خرچ تمباکو اور شراب کا اور اس کے بعد گالیوں کا، بہت زیادہ مست ہوئے تو تھوڑی دیر تک ناچنے اور گانے میں مصروف رہے اور پھر پی لی، پھر پی کر اس کی ضرورت نہیں کہ بارات کے ادب سے حسب ضابطہ بیٹھے رہیں، بلکہ اسی حالت میں چاہا تو دولھا کے گھر کے صحن میں گر پڑے، اور چاہا تو گھر سے نکل کر سڑک پر یوں بھاگے کہ یہ آگے اور دو چار مست ان کے پیچھے انھیں اس حالت میں دیکھ کر دوسرے لوگوں کو خود ہی سمجھ لینا پڑتا ہے کہ یہ باراتی جا رہیں ورنہ ان کی حرکات سے جی تو یہ چاہتا ہے، کہ بس ان میں سے ہر ایک کے بالکل ہی منہ پر،

اب ضروری نہیں کہ شادی کے بعد تین چار دن تک دولھا دُلہن کوئی کام ہی نہ کریں اور مارے شرم و حجاب کے پردہ بنے رہے، بلکہ زیادہ اہتمام ہوا تو چند دن دُلہن کو رخصتِ اتفاقیہ دیدی مگر شوہر صاحب تیسرے ہی دن سے کام پر چڑھ گئے، یعنی جوتے اور بازار، اب دُلہن صاحبہ نے رفتہ رفتہ گھر کا کام سنبھالا اور ایک مہینے کے اندر تمام محلے نے پہچان لیا کہ یہ ہے کلو کی بیوی،

اب وہ آزاد ہے اور چمڑے یا جوتے کے لئے بازار میں بھی نظر آتی ہے، اور دکان پر بھی، پھر بازار میں جوتے فروخت کرنے کے بعد وہ شام کے کھانے کے لئے اگر روپیہ کے سولہ سیر ہیں تو گیہوں ورنہ جوار ھی خرید کر گھر واپس ہوتی ہے، اور جب ہم آپ سونے کے لئے بستر پر جاتے ہیں اُس وقت تک وہ اس غلے کو صاف کرتی ہے اور علی

گیارہ بجے وہ چکّی چلاتی ہے، مصیبت یہ ہے کہ چمار لوگ رات کے تیرہ چودہ بجے کھانا کھاتے ہیں اور صبح ہی صبح چلم پیتے ہوئے نظر آجاتے ہیں،

الغرض اب وہ جتنی پُرانی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی ہر کام میں تیز اور مستعد ہوتی جاتی ہے، اولاد کے بعد دنیا کی ہر عورت قدرے ضعیف اور مضمحل نظر آتی ہے، مگر اس کے ہاں آج بچّہ پیدا ہوا اور یہ پرسوں پوری قوّت کے ساتھ شوہر سے لڑتی ہوئی اور اُسے گالیاں دیتی ہوئی مل جائیگی، کیونکہ اس کے ہاں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ بچّے کی پیدائش کے وقت عورت کے لئے آرام بھی ضروری ہے، نہ حفظانِ صحت کے اصول کی اسے پروا، نہ اس کی جان کی، اس کے ہاں کی میونسپلٹی کو پروا، لہٰذا وہ دس دن کے بچّے کو دھوپ میں لیکر یوں بیٹھ جاتی ہے کہ جوتے کا کشیدہ بھی کاڑھ رہی ہے اور ننھے سے بچّے کو دودھ بھی پلا رہی ہے، پھر کیا مجال جو اسے یا اس کے بچّے کو زکام ہی ہو جائے، اب اس کے پاس نہ بچّے کے کھلونے ہیں نہ نرم ونازک بستر بس ایک رسّی کا جھولا ہے، اور ایک ٹوکری اب چاہے بچّہ اس ٹوکری میں لیٹ کر جھولا جھولے یا روتا رہے وہ ہر حالت میں گھر کا اور دکان کا کام کریگی،

عام طور پر چمار کی بیوی چوبیس گھنٹے کام میں مصروف رہتی ہے، لیکن رات کے کھانے پکانے کا وقت اس کے ہاں نہایت خطرناک وقت قرار پا چکا ہے، اس طرح کہ ادھر اس نے چولھے کے پاس قدم رکھا اور اُدھر رات کے نو دس بجے اس کا شوہر شراب خانے سے لڑکھڑاتا ہوا گھر میں آیا، بس اب میاں صحن سے اور بیوی چولھے کے پاس سے ایک دوسرے کو وہ صاف

صاف سنا رہے ہیں کہ خدا کی پناہ، کیا مجال جو شوہر کی گالی سے کم درجہ کی گالی بیوی دے، اسی طرح ناممکن ہے کہ اب شوہر شراب پی کر اور بیوی کو خود گالیاں دیکر پھر اُسے ڈنڈے جوتے طمانچے اور ٹھوکریں مارتے مارتے بے دم نہ کردے چنانچہ گالیوں کا سلسلہ شروع ہونے سے کبھی تو ایک ایک گھنٹے کے بعد اور کبھی فوراً جار صاحب نے جو بیوی صاحبہ کو ٹھوکنا شروع کیا تو اب جب تک کہ پولیس کا گشت نہ آجائے نہ وہ مارنے سے تھکتے، نہ یہ مار کھانے سے گھبرا کر بھاگ جاتی، اور یہ اس لئے کہ اکثر اوقات شراب پیے ہوئے شوہر صاحب کو بیوی ہی زیادہ ٹھونک لیتی ہے، اور اوپر سے رو کر شور اتنا کرتی ہے کہ شوہر کے مار کھانے کا کسی کو شک بھی نہ ہو، کیونکہ اس ہنگامے میں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہی کبھی ان دونوں کے بیچ میں آگئے آگئے ورنہ کسے ضرورت کہ ان کے بیچ میں آکر خود اپنی بھی گت بنوائے،

یہ تو جوانی کی باتیں تھیں لیکن اگر اسے بڑھاپے میں دیکھ لیا جائے تو پھر کسی شریف انسان کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں اس لئے کہ اب یہ ہر سامنے آجانے والے گاہک سے خواہ مخواہ بھی لڑنے کے لئے اپنے شوہر سے دس بارہ میل آگے ہی نظر آتی ہے، آپ اس کے شوہر سے سیدھی سادی ہی گفتگو کیجے مگر یہ اپنی جگہ بیٹھی بڑبڑاتی رہیگی، مثلاً بات کیجے شوہر سے اور جواب دیگی یہ بوڑھی بیوی صاحبہ، اور جو ان سے براہِ راست معاملہ ہو جائے پھر تو شام تک پیچھا چھوڑنا محال، آپ کہئے ایک اور وہ کہیگی دس، ایسی صورت میں اپنا سا منہ لیکر گھر آجائیے اور بس، نہایت درجہ مرعوب فطرت، غربت اور انتہائی تنگدستی کے ہاتھوں ہلاک، انسانی مظالم اور جبر کا شکار، بچوں کا مال گودام، محنتی، جفاکش، کفایت شعار، اخلاق سے نہ خود واقف، نہ ان کے

اثرات کی ذمہ دار، نہ زیادہ خوش اخلاق نہ زیادہ بدکردار،

اب سُنا ہے، کہ کچھ دن سے مشن اسکولوں میں بھی جانے لگی ہے، پس اگر صحیح ہے تو وہ کبھی کبھی اور کہیں کہیں مِس اور لیڈی بھی کہی جاتی ہوگی، مگر یہ بات مردم شماری والوں کو معلوم ہوگی اور ضرور معلوم ہوگی، ہمیں نہیں، فقط،



گداگری کی بیوی

گداگر یعنی بھیک مانگنے والے مرد عورت اور بچے جس تعداد میں ہندوستان میں پائے جاتے ہیں دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں، اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیوں؟ تو جواب یہ ہو سکتا ہے کہ انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ کرنے سے پہلے کے زمانے میں ہندوستان میں پیداوار کی کثرت اور برآمد بند ہونے کے باعث فراغت کا جو دور گزرا اُس نے عام ہندوستانیوں کو عیش پسند اور بے ہنر رہنے کی طرف مائل رکھا، اسی طرح سابق سلاطین کے عہد میں گو تعلیم کا نہایت کافی انتظام تھا مگر ملک میں ذرائع نقل و حمل ہونیکے باعث ایک جامد زندگی ساری و طاری تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ پاتے ہی یہاں کی جامد زندگی میں ایک دم حرکت پیدا ہوئی، ریلوں کے ذریعے ملکی پیداوار اور مصنوعات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگیں، تعلیم یکسر غیر زبان میں دی جانے لگی، اس لئے برسوں کی جامد زندگی میں ایک دم کافی انقلاب کا پیدا ہونا محال ہو گیا، اور گھرانے کے گھرانے اب جاہل اور بے ہنر نظر آنے لگے، اور اب صرف ایسے گھرانے آسانی سے روٹی کھا سکتے تھے جو جدید تعلیم اور جدید صنعت و حرفت سے واقف ہو چکے تھے، اس لئے ملک میں بے روزگاری اور افلاس نے ترقی کی، اور لوگ قدرۃً بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے،

لیکن ان اسباب سے پہلے بھی ہندوستان میں" گداگر" کا وجود پایا جاتا ہے، ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہیں کسی وجہ سے شاہی زمانے میں قبروں کی خدمت ونگرانی کے عوض بڑی بڑی زمین جاگیر میں دی گئی تھیں، بعض غیر ملکی آوارہ گروہ تھے جنہوں نے ہندوستان میں آکر یہاں کی زبان اور علوم سے بے خبری کے باعث گداگری کو ذریعہ معاش بنایا، بعض وہ تھے جو افلاس کے پنجے میں گرفتار ہو کر کسی دوسرے طریقے سے نجات حاصل نہیں کر سکتے تھے، الغرض ایسے ہی اسباب کے تحت ہندوستان میں گداگروں کے خاندان اور برادری بلکہ قبیلے تیار ہو گئے، پھر ان جماعتوں میں چند خاص اُصول وضوابط نے رواج پایا، نتیجہ یہ کہ آج اس قسم کے گداگر بکثرت موجود ہیں جو" قوم" کی حیثیت سے اپنے ہاں کی شادی بیاہ اور دوسری رُسوم کو اپنے ہی ہم پیشہ لوگوں تک محدود اور خاص کر چکے ہیں، ان کی برادری کی طرح ان کا لباس اور ان کا طریق معاشرت بھی یکساں اور خاص ہوتا ہے، گویا ہندوستانی گداگر بھی ایک مستقل حیثیت رکھنے والی قوم کا رکن ہوتا ہے، مگر بدقسمتی سے اس قسم کی برادری مسلمانوں میں زیادہ ہے،

ہندو قوم میں بھی گداگروں کی کمی نہیں بلکہ ان میں بعض جماعتیں ایسی بھی موجود ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ صرف "خیرات کھانے" کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور مذہباً وہ خیرات ہی سے گزر کر سکتے ہیں اور انھیں کام کر کے روزی کمانا مذہباً حرام ہے، شاید اسی جماعت سے مسلمان گداگروں میں بھی ایسے عقیدے کے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں روزی کمانا جائز نہیں، بلکہ ہماری روزی کا حق دوسروں کی کمائی میں ہے، بدقسمتی سے ایسے لوگوں میں بعض چالاک اور قدرے تعلیم یافتہ ارکان نے ایسے اصول بھی گھڑ لئے ہیں جنہیں مذہبی احکام کا رُتبہ دیا گیا ہے، اور اپنے

لئے انہی احکام سے بھیک اور خیرات کو جائز قرار دے لیا ہے، ایسے ذی ہوش گداگروں میں ہندوؤں میں "برہمن" اور مسلمانوں میں "پیر صاحب" کے نام سے بعض لوگ خاص ہیں، جن کے متبعین بھی ان کے اقوال پر مذہبی عقیدت کے ساتھ گداگری پر عمل کرتے ہیں،

اب چند سال سے تعلیم کی کثرت نے جب عوام میں روشن خیالی اور وسعتِ نظر پیدا کی تو اس مکروہ اور ذلیل کسبِ معاش کے انسداد کا احساس پیدا ہوا اور کہیں کہیں "قانون" کے ذریعہ اس پیشے کو ترک کرانے کی کوشش عمل میں لائی گئی ہے، لیکن اس پر بھی ہندوستان میں گداگروں کی جو کثرت پائی جاتی ہے وہ اب بھی کسی دوسرے ملک میں نہیں ہے، اگرچہ اس بلا سے یورپ ایسا اعلےٰ تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر فتہ براعظم بھی محفوظ نہیں ہے، پھر بھی ہندوستانی گداگری اُس سے آگے ہے چنانچہ اس وقت تک ہندوستان میں گداگروں کی اقسام پائی جاتی ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں،

۱ - نسلی گداگر، جن کے ہاں خاندانی طریقے پر بھیک مانگ کر روزی کمانا بزرگوں کا پیشہ سمجھا جاتا ہے،

۲ - وہ گداگر، جو بے ہنری اور عیش پسندی کے باعث ہر کام سے گھبراتے ہیں اور بھیک کو آرام کی روزی سمجھ کر پیشہ بنا چکے ہیں،

۳ - مذہبی گداگر، جو اپنے حماقت آفریں خیال میں بھیک کو "مذہبی عطیہ" سمجھے ہوئے ہیں،

۴ - وہ گداگر، جو ہاتھ پاؤں سے قطعاً محتاج اور معذور ہیں، اور کسی ایک خدمت کو انجام دیکر

اپنی روزی نہیں کما سکتے، اور صحیح معنے میں انہی کو بھیک کا مستحق مانا جا سکتا ہے،
ان طبقات کے سوا بھی گداگر پائے جاتے ہیں مثلاً وہ جو کسی دوسرے ملک سے نہایت ابتر اور پریشان حالت میں آئے ہیں اور انہیں کوئی دوسرا ذریعۂ معاش ملتا ہی نہیں،
ان طبقات کی روزی کمانے کے طریقے بھی بکثرت ہیں، مگر ہر طریقہ نہایت درجہ مکر و فریب سے بھرا ہوا، ان لوگوں نے بھیک مانگنے کے جتنے طریقے ایجاد کئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ بھیک مانگنے والے میں جب عقل و فکر کی اتنی استعداد موجود ہے کہ وہ بھیک کے لئے ایک نہایت پُر فریب طریقہ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اُسے بہ جبر کسی شائستہ خدمت پر مامور کیا جائے تو وہ یقیناً عزت کے ساتھ روزی کما سکتا ہے، فی الجملہ ہندوستان میں گداگروں کی کثرت نہ فقط قومی وقار کی ذلت کا باعث ہے بلکہ حکمراں جماعت کی نیک نامی کو بھی بدنام کرنے والی چیز ہے،
غرض ہندوستانی گداگروں میں بھیک مانگنے کے مکر و فریب سے بھرے ہوئے اتنے طریقے رائج ہیں کہ اُن کی تفصیل سے ایک نہایت طویل کتاب تیار ہو سکتی ہے،
پس ہندوستانی گداگر کی بیوی بھی کسی گداگر ہی کے گھر میں پیدا ہوتی ہے اور گو بعض گداگر نہایت درجہ مالدار اور ذی ثروت ہوتے ہیں مگر رواج کے عام انداز کے باعث وہ اپنی دولت مندی کا اظہار کرنے سے مجبور ہیں اسی لئے یہ بیوی خواہ کتنے ہی امیر گداگر کے گھر پیدا ہو اس کے لئے کوئی ہنگامہ خیز اظہار مسرت نہیں کیا جاتا،
چونکہ گداگر پیشہ طبقات عام طور پر جاہلِ محض ہوتے ہیں اس لئے نہایت تاریک اور تباہ کُن

رسوم کے پابند بھی ہوتے ہیں لہذا اس کی پیدائش کے وقت کی خوشی میں اس کے ماں باپ عجیب وغریب قسم کی نذر ونیاز اور رسوم سے کام لیتے ہیں، بعض کے ہاں اس کی پیدائش کو کسی قبر، کسی ولی، اور کسی بھوت کا انعام قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ عرصہ دراز تک اسی قبر، اسی ولی، اور اسی بھوت کے نام کی چوٹی اس کے سر پہ برقرار رکھی جاتی ہے،

بعض کے ہاں اس کی پیدائش پر باجا بھی بجایا جاتا ہے، اور گانا بھی ہوتا ہے، اور بعض کے ہاں کسی ولی اور کسی دیوتا کے نام کی مٹھائی بھی تقسیم کی جاتی ہے، اور اکثر کے ہاں کچھ بھی نہیں،

پیدا ہونے کے بعد سے جوانی تک کسی قسم کی تعلیم اور ہنر مندی سے یہ دوچار بھی نہیں کی جاتی البتہ غلط اور جاہلانہ رسوم سے ضرور خبردار کر دی جاتی ہے، اور بھیک مانگنے کے طریقے وہ آنکھیں کھولتے ہی دیکھتی ہے، اور خود بخود ماں باپ کے ساتھ رہ کر سیکھتی جاتی ہے افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے اُسے بچپن سے لیکر جوانی تک نہایت گندہ اور میلا رہنا پڑتا ہے اُسے کوئی خاص ہنر بھی نہیں سکھایا جاتا نہ امور خانہ داری کی کوئی تعلیم دی جاتی، بس جہاں جوان ہوئی اور کسی دوسرے گداگر کی بیوی بنا دی گئی،

وہ بہت چھوٹی عمر سے بازاروں میں بھیک مانگنے کی عادی ہوتی ہے اسی لئے وہ دُلہن بنکر بھی بہت جلد بازار میں بھیک کے لئے نکل آتی ہے، اور اسے گداگر برادری میں معیوب نہیں سمجھا جاتا، اس کے لئے گھر میں کسی خاص قسم کے فرائض نہیں ہوتے، بس صبح بھیک مانگی اور کھالی، اور شام بھیک مانگی، کھالی، کپڑوں کا بھی یہی عالم ہوتا ہے کہ لوگوں سے

پھٹے، پُرانے کپڑے مانگے اور پہن لئے، یہاں تک کہ اس جماعت میں صاف سُتھرا کپڑا پہنّا اس لئے جائز نہیں کہ ایسے کپڑوں کو دیکھ کر لوگ اُسے بھیک نہیں دیں گے، لہٰذا وہ اس خطرے سے دانستہ طور پر چیتھڑے لگائے پھرتی ہے،

اس کا مکان نہایت تنگ و تاریک اور جھونپڑی یا جھونپڑا ہوتا ہے، جو غلاظت اور گندگی سے اٹا رہتا ہے، یہ خود مزاج کی نہایت گندی اور سُست ہوتی ہے، یہ بھیک مانگنے کے بعد گھر میں بہت کم کام کرتی ہے، اور زیادہ سوتی ہے،

اس کے ہاں اولاد کی جو کثرت پائی جاتی ہے وہ مزدور کی بیوی کو چھوڑ کر دنیا کی تمام بیویوں سے زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ دعا ہے کہ خدا کسی بچوں والی گداگرنی سے بازار میں ملاقات نہ کرائے ورنہ یہ اگر بھیک مانگنے کے لئے مع اولاد کے آپ سے چمٹ جائے تو نہ آپ کو اُس کے چنگل سے کوتوال صاحب بچا سکتے نہ وزیر جنگ،

یہ گھروں پر جا کر نہایت درد انگیز الفاظ میں بھیک مانگتی ہے، اور بازاروں میں بھی نہایت تکلیف دہ صورتیں بنا کر لوگوں سے بھیک وصول کرتی ہے، اس کے پاس بھیک مانگنے کا نہایت با اثر ذریعہ اس کی کمسن اولاد ہوتی ہے جسے بڑے دردناک انداز سے دکھا کر یہ لوگوں سے بھیک وصول کرتی ہے، بعض اپنی کم عمر اولاد کو عین وقت پر کوئی غیر محسوس تکلیف پہنچا کر رُلاتی ہیں اور اس بچے کے رونے کی آواز سے گھر کی عورتیں اور مرد متاثر ہو کر انہیں کافی بھیک دیتے ہیں، بعض دوسروں کے بچوں کو کھلانے کے نام سے لے آتی ہیں اور اُن کو اپنا بچہ کہہ کر لوگوں اور گھروں سے بھیک وصول کرتی ہیں، بعض نہایت چالاکی سے

"پردہ والی شریف بیوی"، بنکر نکلتی ہیں اور اپنے کو ذی عزت گھرانے کی ذی عزت مگر مصیبت زدہ عورت ظاہر کرکے بھیک مانگتی ہیں، بعض اپنے شوہر کے ساتھ بھیک مانگتی ہیں اور اکثر علیحدہ،

یہ شوہر کے حق میں نہ مفید نہ مضر، اسی طرح نہ زیادہ فرماں بردار نہ زیادہ شوخ، اس لئے کہ وہ اپنی روزی خود کماتی ہے لہذا ایک حد تک شوہر پر غالب رہتی ہے،

کردار و اخلاق کے لحاظ سے ایک حد تک خطرناک، اور غیر معتمد ہوتی ہے، اُس کے بھیک مانگنے کے آزاد طریقے اُس کے اخلاق کو ذلیل کر دیتے ہیں، اُس میں چوری کی عادت ہوتی ہے اور بے حیائی کا مادّہ زیادہ، وہ بازار میں اگر اپنے شوہر یا ساتھ والی سے جھگڑہ مول لے لے تو اُس سے پیچھا چھوڑانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا ایک مرتبہ پولیس کی نظر میں مشکوک ہو کر پھر عمر بھر خود کو نیک چلن ثابت کرنا محال مان لیا گیا ہے شوہر کے حق میں کم وفادار، کم خدمت گزار خود غرض، لالچی، اور حد سے سوا مکّار، مگر بے حد کفایت شعار، اور اپنی حیثیت میں سلیقہ مند،



رنڈی بیوی

بازار کو متاثر کرنے اور بازار سے علاقہ رکھنے والی عورت ذاتوں میں رنڈی ہی وہ عورت ذات ہے جس کی تعریف میں اُس کے شوہر کا نام نہیں لیا جا سکتا، اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس کا شوہر ہی نہیں ہوتا یا وہ اپنا شوہر آپ ہی ہوا کرتی ہے، بلکہ منشا یہ ہے وہ جس حیثیت سے بازار میں ملتی ہے وہاں شوہر کا وجود نہیں پایا جاتا، بس اس کی تعریف یہ ہے کہ یہ انسانی عیش پسندی، فضولی، اور لطف اندوزی سے پیدا ہوئی ہے، اس کے وجود سے شادی، بیاہ، خوشی کی تقاریب اور عیش کی مجالس کو رونق دی جاتی ہے، اس کی برادری بھی مختلف طبقات پر مشتمل ہے، سب سے بلند طبقہ وہ ہے جو گانے اور ناچنے کا پیشہ کرتا ہے، اس کی ابتداء کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ کس شریف آدمی کی بیٹی تھی لیکن اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ رنڈی ہی کے گھر پیدا ہوتی ہے، اور بڑے نازنخرے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے، اُس کی رسائی عوام سے لیکر بادشاہوں کے درباروں تک ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۳۰ء میں اخباروں میں یہ افواہ تک شائع ہوئی تھی کہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء میں بادشاہ افغانستان اپنی تخت نشینی کا جشن منانے والا ہے اُس میں اُس نے ہندوستان سے رنڈیاں بھی بلائی ہیں، اور ہندوستانی رؤسا کی تو کوئی ایک مجلس اس کے وجود سے خالی نہیں پائی گئی، اور تو اور یہ اپنے مُلّا رموزی صاحب

کی شادی میں بھی آئی تھی،

یہ اگلے زمانے میں تو جو کچھ تھی وہ تھی مگر موجودہ عہد میں اس نے بھی شائستگی اور ترقی کی طرف قدم بڑھایا ہے مگر یہ ترقی قابلِ تذکرہ ترقی نہیں ہے یعنی کسی تعلیم اور ہنرمندی کیطرف نہیں بلکہ صرف چند معاشرتی اور تمدّنی معاملات میں اس نے تبدیلی کو قبول کیا ہے اور احساسِ خودداری نے بے حد قلیل صورت میں ترقی کی ہے۔ البتہ اس کے خلاف عوام و خواص میں بے حد مخالفانہ جذبات بیدار ہو رہے ہیں اور اسے قومی خودداری اور وقار کے خلاف سمجھا جارہا ہے، چنانچہ جن مقامات میں اس کے خلاف تحریک کی گئی ہے، اُن میں ہندوستان کا دارالحکومت دہلی سب سے آگے ہے، چنانچہ ۱۹۳۰ء میں دہلی کے عوام نے رنڈی برادری کے خلاف نہایت منتظم اور باقاعدہ کوشش کا آغاز کیا جس کی ابتدا، اس طرح کی گئی کہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ رنڈیوں کو وسطِ شہر میں رہنے کی اجازت نہ دے، اور انھیں شہر کے باہر یا کسی علیحدہ حصّے میں آباد ہونے کا حکم دے، لیکن جب انفرادی کوششیں کارآمد ثابت نہ ہوئیں تو عوام دہلی نے اپنی نمائندہ مجلس "بلدیہ دہلی" کے ذریعہ باضابطہ مقدمہ دائر کرکے ان کے اخراج کا مطالبہ کیا،

یہ مقدمہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس کے حالات نے تقریباً کل ہندوستان کی رنڈیوں اور "کل" اشراف" کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، چنانچہ جس طرح رنڈیوں کے خلاف عوام میں دلچسپی اور جوش پیدا ہوا، اُسی طرح رنڈی برادری میں بھی اپنی حفاظت اور حقوق کا احساس طاقتور ہو گیا، چنانچہ اس وقت اخبارات میں ان کے خلاف جس زور کے ساتھ آواز بلند کی گئی، اُس کے مقابل دہلی کی رنڈی برادری نے بھی اپنے تحفظ کے لئے ایک اخبار اُردو زبان میں جاری کیا جس کا

ایڈیٹر ایک رنڈی کو ظاہر کیا گیا تھا، یہ اخبار چند دن جاری رہ کر بند ہوگیا، اور چند دن کے بعد پھر جاری، اور پھر بند ہوگیا، اس کے بعد رنڈیوں کی خلاف مقدمہ دائر رہا، اور عوام کے ساتھ اخبارات نے بھی اس کی تائید میں بہت کچھ لکھا، نتیجہ یہ نکلا کہ عدالت نے رنڈیوں کے خلاف فیصلہ دیدیا اور دہلی کی مجلس انتظامیہ عرف مینوسپلٹی نے انھیں ”سُرخ روشنائی“ کا لکھا ہوا حکم دیدیا کہ

”ہرگاہ کہ تم رنڈی ہو لہذا فوراً دہلی کے چاوڑی بازار سے کسی ویران خطے میں چلی جاؤ ورنہ عافیت تنگ کردی جائیگی“

اس حکم پر عام طبقات میں نہایت اطمینان کا اظہار کیا گیا، مگر رنڈی برادری نے اس حکم کے خلاف ”ذرا اونچی عدالت“ میں اپیل ٹھونک دیا، جس کا فیصلہ اخبار ”وطن دہلی“ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء اور اخبار ”زمیندار لاہور“ مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جس میں رنڈیوں کو ”زنانِ بازی“، اور ”شاہدانِ بازاری“ اور ”طوائفوں“ کے الفاظ سے یاد کیا ہے، فیصلے کے اخباری الفاظ یہ ہیں جو ”زمیندار“ نے چھاپے ہیں اس عبارت کے عنوانات یہ ہیں،

”میونسپل کمیٹی پر شاہدانِ بازی کا استغاثہ،

دہلی میں ایک دلچسپ مشغلہ،

دہلی ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء۔

دہلی میونسپل کمیٹی کے خلاف دہلی کی مشہور طوائفوں مثلاً چنبیلی، خورشید جان اقبال، تیلی، چندا، رادھا، سندر، مشتری، سرستی، ننھی، بسنتی، بھاگا

ہیرا[۱۲]، آہنی[۱۳]، ہرمی[۱۴]، گوپی[۱۵]، جوگل[۱۶]، محمودہ[۱۷]، خورشید[۱۸]، اللہ رکھی[۱۹]، سرداری[۲۰]،
فیاض[۲۱]، زہرہ[۲۲]، نورجہاں[۲۳]، شاہجہاں[۲۴]، عیدا[۲۵]، شریفا[۲۶]، الٰہی جان[۲۷]، بجلی[۲۸]، رامو[۲۹]
بچھی[۳۰]، رام بوری[۳۱]، بیونٹی[۳۲]، حفیظا[۳۳]، چندہی[۳۴]، بشیرا جان[۳۵]، مشتری جان دوم[۳۶] نے
مقدمات دائر کئے ہیں،

عرضی دعوٰی کا مضمون یہ ہے کہ کمیٹی نے ہمیں پیشہ ور عورتیں تصور کر کے چاوڑی بازار دہلی سے نکل جانے کا حکم دیا ہے، لیکن ہم طوائفیں نہیں، بلکہ داشتہ ہیں اور گانا بجانا ہمارا پیشہ ہے، یہ مقدمات سید محمد عبد اللہ صاحب جج درجہ اوّل دہلی کے اجلاس پر پیش ہیں، ان رنڈیوں کے علاوہ دو سو شاہدانِ بازاری بھی احاطہ کچہری میں موجود تھیں، ان مقدمات میں سے سردست تین چار مقدمات کی سماعت شروع ہوئی، رنڈیوں کے بیانات قلم بند کئے جانے کے بعد مقدمات آئندہ تاریخوں پر ملتوی کر دیئے گئے،،

اس کے بعد اخبار ’’وطن دہلی،، مورخہ ۱۳- جنوری سنہ ۱۹۳۱ء نے ذیل کی اطلاع شائع کی، یہ اخبار دہلی اور ہندوستان کے قوم پرست ہندوؤں کا نامور اخبار ہے جس کی اطلاع یہ ہے کہ،

’’کل چودھری نعمت خاں ڈسٹرکٹ و سشن جج کی عدالت سے وہ اپیل خارج کر دی گئی جو جناب شنکر لال صاحب سب جج درجہ اول کے فیصلہ کے خلاف چاوڑی بازار کی چار رقاصہ عورتوں کے خلاف دائر کی گئی تھی، ان عورتوں کو زنانِ بازاری قرار دیتے ہوئے میونسپل کمیٹی نے چاوڑی بازار سے اخراج کا

نوٹس دیدیا تھا۔ کمیٹی کی جانب سے جناب راج نرائن اور رقاصہ عورتوں کی جانب سے جناب گلاب چند پیرو کار تھے،

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں تحریر کیا ہے کہ میونسپل کمیٹی نے قرار دیا ہے کہ مسماۃ چندا، بسنتی، لالی، اور بجلی، اپنی بسراوقات بطور زنانِ بازاری کرتی ہیں لیکن مدعا علیہم کا بیان ہے کہ وہ رقاصہ کا پیشہ کرتی ہیں، اس لئے میونسپل کمیٹی کا کوئی حق نہیں تھا کہ اس کو اخراج کا نوٹس دیتی اس کے علاوہ دیگر مدعا علیہم نے بھی ایسی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور رقاصہ کے بسراوقات کرتی ہیں،

گرداور کا بیان صرف اتنا ہے کہ میں نے انھیں بازار کے رُخ کے برآمدہ [illegible] بیٹھے دیکھا ہے،

لہٰذا اتنا ثبوت ناکافی ہے، لہٰذا اپیل منظور،،

اس فیصلے کے خلاف اخبار "وطن دہلی،، نے ۱۳۔جنوری ۱۹۲۱ء کا مقالہ مدیری جس جذبات کے ساتھ لکھا ہے وہ یقیناً ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کے احساسات کا صحیح ترجمان ہے جو یہ ہے،

"چاوڑی بازار دہلی سے جو شہر کا ایک مشہور تجارتی مرکز ہے زنانِ بازاری کو اُٹھانے کا مسئلہ کئی سال سے میونسپل کمیٹی کے سامنے پیش ہے لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک اس کا کوئی خاطر خواہ حل نہیں ہوسکا ہے

اس قسم کی بازاری عورتوں سے شہر کے اخلاق کو بچانا چاہیئے، اس قسم کے خیالات ہی کے تحت دہلی کے ہزارہا باشندوں نے اس کمیٹی کو درخواست دی تھی جس نے انھیں اس بازار سے اُٹھانے کی تجویز منظور کرلی تھی لیکن افسوس ہے کہ دہلی میونسپل کمیٹی اس وقت تک اپنی اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنا سکی، جب میونسپل کمیٹی نے رنڈیوں کو نکل جانے کا نوٹس دیا تو انھوں نے کمیٹی پر دیوانی مقدمہ دائر کردیا اور لالہ شنکرلال صاحب سب جج نے اس بنا پر انھیں جتا دیا کہ میونسپل کمیٹی کے لگائے ہوئے الزامات کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس شکست کا سبب یہ ہے کہ کمیٹی کے ملازمین نے اس مقدمہ کو اچھی طرح نہیں چلایا، اگر کمیٹی کوشش کرتی تو ان زنانِ بازاری کے خلاف ثبوت بہم پہونچا دینا مشکل نہ تھا اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے، ابھی وقت ہے کہ میونسپل کمیٹی اپنے فرائض کو پہچانے اور اپنے وکلاء کے مشورہ سے ضروری ثبوت بہم پہونچا کر اس بلا کو شہر سے ٹالنے کی کوشش کرے کیونکہ ان بے ماں باپ کی بچیوں کے چند سرپرستوں کے سوا باقی تمام شہر کی ہمدردی کمیٹی کو حاصل ہوگی، ہم امید کرتے ہیں کہ کمیٹی اپنے فرائض سے جلد سبکدوش ہوکر اہل شہر کی ایک ٹھوس خدمت انجام دیگی جس کا احسان موجودہ ہی نہیں بلکہ آئندہ نسلیں بھی مانیں گی،،

دارالحکومت دہلی کے ایک وسیع الاثر اخبار کے اس مقالہ مدیری سے ہم نے وہ تمام پُرجوش

بقاء کے لئے اپنے دماغ کی بہترین قوتیں صرف فرما رہے ہیں، اور اخبارات و رسائل کے ذریعہ اس کی حمایت کا حق ادا کرکے "تاریخ وطنی" میں اپنے لئے معلوم نہیں کس قسم کا باب قائم کرانا چاہتے ہیں، چنانچہ "حامیانِ شاہدان بازاری" میں شہر بمبئی کے چند کم علم مگر دولت مند نوجوانوں کے بیچ میں ایک "ابال کھائے ہوئے دماغ کے ایسے مسلمان صاحب سب سے پیش پیش ہیں جو اپنی عمر کے آخر حصے میں" مولویانہ حیثیت سے بالکل بوکھلا گئے ہیں"

بارے اس کی پیدائش کے وقت جو دھوم دھام نظر آتی ہے وہ اچھے اچھوں کی بیٹیوں کی پیدائش میں نظر نہیں آتی، اس کی پیدائش پر حد سے سوا مسرت اور دھوم دھام کا اظہار اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ اپنی والدہ صاحبہ اور خاندان کے مستقبل کی روزی کا ذریعہ ہوتی ہے، ادھر اس کی والدہ کے پاس دولت بھی خاصی ہوتی ہے، لہذا پیدائش سے لیکر دس سال کی عمر تک اس کی بے شمار تقریبات دیکھنے میں آتی ہیں جو کبیر جہالت کا نمونہ ہوتی ہیں، مگر ان تقریبات کے مصارف کو ہندوستان کے وہ دولت مند برداشت کرتے ہیں اور بڑے فخر سے برداشت کرتے ہیں جو یا تو نرے ایم، اے پاس ہوتے ہیں اور صحیح علوم سے کوسوں دور، یا پھر جنھیں دولت تو حاصل ہو گئی ہے بے شمار مگر شائستہ ذوق اور اعلےٰ ذہنیت سے محروم ہیں اسی لئے رنڈی کی امداد کو اپنی زندگی کا بلند تر کارنامہ سمجھتے ہیں اور دوستوں میں اس امداد پر فخر فرماتے ہیں،

اس کی پیدائش کی وقت کی فضولیوں کے بعد سے اس کی "تعلیم" کا اہتمام ہوتا ہے "تعلیم" سے ایک تو لکھنا پڑھنا مُراد ہے، دوسرے ناچنے اور گانے کی مشق کا آغاز، لکھنے پڑھنے کی تعلیم کا

یہ حال ہے کہ شروع میں اس کے لئے ایک "ماسٹر صاحب" اور "مولوی صاحب" مقرر کئے جاتے ہیں مگر "حدِ تعلیم" یہ ہے کہ عمر بھر رنڈی صحیح الفاظ میں خط نہیں لکھ سکتی ہے، بجز اس کے کہ چند کتابیں اُردو یا ہندی کی غلط سلط طریقے پر پڑھ لیتی ہے، سو وہ بھی اس طرح کہ کوئی بوڑھا آدمی رو رہا ہو، یہی حال اس کے خطوط کا ہوتا ہے، جن میں املا اور انشاء کی بے شمار لغزشیں موجود ہوتی ہیں مگر اس کے "قدر دانوں" میں اس کے خطوط کی زبردست عزت اور تعریف کی جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ "قدر دان صاحب" خود خیر سے کودن یا "نیم تعلیم یافتہ" ہوا کرتے ہیں، ادھر اپنے خطوط میں ناولوں اور افسانوں کے الفاظ اور جملے چرا کر نقل کرتی ہے، اور قدر دان سمجھتے ہیں کہ یہ اُسی کے عالمانہ اور ادب آزا دماغ کی ایجاد ہیں، اسے مکر و فریب سے بھرے ہوئے خطوط لکھنے کا مشورہ بھی بطریق تعلیم دیا جاتا ہے اور اسی طرح بھری ہوئی محفل میں لوگوں سے مذاق اور دل لگی کے الفاظ بھی سکھائے جاتے ہیں، چنانچہ جس وقت "حمقاء" اور "بلبل تاجر" اس کے گھر جاتے ہیں تو یہ بڑے "عالمانہ نخرے سے" اُن سے مذاق فرماتی ہیں اسی طرح اس کے ہاں جانے والے بھی خود کو بہت بڑا "ظریف" اور زندہ دل سمجھ کر تشریف فرما ہوتے ہیں، لیکن رنڈی کے تمام جملے اور فقرے نہایت درجہ ذلیل، فحش اور بیہودہ مفہوم کو ادا کرنے والے ہوتے ہیں مگر اس کے مخاطب گدھے ان جملوں پر مارے حیرت کے شیروانیوں سے باہر ہوئے جاتے ہیں، حالانکہ رنڈی اپنی جہالت اور کم علمی کے باعث اربابِ علم سے گفتگو کی کبھی اہل نہیں ہوتی مگر پھر بھی اس کے جملوں اور اس کے خطوط کی جو قدر ہوتی ہے وہ اس لئے کہ ؎ جیسی روح ویسے فرشتے،

اس کے مکان میں تصاویر اور آئینوں کی کثرت ہوتی ہے، ایک کمرہ خاص طور پر نہایت درجے

آراستہ اور شاندار بنایا جاتا ہے، اس کے ہاں جانے والوں میں موٹے موٹے تھانیداروں بلغمی قسم کے کو توالوں، اور آنریری مجسٹریٹوں کی تعداد کافی ہوتی ہے، اور کہیں کہیں حاکم ضلع یا تحصیلدار صاحب بھی مل جاتے ہیں، مگر اس کمرہ کے بعد دوسرے کمرے نہایت تاریک اور گندہ ہوتے ہیں اس کی بوڑھی والدہ صاحبہ اور افیونی قسم کے ملازم اور خدام پڑے حقہ پیا کرتے ہیں،

جہاں آپ تشریف لے گئے اور یہ بڑے گورنری نخرے سے آکر سامنے تشریف فرما ہوئیں اب بیٹھنے کے بعد سے اگر یہ دس برس بھی آپ کے سامنے بیٹھیگی تو جتنی باتیں کریگی اور جو حرکت بھی کریگی اس میں سر سے پاؤں تک بناوٹ اور حد سے سوا بھونڈا مکر اور فریب ہوگا مگر اس کے ہاں تشریف لیجانے والے درجہ اول کے حمقا، اس کی ان احمقانہ اور فریب دہ حرکات کو اپنے حق میں نعمت اور جانِ حسن تصور فرما کر بے حد شاد اور مسرور ہوتے ہیں، پھر یہی نہیں کہ خود بے وقوف بنے تھے تو بنے تھے وہاں سے تشریف لاکر ملا رموزی ایسے دوستوں کو اُس کی ان سرتا سر مصنوعی حرکات اور بھونڈے اقوال کو لطف لے لے کر اور جھوم جھوم کر سناتے ہیں اور ملا رموزی صاحب ایسے مجبور دوست ظاہر میں اپنے تعلقات باقی رکھنے کے لئے اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے مگر دل میں ان کی اور رنڈی صاحبہ کی ان یکسر مصنوعی حرکات کا مذاق اُڑاتے ہیں،

اس کے ہاں جانے والے مرد سنگھار اور آرائش کے لحاظ سے خود رنڈی بن کر جاتے ہیں، اور "رنڈیانہ لغت" میں ایسوں کو "ارباب نشاط" کہا جاتا ہے، یعنی "چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل"

اس کے ہاں جانے والوں کے لئے لازم ہے کہ وہ خود نہایت درجہ شوخ، رنگین، بھڑک والا، اور بڑھیا سے بڑھیا لباس پہن کر جائیں، سُرمہ لگائیں اور عطر کا تو یہ حال کہ بس چلے تو شہر قنوج بن جائیں، بس ادھر سے یہ مرد صورت مگر زنانہ لباس ارباب نشاط بھوبچے اور اُدھر سے وہ مٹک کر آئیں، یہ گدّے تکیے سے لگ کر نہایت حسین وجمیل بن کر بیٹھ گئے، اور وہ اُن کے سامنے مگر دو میل دور کچھ بڑی ہی شرمیلی بنکر اس انداز سے بیٹھ گئیں گویا آج تک نہ وہ کبھی مردوں کے سامنے آئی تھیں نہ مردوں سے گفتگو کی عادی، ان کے پیچھے ان کی گھوسٹ اور افیونی سی والدہ یا ایک آدھ میلی سی ملازمہ یا ملازم ادب سے بیٹھ جاتے ہیں، تھوڑی دیر میں پورے مُراد آباد کے برابر ایک پاندان بی رنڈی صاحبہ کے سامنے رکھدیا جاتا ہے، اور یہ حد سے سوا نخرے کے ساتھ پان لگانے میں جہاں مصروف ہوئیں کہ ارباب نشاط نے وہ مہمل بے معنے اور بازاری مفہوم کے جملے شروع کئے جوان لوگوں میں بڑے عالمانہ جملے سمجھے جاتے ہیں، کبھی کبھی کسی "فلسفیانہ جملے" کے جواب سے رنڈی صاحبہ قاصر رہتی ہیں تو "رنڈیانہ فلسفہ کی پروفیسر یعنی ان کی اُبال کھائی ہوئی والدہ صاحبہ" اس کا جواب رسید فرماتی ہیں تو مارے لطف اور وجد کے ارباب نشاط تابو سے باہر ہو جاتے ہیں، اور دوسرے دن بڑی شان سے اس جواب کے مہمل فقرات کو لاجواب چیز بنا کر مُلّا رموزی کو یہ کہہ کر سُناتے ہیں کہ بس مُلّا صاحب ہم تو اُس کے اس جواب پر دنگ ہو کر رہ گئے، اِدھر مُلّا رموزی صاحب بھی اپنی اغراض کی خوشامد میں کہدیتے ہیں کہ بے شک قیامت کا جملہ کہا اُس نے اور اس کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ایک ایسی عورت

کیا خاک جملے اور فقرے وضع کریگی جس کی تعلیم اُردو، ہندی کی دس پانچ کتابوں تک ہو سو یہ تعلیم بھی اس لئے کہ گانے کے لئے غزلیں خود پڑھ کر یاد کرنے میں آسانی ہو، پھر جس کی صحبت میں بجائے ذی علم حضرات کے موٹے موٹے تاجر، اور بے ذوق دفتری قسم کے افسر ہوں وہ بے چاری اگر جملے بھی وضع کریگی تو بس دس پانچ اور اس کے بعد اس کا ذخیرہ ختم ہوا تو پھر سمجھ لیجیے کہ مہمل ہی مہمل۔

اس کے بعد یہ حد سے گزری ہوئی مگر خالص مصنوعی حجاب سے پان حاضر کریگی ادھر ارباب نشاط میں ایک ایسے صاحب ضرور ہوتے ہیں جو اپنی جماعت میں سب سے زیادہ فاضل، سب سے زیادہ ظریف، سب سے زیادہ بذلہ سنج، سب سے زیادہ حاضر جواب سمجھے جاتے ہیں چنانچہ انھیں اسی غرض سے ارباب نشاط بڑی خوشامد سے اپنے ساتھ لیجاتے ہیں، کہ وہ رنڈی کے موتیوں کے تول کے فقروں اور لاجواب کر دینے والے جملوں کا بڑا ہی معقول اور برجستہ جواب دیتے ہیں، اسی لئے ان لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل صاحب کو بھی اپنے متعلق یہ گھمنڈ ہو جاتا ہے کہ وہ رنڈی سے جو فقرہ بھی کہتے ہیں اس درجہ لطیف، لاجواب اور ہنسانیوالا ہوتا ہے کہ ساری محفل صدائے تحسین سے گونج ہی تو اُٹھیگی لہذا یہ قابل اور لائق صاحب رنڈی کے ہاں جاتے وقت راستے ہی سے ایسے جملے بنا کر جاتے ہیں کہ بس جاتے ہی کہہ گزریں گے، اور محفل ان کی قابلیت اور حاضر جوابی کی تعریف سے گونج اُٹھے گی چونکہ اس شخص کے خیال کو سوچ دو چار اور فقرے گھڑنے کی فکر دامنگیر ہو جاتی ہے اور عام حواس بند ہو جاتے ہیں لہذا اس سے اکثر ایسی بے اختیار حرکات سرزد ہوتی ہیں جن پر رنڈی اور اُس کے متعلقین دل

کھول کر بھائی صاحب کا مذاق اُڑاتے ہیں، اگرچہ یہ فاضل صاحب اپنی ایسی بیہودگیوں کو اپنی بوکھلائی اور عجیب وغریب حرکات سے چھپانا چاہتے ہیں مگر دل میں مارے ندامت کے کافی ذلیل ہوتے ہیں، اب ان کی بذلہ سنجی ان کی برجستہ گوئی اور ان کی ظرافت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جہاں رنڈی نے کوئی فقرہ کہا اور ان کی ساری جماعت نے انھیں غور سے دیکھا اس امید کے ساتھ کہ بس دیکھنا اب یہ ایسا جواب دیں گے کہ رنڈی پھر کوئی فقرہ نہ کہہ سکیگی، ادھر بھائی صاحب کوئی جامعۂ ازہر مصر، یا علی گڑھ یونیورسٹی کے سند یافتہ تو ہوتے نہیں، اس لئے اب وقت پر معقول جواب نہ بن آنے کی خفت کو یہ کبھی ہنسکر مٹاتے ہیں، کبھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر دو زانو بیٹھ کر یوں جھومتے ہیں گویا بس اب وہ جواب دینے ہی والے ہیں، آخر جب کوئی برابر کا جواب سوجھتا ہی نہیں تو یہ جھک کر کوئی مہمل سا فقرہ کہہ کر خود ہی زور سے قہقہہ لگاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر ہنستے جاتے ہیں اور گردن ہلا ہلا کر ساتھیوں سے بھی اپنی ہنسی میں امداد چاہتے ہیں تاکہ ہنسی کے شور میں اپنی لاجوابی کی ندامت چھپ جائے اُدھر اربابِ نشاط پہلے ہی کورے دھرے ہوتے ہیں لہذا اُنھیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ اُن کے لائے ہوئے فاضل محمد خاں کے جواب میں ہنسی اور معنیٰ آفرینی کی کوئی تک ہے بھی یا نہیں اُنھوں نے جو دیکھا کہ ہمارے برجستہ گو فاضل محمد خاں ایک جملہ کہہ کر خود ہی مارے ہنسی کے قابو سے باہر ہو رہے ہیں تو وہ بھی لگے تکیوں اور گدّوں سے اونچے ہو ہو کر قہقہے لگانے، اِدھر رنڈی ہر حال میں عورت ہوتی ہے اور ویسے بھی دس آدمیوں کے خواہ مخواہ ہنسنے اور شور کرنے سے دوسرا آدمی شرمندہ سا ہو جاتا ہے لہذا ایسے حجاب کو اتنا

نشاط سمجھتے ہیں کہ ہمارے حاضر جواب فاضل محمد خاں کے جملے نے رنڈی کو بالآخر لاجواب ہی کر دیا نا ؟ ادھر فاضل محمد خاں ہوتے ہیں کہ چار دن بعد تک اپنی جماعت والوں سے کہتے رہتے ہیں کہ کیوں یاد ہے کہ وہ میں نے اُس دن جو فلاں فقرہ کہا تھا تو کیسی لاجواب ہو گئی تھی وہ آپ کی مُشتری جان ؟

بعض ارباب نشاط رنڈی کے گھر کی تفریح کے لئے اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو رکھتے ہیں جو یا تو قد و قامت اور حُلیے بُشرے کے لحاظ سے عجیب و غریب ہوں یا پھر بنے ہوئے مجذوب خبطی یا "مولنا"، بس جہاں یہ رنڈی کے گھر پہنچے اور انھیں بنایا گیا، کوئی انھیں گفتگو سے بے وقوف بناتا ہے کوئی دھول رسید کرتا ہے، اور یہ فرضی غصّہ کے ساتھ ان سب سے ناراض ہو کر بھاگتے ہیں تو پھر ساری محفل خاص کر رنڈی انھیں منا کر یا خوشامد کر کے اس شرط پر واپس لاتی ہے کہ اب آپ کو نہ ستائیں گے، مگر تھوڑی دیر کے بعد انھیں پھر چھیڑا جاتا ہے، اور پھر یہ بگڑتے ہیں مگر چاہو کہ ہمیشہ کے لئے رنڈی کے گھر جانا چھوڑ دیں، تو یہ ان بے چارے کی بس کی بات اس لئے نہیں کہ ارباب نشاط سے روٹی ہی اسی بات کی کھاتے ہیں، ایسے لوگوں سے رنڈی منا انتہائی ہمدردی اور خلوص کا اظہار فرماتی ہیں مثلاً جس دن یہ بنے ہوئے خبطی صاحب ارباب نشاط کے ساتھ رنڈی کے گھر نہ جائیں اُس دن رنڈی ارباب نشاط سے ناراض ہو جاتی ہے اور یہ فوراً بُلائے جاتے ہیں،

الغرض جب رنڈی پان پیش کرتی ہے تو حاضرین کے "رنڈیانہ قانون" کی دفعہ یہ ہے

کہ اُس کے پانوں کے برتن کو بغیر روپیہ اور نوٹ رکھے خالی واپس نہ کیا جائے مگر اس روپیہ کی مقدار آپ کی حماقت اور دولت مندی کی مقدار پر موقوف ہے یعنی جس نمبر کے آپ احمق ہوں اُتنے ہی زیادہ روپیہ اس برتن میں رکھ دیں، چنانچہ سُنا ہے کہ شہر بمبئی کے ارباب نشاط سو روپیہ کے نوٹ سے کم نہیں دیتے، اس کے بعد ارباب نشاط کی طرف سے گانا سُنانے کی فرمائش ہوتی ہے اور رنڈی کی طرف سے نخروں کا آغاز ہوتا ہے کبھی کہتی ہے کہ کل رات کو فلاں مہاراجہ صاحب کے اے، ڈی سی تشریف لائے تھے اُنھوں نے صبح تک گانا سُنا تھا اس لئے بے حد تھکی ہوئی ہوں آج معاف کیجئے کل سُناؤں گی، کبھی کہتی ہے کہ رات کو گورنر صاحب کی کوٹھی پر گاتی رہی کیونکہ خفیہ طور پر گورنر صاحب میرا گانا سُنے بغیر کھانا نہیں کھاتے، کبھی کہتی ہے کہ کل رات سے میرے گلے میں خدا جانے کیا ہو گیا ہے کہ آواز ہی ٹھیک نہیں ہوتی، غرض ہزاروں بہانے کرتی ہے، حالانکہ گانے کے لئے شام ہی سے تمام ساز و سامان خفیہ طور پر تیار رکھتی ہے مگر اس طرح کہ سارنگی والا بھی پوشیدہ اور طبلے والا بھی غائب مگر جب ارباب نشاط کے ذوق سماع کو خوب مشتعل کر دیتی ہے تو "خیر آپ کی خاطر سے ایک دو چیزیں سُنا دیتی ہوں" کہہ کر جو حکم دیتی ہے تو تمام متعلقین ہوتے ہیں کہ فرضی طور پر آنکھیں ملتے ہوئے اس کے ہر گوشے سے برآمد ہونے لگتے ہیں گویا واقعی وہ سو رہے تھے یا سونیوالے تھے اب جو ہزاروں نخروں کے ساتھ گانا شروع ہوا تو نہ پوچھئے ارباب نشاط کے وجد و کیف کا عالم، بس ہر مصرع پر یہ اُچھل اُچھل کر اور مست و مدہوش ہو کر داد دیتے ہیں، حالانکہ آپ کی

دعا سے رنڈی جس غزل کو بھی کہیگی وہ کسی دقیانوسی اور مرے ہوئے شاعر کی جن کے اشعار میں نہ کوئی نیا خیال ہوتا نہ کوئی اچھوتی فکر، پھر مصیبت پر مصیبت یہ ہے کہ رنڈی جس غزل کو بھی کہتی ہے اتنی غلط کہ کپڑے پھاڑ کر بھاگ جانے کو جی چاہتا ہے، پھر اس پر اگر وہ یکایک کوئی غزل فارسی زبان کی شروع کردے تو سمجھ لیجے کہ اب یہ جاہل ارباب نشاط مارے کیف کے بغیر اسپتال پہونچائے ہوش میں ہی نہ آئیں گے ، گویا اُن میں کا ہر ایک فارسی زبان کی شاعری کے نکات و رموز کو اتنا سمجھتا ہے کہ خود سعدی، انوری اور عُرفی نے بھی نہ سمجھا ہوگا،

غرض خدا خدا کرکے گانا ختم ہوا، مگر اس عرصے میں رنڈی صاحبہ کی سارنگی کا صندوق سَو دوسَو روپیہ نقد یا اتنے ہی نوٹ سے لبریز ہوگیا، اور صبح صرف اتنا تذکرہ ہوا کہ افسوس مُلّا رموزی صاحب آپ رات کو گانے میں نہ تھے واللہ مُلّا صاحب اگر رات کو آپ مُشتری جان کا گانا سُن لیتے تو آپ کو وہ لُطف آتا جو عمر بھر نہ آیا ہوگا کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ گانے کو تو آپ ہی ایسے ذی علم لوگ سمجھ سکتے ہیں مگر آپ بھی اس درجہ خشک واقع ہوئے ہیں کہ بجز مضمون نگاری کے نہ دوست کے نہ آشنا کے خیر اب کی جمعرات کو انشاءاللہ آپ کو ضرور لے چلیں گے مگر دیکھئے خدا کے لئے کوئی بہانہ نہ کر دیجیگا،

ان کے بعد رنڈی کی قدردانی اور قدر افزائی کا دوسرا میدان شادی بیاہ کی تقاریب ہیں، خصوصًا غنڈوں کی شادی میں تو رنڈی کا مرتبہ شہر کوتوال سے کچھ ہی نیچا ہوتا ہے سو وہ بھی ادبًا ہم لکھ رہے ہیں ورنہ کوتوال تو کوتوال رنڈی تو غنڈوں کے ہاں بُنّن کمیشن افسر ہوتی ہے، جہاں یہ آئی اور صاحبِ خانہ سے لیکر اُس کے تمام عزیزوں پر اس کی تواضع اور خاطر کا خوف طاری ہوا اور یہ اس لئے کہ رنڈی صاحبہ جب کسی کے ہاں شادی میں تشریف لے جاتی ہیں تو ان کے ہمراہ جولاؤ

لشکر نظر آتا ہے وہ کسی بادشاہ کی سواری ہی میں نظر آسکتا ہے، چنانچہ ان کے ناچ اور گانے کے معاونین کی عام تعداد مبلغ چھ یا پھر دس ہوتی ہے کیونکہ ذرا بڑی حیثیت کی رنڈی کے ساتھ طبلہ بجانے والے دو ہوتے ہیں اور پان کھلانے والا اور جوتوں کی حفاظت کرنے والا ملا کر دس اور اوپر سے اس کی کھانسی کی ماری ہوئی اماں جان گیارہ، بس ادھر رنڈی شادی کے گھر میں آئی کہ پہلا ہنگامہ تو شادی والے گھر اور محلے کے بچوں میں برپا ہو جاتا ہے جو انتہائی شوق اور حیرت سے اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھنے کے لئے ایک کے اوپر ایک کر کے گرے جاتے ہیں، دوسرا ہنگامہ اس کے گھر عورتوں میں بپا ہوتا ہے جو کتنی ہی "باقاعدہ" ہوں مگر رنڈی کو دیکھنے کے لئے وہ "جھانکنے" سے باز نہیں رہتی ہیں، چنانچہ بعض عورتیں اپنے بچوں کو پیسے دیکر دروازے پر یہ کہہ کر بٹھا دیتی ہیں کہ "اگر خالو میاں آئیں تو ہم سے دوڑ کر کہدینا ہم ذرا رنڈی کا تماشہ دیکھتے ہیں"

اس کے بعد تیسرا ہنگامہ اس شہر کے غنڈوں کا ہوتا ہے جو بغیر کسی اذن اور تکلف کے رنڈی کے بالکل منہ پر آکر بیٹھ جاتے ہیں، پھر اپنے لباس، اپنے ڈنڈے، اور اپنی اکڑی ہوئی گفتگو سے رنڈی پر رعب بٹھاتے ہیں، مہمل اور ڈرانے والے آوازے کستے ہیں، اور موقع پاکر اپنی پسند کی ہوئی غزل کی فرمائش بھی کر گزرتے ہیں، اس موقع پر رنڈی جس شخص سے ہنس کر بات کرلے وہ مارے غرور کے خود کو اس شہر کا سب سے بڑا آدمی سمجھتا ہے، اسی موقع پر دولہا دلہن کی طرف کے بعض پوپلے اور پنشن یافتہ بوڑھے بھی رنڈی سے مذاق فرماتے ہیں، شادی والوں کی طرف سے دو چار بے وقوف اس کی تواضع کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، جہاں اس نے ادھر اُدھر دیکھا کہ فوراً ان میں سے کوئی پان لیکر دوڑا تو کوئی سگریٹ، اور اب کچھ دن سے غنڈوں میں رنڈی

کو چائے بھی پلا دی جاتی ہے اور درجۂ سوم کی رنڈی بھی چائے پینے سے چوکتی نہیں، امراء کی محفلوں میں بھی یہ بڑے ٹھاٹھ اور آن بان سے پہونچ جاتی ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ امراء کی محفلوں میں یہ لباس اور زیور کی بھڑک اور شان تو دکھا دیتی ہے مگر وحشت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس محفل میں اگر چپراسی بھی ذرا شاندار سا ڈریس پہنکر اس کے سامنے آجائے تو اُسے بھی جھک کر سلام کر گزرتی ہے محض یہ سمجھ کر کہ ہوں گے یہ بھی کوئی افسر،

اس کے بعد اس کی قدردانی کا تیسرا میدان دولت مندوں کی خفیہ مجالس ہیں، ان مجالس میں کوئی ایک "بڑا آدمی" اسے گانے کے لئے طلب کرتا ہے اور اپنے برابر کے افسروں یا اپنے برابر کے دولت مندوں کو اس محفل میں شرکت کے لئے "بڑے راز میں اذن پہونچا دیتا ہے" اس محفل میں گو رنڈی بہت زیادہ "حسب ضابطہ" ہو کر آتی ہے اور آداب و احترام کا ہر قاعدہ ملحوظ رکھتی ہے، مگر تھوڑی ہی دیر میں اس محفل کے "معزز شرکا" اس کے ساتھ یا آپس ہی میں ایسا مذاق اور بے تکلفی شروع کر دیتے ہیں کہ مجبوراً اس رنڈی کو بھی سارے آداب کو طاق پر رکھ دینا پڑتا ہے، یہاں اس کے گانے پر بھی وجد و کیف کا وہی عالم ہوتا ہے جو اپنے دہلی کے خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں قوالی میں نظر آتا ہے، ایسی محفلوں میں یہ بجائے دور کھڑی ہو کر ناچنے کے امیروں سے بہت زیادہ قریب بیٹھ کر گاتی ہے اور ہر شریک مجلس رشوت اور بے ایمانی کی تجارت سے کمائے ہوئے نوٹ اور نقد روپیہ اسے دکھاتا ہے اور یہ بڑے نخرے سے اُٹھ کر آتی ہے اور اُسے آداب عرض کر کے دل میں یہ کہتی ہوئی روپیہ لیکر واپس ہوتی ہے، کہ "ہو بڑے بڑے احمق"، ادھر نقد روپیہ یا نوٹ دینے والے صاحب روپیہ دینے کے بعد لمبی سی جمائی

لیکن محفل والوں کو اس خیال سے دیکھتے ہیں کہ بیرے اتنے زیادہ روپیہ دینے سے محفل والوں پر کتنا اثر ہوا؟ بعض ایسی محفلوں میں رنڈی کی "مزدوری" کے لئے چندہ کیا جاتا ہے اور بعض تمام مصارف اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں اور دوستوں کو "مُرحمتِ رنڈیانہ" مُفت گانا سُنواتے ہیں، اور کہیں کہیں گانے سے پہلے دوستوں کو "مُرغ مسلّم" بھی کھلاتے ہیں،

اس قسم کے بے وقوفوں کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ چُست پاجامہ پہنتے ہیں، اس کے بعد "بحالاتِ مختلف" کسی سے اس کی شادی ہو جاتی ہے لیکن بہت کمی کے ساتھ، البتہ جس کی شادی ہو جاتی ہے وہ رنڈی بیوی ہو کر جو کچھ ہوتی ہے اُس کے اثرات یہ ہوتے ہیں

۱ = وہ نکاح سے قبل اپنے ہونے والے شوہر سے اپنے نام اُس کی تمام جائداد یا جائیداد کا بڑا حصّہ عدالت سے "رجسٹری" کراتی ہے،

۲ = رہنے کے لئے شوہر کے اصل مکان سے علحدہ ایک مکان لیتی ہے،

۳ = اس کی اولاد کی شادی شریفوں میں محال ہو جاتی ہے،

۴ = اس کے شوہر صاحب کے سابق خسر صاحب اپنی بیٹی کے مہر کا دعویٰ دائر کر گزرتے ہیں

۵ = سابق بیوی اکثر اپنے ماں باپ کے ہاں چلی جاتی ہے، ورنہ تپِ دق کے مرض میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے،

۶ = اس کے شوہر کی عام عزّت اور اثر میں بہت زیادہ کمی ہو جاتی ہے،

۷ = اس سے پیدا شدہ لڑکے کو شہر کے غنڈے ہمیشہ "ابے او رنڈی والے" کہہ کر پکارتے ہیں،

۸= اس کے بیوی ہو جانے سے گھر کے مصارف میں اضافہ ہوتا ہے،

۹= مکان بے حد صاف، آراستہ اور ہر چیز میں سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے،

۱۰= پچھلی زندگی کی ندامت اور خوف سے وہ اب حد سے سوا مذہبی عورت بن جاتی ہے، وہ عباداتی مسائل و وظائف کا بے حد احترام کرتی ہے،

۱۱= نہایت محتاط، مآل اندیش، اور نیک سیرۃ ہو جاتی ہے،

۱۲= شوہر کی حد سے سوا فرماں بردار ہوتی ہے، اور خدمت گزار،

۱۳= بے حد کفایت شعار، اور منتظم ہو جاتی ہے،

۱۴= اولاد کی تربیت اور تعلیم میں سب سے زیادہ قابلِ تعریف،

۱۵= نیکوکاری، خوش اطواری، اور دینداری کی باتوں سے ہر وقت خوش ہونے والی، اور فضولیات سے نفرت کرنے والی،

غرض بیوی ہو کر اس کے جملہ اطوار بلند پایہ شریف عورتوں سے کہیں سوا ہوتے ہیں، مگر ان خوبیوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب آپ بھی جب تک ایک رنڈی ہی سے شادی نہ کر لیں اس وقت تک کھانا ہی نہ کھائیں، آئندہ اختیار، بدست سرکار، فقط،

تھیٹر اور سینما کی بیوی

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تھیٹر اور سینما دو قسم کے شوہروں کا نام ہے، بلکہ تھیٹر اُس تماشے کو کہتے ہیں جس میں مرد اور عورتیں نئے نئے اور عجیب عجیب قسم کے بھیس بدل کر تماشہ کرتے ہیں، اور سینما اُس تماشے کو کہتے ہیں جو بجلی کی مشین کے ذریعہ ایک پردہ پر تصاویر کے ذریعہ تمام دنیا کے حالات وواقعات کو اپنی اصل حالت میں دکھاتا ہے، ان دونوں تماشوں میں تھیٹر قدیم، اور سینما جدید تماشہ ہے اور اسی لئے سینما کی مقبولیت نے تھیٹر کو قریب قریب ختم سا کر دیا ہے،

سینما کے آغاز کا جو زمانہ بتایا گیا ہے اُس میں اور اُس کے موجد کے صحیح علم کے متعلق ابھی تک اختلاف ہے، مثلاً سنہ ۱۸۲۷ء میں لنڈن کی رائل سوسائٹی یعنی مجلسِ شاہی کے ناظم پیٹر مارک اورٹ نے اس کے متعلق ایک ایجاد کی تھی، جو صرف ایک "کارڈ بورڈ" کو گھماتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ چڑیاں ناچ رہی ہیں، پھر سنہ ۱۸۸۹ء میں ایڈیسن اسمٹس کوڈک کیمرہ کی پہلی فلم تیار کی، اور چلتی پھرتی تصویروں کو دکھانے کا بھی آلہ تیار کیا لیکن آج سنہ ۱۹۳۱ء میں یہ تماشہ اس درجہ مکمل ہو چکا ہے کہ اس کے پردہ پر حرکت کرنے والی تصاویر گفتگو بھی کرتی ہیں جو سُنی جا سکتی ہے، ہندوستان کا شاید ہی کوئی چھوٹا سے چھوٹا شہر ہوگا جہاں سینما کا تماشہ موجود نہ ہو، اس کا سب سے پہلا تماشہ سنہ ۱۹۱۰ء میں دکھایا گیا اُس وقت لوگوں کو اس کے اس درجہ

مقبول ہونے پر یقین نہیں تھا، مگر ۱۹۱۰ء کے اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت تک پچاس ہزار سینما بن چکے تھے، اُسی وقت امریکہ ایک کروڑ افراد روزانہ سینما دیکھتے تھے انگلستان کے نصف باشندے ہفتہ میں دو مرتبہ سینما دیکھتے تھے، امریکہ میں ایک سال میں دس کروڑ روپیہ کے ٹکٹ فروخت ہوئے تھے،

اب ہندوستان میں یہ تماشہ مقبول ہو رہا ہے، غرض اس کو ذریعہ تفریح بھی کہا جاتا ہے، اور تعلیم و اصلاح کا عملی سبق بھی، اور اسی لئے بعض حالات میں طلبہ کو بھی ان تماشوں کے ذریعہ سبق دیا جاتا ہے، حالانکہ اس تھیٹری سبق کے بعد بھی ہندوستانی طالب علم گدھا کا گدھا ہی رہتا ہے، مگر کہنے میں یوں آتا ہے کہ تھیٹر اور سینما کے ذریعہ بھی پڑھاتے تو ہیں، مُلّا رموزی کے خیال میں یہ بھی ایک طریقہ ہے بے وقوف قوموں میں اس کے شوق کو پیدا کرنے کا،

بہر کیف ان دونوں تماشوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ملازم رکھی جاتی ہیں جو گانے اور ناچنے کے کام کے ساتھ ہی عورتوں کے حالات کی نقل بھی کرتی ہیں، مگر ان عورتوں کے اندر چند خصوصیات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، اب اگر کسی عورت میں وہ باتیں نہیں ہیں تو کہیں کہیں اُن کی تعلیم کا بندوبست خود تھیٹر اور سینما والے کرتے ہیں، اِن خوبیوں میں سب سے اول درجہ کی خوبی عورت کا خوبصورت ہونا ہے مگر ہندوستان میں ان کھیلوں میں جس قسم کی عورتیں ملازم رکھی جاتی ہیں یا ملازم ہوتی ہیں وہ اپنی جگہ پر کتنے ہی بلند اور پاکیزہ اخلاق کی ہوں، مگر عام طور پر اُن سے نفرت کی جاتی ہے، اور اس نفرت کے دوسرے اسباب میں سے دو سبب نہایت قوی ہیں،

اول یہ کہ یہ تماشہ ہی سرے سے ہندوستان کی ایجاد نہیں اس لئے یہاں کے باشندوں کی نظر اور اُن کے اعتقاد میں اس کی ہر چیز عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے، اسی لئے اس کے اندر کام کرنے والی عورت بھی اُنھیں ایک عجیب سی چیز نظر آتی ہے،

دوسرے یہ کہ بعض واقعات بھی اس قسم کے رونما ہو چکے ہیں جن کے باعث عام طور پر تھیٹر اور سینما کی عورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے،

تیسرا سبب گو معمولی ہے مگر نہایت اہم اور وہ یہ کہ شروع ہی سے ان تماشوں میں اُن عورتوں نے حصّہ لیا ہے، جو خاندانی اعتبارات سے ناقابلِ توجّہ تھیں مگر جو سبب اس نفرت کا خاص ہے وہ اس کی عورتوں کے حالات ہیں چنانچہ رسالہ "نئی روشنی دہلی" بابت ماہ مئی ۱۹۳۰ء جلد ۱ نمبر ۹ کے صفحہ ۵۰ پر اس تماشہ کی ایک مشہور تر عورت مسماۃ شانتا کماری نے ایک مضمون بعنوان "آپ بیتی اور جگ بیتی"، شائع کیا، اس مضمون میں اُس نے اپنی ملازمت کے جو حالات قلمبند کئے ہیں وہ حد سے سوا عبرت انگیز اور غیرت سوز ہیں اور مُلّا رموزی کی اس کتاب کا وقار اور اس کی شائستگی ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک مسلمان نام کے رسالے میں ان شائع شدہ حالات کو بھی نقل کیا جائے، البتہ اس مضمون سے اس قسم کی بیوی کے متعلق چند خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں جو یہ ہیں،

اول یہ کہ تھیٹر اور سینما میں وہ لڑکی زیادہ آسانی سے ملازم ہو جاتی ہے جس کی خاندانی نگرانی کمزور ہو،

دوسرے یہ کہ وہ لڑکی اخلاقی قیود سے آزاد ہو اور گھر کے باہر تفریحی مشاغل میں کسی نہ

کسی طرح حصّہ لے سکتی ہو، چنانچہ خود مضمون نگار موصوفہ نے اپنے خاندان اور سنیما میں

اپنی ملازمت کے واقعہ کو اِن الفاظ میں لکھا ہے کہ

"میرا تعلق ایک اعلےٰ خاندان سے ہے (ماشاء اللہ) میرے والد موتی لال

ایک اسکول کے پرنسپل تھے، آکسفرڈ یونیورسٹی لنڈن کے تعلیم یافتہ

تھے، سنہ ۱۹۱۱ء میں اُن کا انتقال ہوا، اور اس کے بعد میری تعلیم کا سلسلہ

رُک گیا، مجھے شروع سے سینما سے دلچسپی تھی (گویا گھر والے تماشہ دیکھنے

کی اجازت دیتے تھے) میں نے اس زندگی کو سنہ ۱۹۲۰ء میں جناب

نرنجن پال کے مشورہ سے اختیار کیا"

اس اقتباس سے ہمارے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہو گئی،

تیسرا سبب ملازمت کے لئے لڑکی کی تنگ دستی، غربت اور فاقہ کشی بھی ہے،

اِن حالات و اسباب کے بعد بعض ایسی عورتیں بھی اِن تماشوں میں ملازم ہیں جو شادی کے

بعد اپنے شوہر کے ساتھ ملازم ہوئی ہیں، اور بعض ایسی بھی جو ملازم ہونے پر بھی ہر قسم کے

اعتراض سے بری ہیں،

القصّہ یہ جب ان تماشوں میں ملازمت کی حیثیت سے داخل ہوتی ہے تو اُس وقت عموماً

یہ بے بیاہی ہوئی ہوتی ہے، اُس کے بعد اس کی شادی اول تو تماشہ کے کسی ملازم ہی سے

ہو جاتی ہے ورنہ پھر تماشائیوں میں سے کسی سے خصوصاً کسی دولت مند سے،

اس کی شادی اگر ملازم کے ساتھ ہو تو کہا جائیگا کہ اس شادی میں خود بیوی کی پسند اور خواہش

کو دخل ہے یعنی اُس نے آپنے شوہر کو خود پسند کیا ہے، یا پھر اس میں ملازم شوہر کی چالاکی اور مکاری کو دخل ہوگا، یعنی اس ملازم شوہر نے ہر وقت کی قربت سے فائدہ اُٹھا کر اُسے مسلسل دھوکے دیئے ہیں اور لالچ کے سبز باغ دکھائے ہیں جن کے اثر سے اُس نے اس شوہر کو پسند کیا اور اب اُسے فریبی اور مکار پاکر رو رہی ہے، لیکن اگر تماشائیوں میں سے وہ کسی کے ساتھ بیاہی جائے تو سمجھ لیجے کہ وہ اس تماشائی کی دولت مندی سے متأثر ہوئی ہے، بہرکیف دونوں قسم کے شوہروں سے شادی ہونے کے اصول علیحدہ ہیں، مثلاً اُس کی شادی اگر کسی ملازم کے ساتھ ہو رہی ہے تو نہایت دیدہ، دلیری اور آزادی سے ہوگی اور اگر کسی تماشائی کے ساتھ ہے تو مشکلات اور خفیہ طریقے سے،

ملازم کے ساتھ اس لئے آزادی حاصل ہے کہ بصورتِ ملازمت تھیٹر اور سینما کی لڑکی کے خاندان کا کوئی اثر لڑکی پر نہیں ہوتا، البتہ کہیں کہیں اس کی والدہ صاحبہ بھی اسی تماشہ میں ملازم ہوتی ہیں، مگر تھیٹر اور سینما کی ملازمت اختیار کر لینے کے بعد خود لڑکی اتنی آزاد ہو جاتی ہے کہ اب اُسے اپنی شادی کے لئے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی اجازت کی ضرورت نہیں، صرف تماشے کے مالک کی اتنی فکر ہوتی ہے کہ وہ "دخل درمیان بیوی" نہ بن جائے، یا اُس کے معاہدہ کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہ ہو، چنانچہ ہوتا ہے کہ تماشے کے مالک ایسی شادیوں میں اس لئے رُکاوٹ پیدا کرتے ہیں کہ شادی کے بعد کہیں دُلہن صاحبہ بھاگ نہ جائیں اور پھر ان کے نہ ہونے سے ہمارے تماشے کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں، لیکن کسی ملازم کے ساتھ یہ خطرہ اس لئے کم محسوس ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی شادی کے بعد ہمارے ہی تماشے کو

اپنا میکا اور سسرال سمجھیں گے لہذا اجازت ہے، چنانچہ اکثر شادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں جن میں لڑکی بھی تماشے کی اور لڑکا بھی تماشے کا، اس شادی میں نہ نکاح کے اذن والے کارڈ چھپوانے کی ضرورت ہوتی، نہ ولیمہ کے لئے پلاؤ پکایا جاتا، بس تماشے کے تمام ملازم جمع ہوگئے اور نکاح کی رسوم ادا کرکے اِن دونوں کو میاں بیوی سمجھ کر پھر تماشہ دکھانے میں مصروف ہوگئے، اس قسم کے شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات ناقابلِ اعتبار رہتے ہیں محض اس لئے کہ اپنی مقررہ خدمت سے ترقی کرنے پر بیوی دوسرے تماشے میں زیادہ تنخواہ والی ملازمت چاہتی ہے اور یہاں سے نا اتفاقی کا آغاز ہوتا ہے، یا پھر حریص اور لالچی ذہنیت ہونے کے باعث اس شوہر کی قلیل آمدنی پر وہ صابر نہیں رہتی، اور کسی مالدار مُلّا رموزی کے ساتھ شادی کے لئے راضی ہو کر وہ اس شوہر سے طلاق چاہتی ہے اور جو یہ کچھ بھی نہ ہو تو وہ افلاس اور تنگدستی کی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتی، اس لئے ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر صاحب پلنگ پر سوتے رہ جاتے ہیں اور وہ کہیں سے کہیں، پھر شوہر صاحب کوتوالیوں میں اس کا حُلیہ لکھاتے پھرتے ہیں اور مُلّا رموزی صاحب گواہی دیتے پھرتے ہیں، کہ ہاں یہ اس کی بیوی ہے اور فلاں تماشے سے بھاگ کر آئی ہے اور حلف سے کہتا ہوں کہ دو سو روپیہ کا زیور بھی لے کر بھاگی ہے، ایسی بیوی کی تلاش میں کوتوال لوگ زیادہ محنت سے کام لیتے ہیں مگر مجسٹریٹوں کے لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایسے میاں بیوی کے مقدمہ میں پیشی پر پیشی کیوں بڑھاتے ہیں؟ القصہ اس قسم کے میاں بیوی کی اخلاقی کمزوریوں اور آزادیوں کے باعث تعلقات بہت کم خوشگوار رہتے ہیں، خصوصاً بڑھاپے میں ان دونوں کی ابتر اور قابلِ رحم زندگی

ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے، محض اس لئے کہ تھیٹر اور سینما کی ملازمت سے جتنا آدمی مالدار ہوتا ہے اُتنا ہی فضول خرچ بھی ہوجاتا ہے، بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو مآل اندیشی سے کوئی جائداد خرید لیتے ہیں، ادھر ان لوگوں کے ہاں اولاد بھی کم ہوتی ہے، لہذا بڑھاپے میں اولاد کا سہارا بھی نہیں ہوتا،

اس قسم کی بیوی فراغت اور خوشحالی کے زمانے میں بھی شوہر کے لئے مصیبت بنی رہتی ہے مثلاً وہ کسی کلب کی ممبر تو نہیں ہوتی مگر شام کے وقت ڈھائی سو روپیہ نقد کی ساری، اور ڈاسن کا پمپ پہنکر وہ ٹھنڈی سڑک پر ضرور جاتی ہے

انھی میں سے بعض ایسی ہوتی ہیں جو اپنے کمالات کی وجہ سے اتنا روپیہ کما لیتی ہیں کہ کوٹھی بھی خرید لیتی ہیں اور خود ایک تماشے کی مالک بھی بن جاتی ہیں پھر بھی شوہر کو اپنی بے کمالی کے باعث اس کا خانساماں ہوکر رہنا پڑتا ہے،

مزاجی اور اخلاقی آزادی کے باعث ان دونوں میں چوبیس گھنٹے اختلافات کا موجود ہونا تو یہاں تک ثابت ہے کہ مُلّا رموزی صاحب تو ٹکٹ لیکر ان کا تماشہ دیکھنے کے لئے بیٹھے ہیں اور یہ ہیں کہ عین تماشے کے وقت لڑ رہے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو میاں تنہا اپنا تماشہ دکھا جاتے ہیں اور مُلّا رموزی بیٹھے تا دُکھایا کرتے ہیں کہ "آج وہ نہ آئی"، یا پھر شوہر صاحب تا دُکھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور تماشے کے مالک انھیں پردہ کے اندر سمجھایا کرتے ہیں، اور مُلّا رموزی نے تو بعض تماشوں میں ان دونوں کے جھگڑنے کی آواز تک سُنی ہے اور تماشہ کے مالک کی خوشامدیں،

گمراہی میں بعض بیویاں تماشے کے دیوالیہ ہو جانے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ حد سے سوا جفاکش اور صبر سے دن گزار دیتی ہیں، اور کسی دوسرے ذریعۂ معاش کو اختیار کر لیتی ہیں مگر طلاق کا نام نہیں لیتی ہیں، لیکن اگر اس حالت میں خود ان کے شہر میں کوئی تماشہ آجائے تو پھر یہ دونوں اس جدید زندگی کو چھوڑ کر پھر اس تماشے میں ملازمت کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتے مگر ایسے میاں بیوی معمولی درجہ کے تماشوں میں ہوا کرتے ہیں بڑھیا میں نہیں، بے کاری کے زمانے میں اس قسم کی بیوی پر اعتماد کرنا حماقت ہے،

اس کے مقابل اگر اسکی شادی کسی دولت مند سے ہوتی ہے تو اس کے لئے عام طور پر اسے اور اس کے دولت مند شوہر کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ اس لئے کہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ ہندوستانی آداب اخلاق میں ابھی اس قسم کی عورت کو کوئی مرتبہ نہیں ملا ہے، اس لئے اس قسم کی شادی میں خفیہ طریقوں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، مثلاً عورت کی طرف سے اس لئے کہ اگر وہ کسی دولت مند سے شادی کے لئے خفیہ طور پر تماشے سے بھاگ نہ جائے تو اُس کی شادی اس لئے ناممکن ہے کہ اُسے تماشہ کا مالک اپنے معاہدہ کی رو سے اجازت نہ دے، یا تماشے کی آمدنی کم ہو جانے کے خوف سے وہ اُسے طرح طرح کے لالچ دیکر اس مقصد سے باز رکھنے کی کوشش کرے اور جو کچھ بھی نہ کر سکے تو اُس کے فرار ہو جانے پر یہ اُس پر چوری ہی کا الزام لگا کر پولیس کے ذریعہ نکاح سے روک لینے کی کوشش کرے، اور خدا جانے پولیس والے اس قسم کے مفرورین کی بے ضمانت گرفتاری پر کیوں اُدھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں، کچھ نہیں بس حوالات میں بند کر کے گانا سنتے ہوں گے ؟

شوہر کی طرف سے اس لئے خفیہ کارروائی ہوتی ہے کہ اُن کے شہر اُن کے محلّے اور اُن کے خاندان میں "ایسی" کے شادی کرنا معیوب، مکروہ، اور ایک حد تک ممنوع ہوتا ہے،

بہرحال دونوں کے لئے بھاگ جانا یا لے بھاگنا ضروری ہے، مگر کہیں کہیں یہ بھی ہوتا ہے کہ "صاف صاف، پھر بھی یہ شوہر کے حق میں مفید نہیں ہوتی، مثلاً وہ شوہر کے اصل مکان اور اصل بیوی کے پاس رہنا نہیں چاہتی، اس لئے وہ اپنے واسطے علیحدہ ایک کوٹھی بنواتی ہے،

جس شہر میں اُس کا تماشہ ہوتا ہے وہاں وہ گرفتاری کے خوف سے نکاح کرنا نہیں چاہتی، لہذا اُس کے ساتھ مرد کو شوہر ہو کر بھی بھاگنا پڑتا ہے، تماشے کی ملازمت اور آزاد زندگی کے باعث اُس کے خواص میں کافی عیش پسندی اور فضولی ہوتی ہے، اس لئے قیمتی لباس اور سیر و تفریح کی ہر وقت خواہش مند رہتی ہے، اور ان سب باتوں میں شوہر کا کافی روپیہ خرچ کرتی ہے،

شوہر پر عمر بھر غالب رہتی ہے، اس لئے کہ وہ شوہر کی خواہش پر تماشے کی نوکری ترک کر کے بھاگی ہے لہذا جو مانگے سو دیجے ورنہ پھر جاتی ہے اُسی تماشے میں،

بیوی بن جانے پر بھی وہ گھر کے کاموں میں حصہ نہیں لیتی اور ایک کی جگہ دو ملازم عورتیں پاؤں دبانے کے لئے چاہتی ہے، صرف مزاجی صفائی کی بنا پر گھر کو زیادہ صاف اور آراستہ رکھتی ہے، بے پردہ رہنے کی عادت کے باعث نئے شوہر کے ہاں پردہ میں رہنے سے دل تنگ رہتی ہے، اس لئے طرح طرح کے مطالبات سے شوہر کو تنگ کرتی رہتی ہے، اب خود کچھ نہیں کماتی مگر شوہر سے دولت وصول کرنے کی ہر لمحہ خواہش مند رہتی ہے،

معمولی خط و کتابت اور ڈرامے وغیرہ پڑھ لینے کی قابلیت ہوتی ہے، اس لئے کہ آج تک نہیں

سُنا کہ کوئی بی، اے، پاس لڑکی سینما یا تھیٹر کی ملازمت سے بھاگ کر مُلّا رموزی صاحب کی بیوی بن گئی ہے"

مذہبی آداب و رسوم سے یکسر بے خبر ہوتی ہے اس لئے شوہر کی کافی خدمت اور فرمانبرداری سے دور رہتی ہے، جاہلانہ رسوم کی پابند خصوصًا نذر نیاز، منّت، عُرس، اور پیروں، فقیروں کی معتقد، تنہائی کا وقت کتب بینی اور امور خانہ داری کی مصروفیت کے عوض ہارمونیم باجہ بجانے میں گزارتی ہے،

اس قسم کے میاں بیوی کے تعلقات بڑھاپے سے پہلے تک بہت زیادہ خوشگوار رہتے ہیں، مگر بڑھاپے میں ایک دوسرے کے لئے مصیبت، اولاد کہیں کم اور کہیں زیادہ، اس قسم کی اولاد سے والد صاحب اس لئے گھبراتے ہیں کہ برادری میں اس اولاد سے کوئی عزّت نہیں ملتی،

تماشے کی ملازمت تک نہایت حسین، نہایت نازک اور نہایت تیز وطرار اور شادی کے بعد نہایت آرام طلب نہایت بلغمی اور نہایت افسردہ اور رنجیدہ رہنے والی،

اِلّا بعض شادی کے بعد ایمانی قوتوں کی بیداری سے نہایت خندہ پیشانی، آداب مذہب کی کافی عزّت کرنے والی، شوہر کی پروانہ، منتظم، جفاکش، کفایت شعار، اولاد کی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر حریص اور مُلّا رموزی کی دعا گو،

اس قسم کی بیوی کی شادی میں منگنی، نکاح، بارات، ولیمہ اور جہیز کی رسوم کا کوسوں پتہ نہیں، بس وہ دونوں میاں بیوی راضی اور مُلّا رموزی صاحب، قاضی، فقط،

———*———

بلّوچی کی بیوی

ہندوستان کے بازاروں سے تعلق رکھنے والی بیویوں میں بلوچی کی بیوی بھی خاص ہے، یہ علاقہ بلوچستان میں پیدا ہوتی ہے اور تجارت کے لئے ہندوستان کے ہر شہر میں "قدم رنجہ" فرماتی ہے، بلوچستان شمالی ہند اور افغانستان جنوبی سے متصل کے ایک پہاڑی علاقہ کو کہتے ہیں جس کے زیادہ حصہ پر انگریزی حکومت قابض ہے، اس علاقے کے باشندے اگرچہ بلوچستان میں پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کا نسلی علاقہ ایک حد تک ایران سے ملتا ہے، لہذا اکثر افراد خود کو بلوچی کے عوض ایرانی کہتے ہیں، رسم و رواج اور عادات و معاشرت کے لحاظ سے یہ ہرگز ایرانیوں سے نہیں ملتے، پھر بھی مذہب اور زبان کے چند اعتبارات سے یہ خود کو ایرانی کہہ سکتے ہیں،

کچھ شک نہیں کہ یہ لوگ نہایت تنومند، ذی حوصلہ، بہادر، جنگجو، اور آزاد ہوتے ہیں، ان کا مذہب اسلام ہے، عقائد میں زیادہ حصہ شیعہ ہے عموماً تجارت پیشہ ہوتے ہیں، ہندوستان سے سرحدی قربت کے باعث ان کی خاصی تعداد ہر وقت ہندوستان میں موجود ملتی ہے، مگر اس طرح کہ انہیں "خانہ بدوش" کہہ سکتے ہیں، آج ہمارے شہر میں تو کل آپ کے شہر میں،

ان کی بیوی کسی ایسے ہی مقام میں پیدا ہوتی ہے جہاں وہ خیموں، اور درختوں کے سایہ میں مقیم ہوتے ہیں، چونکہ عموماً جاہل ہوتے ہیں اس لئے کل کی فکر سے ہمیشہ بے پروا ہوتے ہیں اور جو شخص فکر سے فارغ ہوتا ہے وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے، لہذا اس کی پیدائش پر پورا قافلہ خوشی کا اظہار کرتا ہے، گانا بھی ہوتا ہے اور ناچ بھی، پھر یہ آپ ہی آپ بڑھنے لگتی ہے، اور جتنا جی چاہتا ہے بڑھ جاتی ہے، اور یہ آپ ہی بڑھنا اس لئے لکھا ہے کہ اس کی پرورش اور خدمت وحفاظت کا کوئی ایک قاعدہ بھی نہیں برتا جاتا! مثلاً اگر وہ کسی انتہائی گرم موسم میں پیدا ہوئی ہے تو اسی حالت میں اُسے لیکر ماں باپ سفر فرماتے ہیں اور جو شدت کے جاڑے میں پیدا ہوئی ہے تو بھی والدین سفر سے باز نہیں رہتے، قیام کی چھت کبھی پختہ نہیں ہوتی بس وہی کپڑے کا خیمہ نما خیمہ، کیونکہ اس خیمہ میں بھی خیمہ پن نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح چاہا ایک کپڑا تان دیا، اور دل میں خوش ہو گئے کہ تنبو کے نیچے تو رہتے ہیں، اس لئے یہ بیوی بچپن میں موسموں کی تمام شدتوں کا مقابلہ کرتی ہے مگر زندہ رہتی ہے، ذرا بڑی ہوئی تو بڑے بڑے تعویذوں سے سینہ لدا ہوا، مگر ننگ دھڑنگ، ایک آدھ نیچا کرتا مل گیا تو پہن لیا ورنہ قافلے میں ادھر سے اُدھر خوش خوش دوڑتی پھرتی ہے

بڑی ہوئی تو قافلہ ہی کے کسی لڑکے سے بیاہ کر رکھدی سو وہ بھی اس طرح کہ تمام تقاریب میں جملہ شرکاء بلوچی ہی بلوچی نہ اس شہر کا کوتوال نہ کلکٹر نہ ہم نہ آپ، بس قافلے میں جتنے ہیں وہی سمدھی اور وہی باراتی، البتہ ہر تقریب میں یہ آپس ہی میں اس قدر خوش ہو لیتے ہیں کہ دوسرے کی حاجت ہی نہیں، اگر ماں باپ کے پاس روپیہ ہے تو ولیمہ بھی ورنہ اس کی بھی شکایت

نہیں، پھر کسی ایک تقریب کے لئے بھی پختہ مکان کی ضرورت نہیں، جو کچھ ہے اپنے خیموں میں ہے،
اب جو شادی ہوگئی تو اُسی ہفتہ سے یہ اپنے شوہر کے ساتھ چاقو، چُھری، قفل، تسبیح، جھوٹے سچے
موتی، اُسترے قینچی، وغیرہ لئے ہوئے بازار میں نظر آتی ہے: اب وہ تجارت ہی میں آزاد نہیں
بلکہ ہر معاملے میں آزاد ہے، اگر خدانخواستہ آپ بازار میں اس کے پاس کسی چیز کے خریدنے کے
لئے چلے جائیں تو ایسا معلوم ہوگا گویا وہ آپ کو خرید کر چھوڑے گی، جہاں آپ نے اُنگلی سے بتایا کہ
وہ چیز اور یہ بجلی سے بھی تیز زبان چلانا شروع کر دیگی، فوراً ہی اُس چیز کو لیکر کھڑی ہو جائیگی، پھر
آپ کے مُنہ کے بالکل ہی قریب کھڑی ہو کر وہ اس چیز کی مضبوطی، اس کی قیمت، اس کی قسم، اس کا
فائدہ اور اس کی تاثیر کو ہزار ہزار مرتبہ بیان کریگی، اور ہر بات پر آپ کے سر کی قسم کھاتی جائیگی،
اب اگر قسم جھوٹی ہو تو اس کی بلا سے آپ کا سر جائے یا رہے، اسی اثناء میں اگر دوسرا گاہک آگیا
تو وہ اس سے بھی اسی مستعدی کے ساتھ چمٹ جائیگی، وہ اُس چیز کو اُٹھا کر بار بار آپ کے مُنہ
کے پاس لائیگی اور آپ کی ڈاڑھی کی جگہ کو ہاتھ لگا کر اب وہ خدا و رسول کے واسطے بھی دیگی گویا
وہ بھی کوئی راہِ خدا کا سودا ہے، جس کا خریدنا شرعاً بھی فرض ہے اور عرفاً بھی ثواب کا باعث، اب
اس درجہ عاجزی اور کوشش پر بھی اگر آپ نے اُس سے کوئی چیز نہ خریدی تو اب وہ دکان چھوڑ کر
آپ کے پیچھے بھی چلّاتی ہوئی آئیگی کہ اچھا تو جو آپ کا جی چاہے دیدو مگر اسے خرید لو، اس پر بھی اگر
آپ کا پتھر کا دل موم نہ ہو تو اب وہ آپ کو گالیوں اور بد دعاؤں پر دھر لیگی، اب فرق یہ ہے کہ
وہ سخت سے سخت گالی بلوچی فارسی میں دیتی ہے ادھر آپ ہوتے ہیں نرے بی، اے پاس
اس لئے آپ اس ناقابلِ برداشت گالی کو صرف اتنا ہی سمجھ کر ہنستے ہوئے چلے آتے ہیں کہ

بلوچی زادی بک رہی ہے چلئے اُس کی بکواس کا خیال ہی نہ کیجے حالانکہ اُس کی ایک ہی گالی کا ترجمہ کسی آزاد ملک کے باشندے کو سُنا دیا جائے تو وہ گولی ہی مار دے یا خودکشی کرلے۔ بعض مولویوں کی قسم کے ہندوستانی اس سے بڑی آن بان سے اپنی اُبال کھائی ہوئی فارسی میں گفتگو شروع فرماتے ہیں لیکن جہاں اُس نے اپنی پہاڑی فارسی شروع کی، یہ بے چارے آہستہ سے اُردو پر اُتر آتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ خدا مجھے غارت کردے، کہ میں نے انگریزی تو پڑھ لی مگر اتنی فارسی نہ پڑھی کہ آج اس عورت سے فارسی میں گفتگو کر سکتا،

یہ بازار سے واپس ہوتے وقت غلہ اور ترکاری بھی خرید کر لیتی جاتی ہے، اور ساتھ ہی کوئی نہ کوئی پھل، مٹھائی یا پھر چنے ہی سہی، مگر راستہ چلتے ہوئے کھاتی جاتی ہے اور لُطف یہ کہ اس سرِ راہ کھانے میں اس کا شوہر، اس کا بھائی اور اس کی والدہ تک شریک ہوتی ہے، البتہ بازار سے واپسی پر ایک خاص بات اُس کے اندر دیکھنے کے قابل ہوتی ہے اور وہ اس کے چہرہ کی مسرت اور گفتگو کی آزادانہ فرحت، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ہفت اقلیم فتح کر کے واپس ہو رہی ہے، اب اس کی ہر حرکت میں مستی، شوخی، طراری، اور بے باکی ہوتی ہے، وہ اپنے ساتھ کی عورتوں اور اور مردوں سے اس زور سے گفتگو اور مذاق کرتی ہوئی جاتی ہے کہ اپنے ہاں کے اچھے اچھے غنڈے یہ کہہ کر ایک طرف ہو جاتے ہیں کہ "چلو بھائی وہ بلوچی آرہے ہیں"، ماشاءاللہ اپنے ہاں کے بچے تو چیخ مار کر والدہ کی گود میں جا کر چھپ جاتے ہیں، جب اُن سے جھوٹ کو کہدیجے کہ "وہ بلوچی آیا"، اب وہ دن بھر بازار اور محلوں میں گھوم کر بھی اپنے خیمہ پر پہونچکر اتنی مستعد اور طرار رہے کہ فوراً ہی کھانا پکانے، پانی لانے اور لکڑی پھاڑنے میں یوں مصروف ہو جائیگی، کہ مٹک مٹک کر کوئی

شعر بھی پڑھتی جائیگی، اور پاس والی سے لڑتی بھی جائیگی، پاس والی سے اس کی لڑائی دنیا کے کسی قانون کے روکے نہیں رُکتی، پھر مصیبت یہ کہ سارے قافلے کی عورتیں لڑتے لڑتے اگر خون میں بھی نہا جائیں تو اُن کے مردوں کو پرواہ نہیں وہ مزے سے پاس بیٹھے جُوا کھیلتے رہیں گے، بس کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے کسی عورت کی طرفداری میں ایک آدھ فقرہ کہدیں گے اور پھر کھیل میں مصروف ہو جائیں گے، یہی حال ان کے بچّوں کا ہوگا کہ وہ بھی برابر اپنے کھیل میں مصروف رہیں گے، یہ اپنی ہندوستانی عورتوں کی طرح نہیں کہ اگر ایک عورت نے دوسری کو ایک گالی دیدی تو اُس کے باوا بھی لٹھ لیکر آ گئے، اور دادا بھی، بیٹے بھی، اور بھائی بھی اور شوہر کا تو پوچھنا ہی کیا، کہ اکثر ہندوستانی شوہر اپنی بیوی ہی کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں، اسی طرح ہندوستانی عورتیں کہ لڑائی تو ہو رہی ہے میری اور آپ کی بیوی کے درمیان مگر محلے والی عورتیں ہیں کہ اپنے اپنے گھروں سے بھاگی ہوئی چلی آ رہی ہیں، کوئی ہے کہ گلی میں کھڑی لڑائی کے الفاظ سُن رہی ہے، کوئی ہے کہ اپنے ہی بیٹے کو یہ کہہ کر ڈانٹ رہی ہے کہ جا تو مردود دیکھ مُلّا رموزی صاحب کی بیوی کس سے لڑ رہی ہیں، کوئی ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر اپنے گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار پر چڑھ کر جھانک رہی ہے، کوئی اپنے شوہر کو ڈانٹ رہی ہے کہ ذرا چپ تو رہو وہ سنو تو کہ مُلّا رموزی صاحب کی بیوی اپنی ساس سے لڑ رہی ہیں یا کسی اور سے، پھر اگر یہ پتہ بھی چل گیا کہ ہاں جہالت کے باعث مُلّا رموزی صاحب کی بیوی اپنی ساس ہی سے لڑ رہی ہیں تو اس پر بھی صبر نہ ہوگا بلکہ اب اپنے اپنے گھر میں یہ عورتیں ڈھائی گھنٹے تک مُلّا رموزی صاحب کی بیوی کی لڑائی پر اظہارِ خیال فرماتی رہیں گی کہ

اے بیوی تم کیا جانتی ہو ؟

آہ جب سے وہ غریب مُلاّ اس کمبخت کو بیاہ کر لایا ہے اُس وقت سے اس کا یہی حال ہے،

ارے بڑی مکّار ہے، وہ ساس سُسر کو تو ہوا میں اُڑاتی ہے، خدا کی قسم آپا کل ہی وہ کہہ رہی

تھی کہ جب میرے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں ہے تو پھر مجھے کیوں لائے تھے بیاہ کر،

کیا کہتی ہو تم وہ مُلاّ بھی اپنے نام کا مُلاّ ہے، آخر بیٹا کس کا ہے ؟ اُس نے بھی بیوی کو ایسا درست

کیا ہے کہ چھٹی کا کھایا اب یاد آرہا ہے بیوی کو،

ہوئی کا ہے پر سے بس ابھی وہ غریب نوکری پر سے آیا اور بس اتنا ہی اُس نے پوچھا کہ ابھی

تک تم بیٹھی ہو، چائے تیار نہیں کی کہ بس وہ جھپٹ گئی،

اور بیوی زبان کی تو جتنی تیز میں نے اسے دیکھا ہے خدا میری اولاد کو ایسی زبان سے دور ہی رکھے

ارے تو خالہ بی وہ ہے آخر کس باپ کی بیٹی،

ہاں ہاں اُسے تو اپنے ماموں کا گھمنڈ ہے، اسی لئے تو وہ نہ شوہر کو سمجھے نہ ساس سُسر کو،

بس مُلاّ غریب کی قسمت ہی پھوٹ گئی، جو یہ چڑیل اُس کے گلے کا ہار ہو کر آئی،

اُفّوہ بہن میں نے تو ایسی علاّمہ نہ دیکھی نہ سُنی،

الغرض ہندوستانی عورتوں میں ایک عورت کی لڑائی پر اُس محلّے کی تقریباً تمام عورتیں گھنٹے سوا گھنٹے

کے لئے معطّل ہو کر اسی لڑنے والی کے تذکرہ میں مصروف رہتی ہیں، یہ اس لئے کہ ہندوستانی عورتوں

کی ذہنیت اور تربیت غلامانہ ہے جس کے اثر سے اُن کے اندر ہر غیر معمولی بات اور خبر سے

دہشت، گھبراہٹ، خوف، اور پریشانی کے اثرات پیدا ہوتے ہیں، اور بلوچی عورت کی ذہنیت

آزاد اور اُس کی تربیت کے اصول بھی آزادی سے بھرے ہوئے ہیں، اس کے مرد جنگجو اور بہادر ہوتے ہیں اس لئے اُس کے دماغ میں کسی لڑائی یا حادثے کی خبر کوئی وحشت پیدا نہیں کرتی، اس لئے اب خواہ وہ اپنے شوہر یا اپنی ساتھ والی سے بازار میں لڑے تو لڑے اور قافلے کی قیام گاہ پر لڑے تو لڑے اب اس حالت میں اُسے نہ ساتھ والیاں بچائیں گی، نہ اُس کا شوہر اُس کے بیچ میں بولیگا، اسی لئے قیام گاہ پر جہاں اس کی کسی دوسری سے چھڑی اور یہ ۹۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُسے گالیاں دینے کے لئے کھڑی ہوگئی، مگر ساتھ والیاں اسی کے پاس بیٹھی ہوئی نہایت سکون سے روٹی پکاتی رہتی ہیں اور بس، اسی قسم کی کبھی کبھی اس کے شوہر سے بھی چھڑ جاتی ہے، اگرچہ نتیجہ میں وہی شکست کھاتی ہے، کیونکہ دنیا میں بلوچی مرد کا طمانچہ ویسے بھی بہت مشہور ہے، پھر اگر کسی کے بالکل مُنہ پر پڑ جائے اور وہ بھی دس بارہ مرتبہ تو پھر بیوی تو بیوی اگر بیوی کے والد بھی ہوں تو شکست کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں، مگر کمال اخلاق یہ کہ وہ شوہر کے طمانچوں اور گھونسوں سے صرف ایک رات ہی رنجیدہ رہتی ہے، اور صبح پھر اُسی کے ساتھ بیٹی کمر پر لٹکائے بازار میں نظر آتی ہے،

یہ بازار کے بعد ہمارے آپ کے مکانوں کے اندر بھی سامان فروخت کرنے، تشریف لاتی ہے،، مگر اُس وقت ہمارے آپ کے ہاں کی عورتوں کا خوف اور پریشانی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے، بچے تو صورت ہی دیکھ کر بہادر والدہ سے چمٹ جاتے ہیں اور بہادر والدہ اکثر مع ننھے میاں کے کمرہ کے اندر، البتہ ذرا بوڑھی قسم کی عورتیں اس سے گفتگو کر لیتی ہیں، یا پھر اگر مرد گھر میں موجود ہیں تو، جب یہ گھروں میں سامان فروخت کرنے داخل ہوتی ہے اُس وقت یہ اپنے سامان کو عورتوں کے

ہاتھوں فروخت کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے لیکن اس کے بعد وہ کبھی کبھی بھیک کے طریقہ پر روٹی اور کپڑا بھی مانگتی ہے اور اپنے ننھے میاں کی والدائیں عورت ذات سے ہمدردی کرنے کے معاملے میں جرمنی تک مشہور ہو چکی ہیں، لہذا اسے خوب کپڑے ملتے ہیں اور بارہ بارہ روٹیاں، لطیفہ یہ ہے کہ بلوچی کی بیوی سے بعض ہندوستانی مرد اپنی عورتوں کو یہ کہہ کر ڈراتے ہیں کہ

خبردار کبھی اس عورت کو گھر میں نہ آنے دینا،

یہ بڑی لڑاکا ہوتی ہے،

یہ بچوں کو پکڑ کر لیجاتی ہے،

یہ چوری کا مال فروخت کر جاتی ہے،

یہ گھر میں سے چیزیں چورا کر لیجاتی ہے،

اور بس میں تم سے کہتا ہوں کہ اسے گھر میں نہ آنے دینا پھر تم کون ؟

امور خانہ داری اور بچوں کی پرورش کے قاعدوں سے کافی حد تک ناواقف ہوتی ہے اسی لئے اس کے بچے اس طرح دیکھے جاتے ہیں گویا وہ اپنی ہی بے غیرتی سے زندہ ہیں، اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اسی لئے اس کے بچوں کے پاس جھک کر سلام کرنے، میر صاحب کو آداب بجا لانے اور مصافحہ کرنے کا کبھی کوئی نمونہ نہیں ملتا، البتہ اولاد سے اس کی محبت کا اتنا ثبوت ضرور ملتا ہے کہ وہ بازار میں بھی انھیں ہے لادے پھرتی ہے، مزاج کی نہایت غلیظ اور گندہ، خیالات محدود، اور پست، عادات خوفناک، خطرناک، غضبناک، مگر شوہر کی بیحد وفادار،

بے حد کمانے والی اور بے حد کھانے اُڑانے والی، سب سے بڑی خوبی یہ کہ جُوا بھی کھیلتی ہے، قویٰ اور جسم کے لحاظ سے نہایت معتدل بلکہ اکثر دُبلی پتلی، مگر سفر کی تکالیف برداشت کرنے میں وہ ہندوستان کی ہر عورت سے زیادہ صابر، جری اور محنتی، اسی لئے جب یہ سفر کے لئے کسی ریلوے اسٹیشن پر نظر آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بلوچیوں کا تمام قافلہ مع خیموں اور جلانے کی لکڑیوں کے اسی کے اوپر لاد دیا گیا ہے، چنانچہ اس کے سر پر موٹا بستر، اُسی پر لکڑیوں کا گٹھا، کمر پر سامان کی موٹی سی پٹی، ایک شانے پر بڑا سا لڑکا اور دوسرے پر چھوٹا سا لڑکا لٹکا ہوا، ہاتھ میں طوطے یا تیتر کا پنجرہ ورنہ موٹا سا حقہ، پھر لطف یہ کہ اتنا ذخیرہ لیکر وہ اکثر بے ٹکٹ ریل پر سوار ہوتی ہے، اُس وقت ریلوں کے ہندوستانی پولیس والوں اور بڑے بڑے فیشن ایبل ٹکٹ کلکٹروں کی بدحواسی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے، کوئی کہتا ہے اماں جانے بھی دو ان کم بختوں کو،

کوئی کہتا ہے کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ یہ مردود کدھر سے آگئے،

کوئی کہتا ہے اجی بند کردو تھانے میں،

اس وقت یہ بجلی کی طرح زبان چلاتی ہے، ٹکٹ کلکٹر اور پولیس والوں کی پہلے خوب خوب خوشامد کرتی ہے، پھر خدا کے واسطے دیتی ہے اور پھر وہ گالیاں جو ریلوے کے کسی ایک قانون میں بھی درج نہیں، اگرچہ بعض اوقات یہ بے ٹکٹ ہونے کے باعث تھانے تک جاتی ہے، مگر نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بغیر جرمانے کے پھر اُسی شہر میں کودتی پھرتی ہے، اور چند دن بعد اسی اسٹیشن سے بے ٹکٹ

سوار ہو جاتی ہے اور کتنے یوں ہیں کہ ریلوے کمپنیوں میں پولیس کا بھی انتظام ہے، جاہلِ محض صورت کی نہایت بھونڈی، لباس میں ایک پنڈلیوں سے اونچا لہنگا، موٹا سا کرتا، لمبی لمبی آستینیں، سر پر بجائے ڈو پٹہ کے ایک چھوٹا سا ہاتھ کا رومال، خاص بات یہ کہ دنیا کی تمام عورتوں سے کم زیور پہننے والی، بعض حالات میں غیر معتمد، باقی خیریت، یہ صرف ہندوستان کے خانہ بدوش طبقہ کا حال ہے لیکن اکثر کے حالات نہایت بہتر اور روبہ ترقی ہیں۔



مشاطہ بیوی

یعنی وہ عورت جو دولہا یا دلہن والوں کی طرف سے شادی کے معاملات کو طے کرائے اور ایک دوسرے کو پیغامات پہونچائے، یہ لڑکی کو تلاش کرتی ہے، اُس کے جملہ حالات سے واقفیت حاصل کرکے دولہا والوں کو بتاتی ہے، اور دولہا کے تمام حالات معلوم کرکے دُلہن والوں کو اطلاع دیتی ہے، اور اس خدمت کا صلہ پاتی ہے،

یہ بیوی کسی خاص خاندان اور قبیلے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اکثر اوقات یہ افلاس، تنگ دستی بیوگی کی مصیبت، اور کبھی کبھی بُری صحبت، اور مزاج کی آوارگی سے بنتی ہے، اِلّا بعض گھرانے ایسے ہیں جن میں یہ کام آبائی اور پیشے کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے، اس کے خاندان کا جس طرح کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا اُسی طرح اس کے شوہر کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہوتی، بلکہ اکثر حالات میں ایسی بیوی کا شوہر قمار باز، افیونی، چور، اور نہیں تو کسی ذلیل برادری کا رُکن ہوتا ہے

چونکہ یہ خاندانی مشاطہ نہیں ہوتی بلکہ اپنے حالات کے لحاظ سے جب چاہتی ہے اور جس وقت چاہتی ہے مشاطگی کا پیشہ اختیار کرلیتی ہے، اس لئے اس کی عام حالت بھی کسی نوعیت کی نہیں ہوتی، مثلاً اکثر یہ جاہلِ محض ہوتی ہے، اور کہیں کہیں کسی قدر لکھی پڑھی بھی،

مشاطہ اُس عورت کو بھی کہتے ہیں جو دُلہن کو سنوارتی ہے، مگر یہاں مشاطہ سے مُراد وہی عورت

ہے جو شادی کے پیغامات کو ادھر سے اُدھر لئے پھرتی ہے، اس کی ابتدائی زندگی کا پتہ نہیں چلتا، بلکہ یہ جب سے اس پیشہ کو اختیار کرلے اُسی وقت سے اس کے حالات سے بحث کی جاسکتی ہے، بہرحال اس کا تعلق عام زندگی اور ہر جماعت سے بہت طاقتور ہے، یہ سب سے پہلے نظر آتی ہے تو اس طرح کہ وہ جوانی سے گزر کر بوڑھی ہونے والے درجہ میں ہوتی ہے مگر مزاج اور زبان کی حد سے سوا تیز، اور چالاک اور اسی لئے وہ زیادہ تعداد میں "خطرناک" ہوتی ہے، خواہ وہ کسی سن و سال کی ہو، مگر ہر حالت میں نہایت مکّار، فریبی، جعل ساز، اور لالچی، حالانکہ اس کا پیشہ زبردست رازداری اور اعتماد کا پیشہ ہے، مگر لالچ اور حرص کی قوت اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ وہ کبھی کسی کی رازدار نہیں ہوتی، یہ ضرورت کے وقت گھروں میں خود بُلائی جاتی ہے لیکن وہ حصول مقصد کے لئے اکثر گھروں میں بے وجہ بھی جاتی رہتی ہے، اس طرح گھروں میں بے وجہ جانے کے دو سبب ہوتے ہیں،

اول یہ کہ وہ پتہ چلائے کہ اس گھر میں کسی لڑکی یا لڑکے کی شادی کی ضرورت تو نہیں ہے، اگر ہے تو وہ اس خدمت کے لئے حاضر ہے اور اگر فی الحال نہیں ہے تو آئندہ کی امید پر وہ اس گھر کے لوگوں سے تعلقات کو بڑھانا چاہتی ہے، غرض ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ کم علم مردوں اور کم علم عورتوں کو عجیب عجیب قسم کے فریب دیتی ہے، کبھی اپنی خاندانی حیثیت کو بلند سے بلند کرکے دکھاتی ہے، اور اس کے بعد اس خاندان کی فرضی تباہی کے فرضی واقعات سُناتی ہے جس سے ثابت ہو کہ یہ عورت جس خاندان کی ہے وہ اب تباہ ہوچکا، اور اسی تباہی کی وجہ سے اس بے چاری نے اب پیٹ بھرنے کے لئے یہ پیشہ اختیار کیا ہے،

پھر پیشہ کے لحاظ سے وہ اپنی فرضی کامیابیاں سُناتی ہے، مثلاً یہ کہ جی ہاں میں نے ہی مُلّا رموزی صاحب کی شادی ڈپٹی کلکٹر صاحب کی لڑکی سے کرائی ہے،

بیوی کیا کہوں کہ اس میں کتنی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا مجھ کو،

بات یہ تھی کہ وہ رموزی صاحب کہتے تھے کہ میں جتنا لکھا پڑھا ہوشیار اور نئے خیال کا ہوں اُتنی ہی لکھی پڑھی حسین خوبصورت اور نئے خیال کی بیوی بھی ہو،

تو اب بہن ایسی لڑکی بس ڈپٹی صاحب ہی کی تھی مگر ڈپٹی صاحب کے خیالات بھی بہت اونچے تھے وہ یہ چاہتے تھے کہ میں اپنی بیٹی کو دوں تو کسی مالدار کو تاکہ وہ عمر بھر سُکھ اور آرام سے رہے میں نے جو عندیہ لیا تو لڑکی مُلّا صاحب سے خوش تھی مگر مشکل تھی تو بس اتنی کہ ڈپٹی صاحب راضی نہیں ہوتے تھے اور بہن آج کل تو ہر باپ اور ہر ماں کا خیال ہی بدل گیا ہے جو چاہتا ہے یہی چاہتا ہے کہ میری لڑکی کسی مالدار کو دی جائے اور اب تو نہ کوئی خاندان کو دیکھتا نہ علم کو پوچھتا، غرض قصہ کون کہے بہن میں نے بھی رات اور دن ایک کر دیئے آخرکار لڑکی کی ماں نے ڈپٹی صاحب کو راضی کر ہی لیا، ادھر میں نے بھی موقع موقع سے ڈپٹی صاحب کو سمجھایا کہ آپ ہیں کہاں ذرا ہوشیاری سے کام کیجیے کیونکہ آپ کی لڑکی کی رغبت خود اُسی طرف ہے، بس بہتر ہے کہ اب بسم اللہ کر دی جائے، خدا کا شکر ہے کہ کام ہو گیا، اور سچ پوچھو تو لڑکی کا نصیب جاگ گیا کیونکہ ماشاءاللہ جیسی وہ علم والی ہے ویسے ہی مُلّا رموزی صاحب یہ جو میرے ہاتھوں میں سونے کے کڑے دیکھ رہی ہو یہ اُسی وقت تو مُلّا صاحب نے مجھے دیئے تھے، کیونکہ بہن میں نے بھی اُن کی مرضی کے موافق ہی لڑکی دلائی،

مشاطہ بیوی کے مکر و فریب کا یہ نمونہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ اس کے اخلاق و کردار اور اعمال کا یہ نمونہ نہایت صحیح اور تاریخی ہے، چنانچہ مشہور سیرۃ نگار مصنف "فسانہ آزاد" نے اس عورت کا جو نقشہ "فسانۂ آزاد" میں پیش کیا ہے وہ یہ ہے:-

"شاہزادۂ قمر طلعت نے ایک روز چاہا کہ اپنے حرم کو جا کر دیکھیں تو اس کے لئے اُنھوں نے "مشاطہ" کو حکم دیا کہ وہ ایسی تدبیر کرے کہ کسی طرح "حرم" کو شاہزادہ جھروکے سے دیکھ سکے، اس خیال پر مشاطہ نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ

کُل باتیں سُن کر عرض کی کہ خداوند نعمت لونڈی کو اصلا عذر نہیں مگر اس طرح پر عرض کرنا اُن کے خلاف گزریگا، میں بات بنا کر کسی عمدہ پیرائے میں عرض کرونگی حضور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ حضور کو صورت دکھائیں، دلہن کہیں ایسی بے شرم ہو سکتی ہے،

یہ کہہ کر مشاطہ روانہ ہوئی اور اپنی مُنہ بولی بہن سے جا کر صلاح لی:

مشاطہ:- آج سنجر سطوت نے بُلوایا تھا، ہیں تو کچھ ہوئے خبطے سے معلوم ہوتے ہیں، وہ وہ بے تکی باتیں کہ توبہ بھلی، اور ہم ہاں میں ہاں ملانے کے سوا اور کہیں تو کیا کہیں؟ مجھے ایک ڈوپٹا دیا: خاصا بھاری ڈوپٹا، اور پانچ روپیہ ملے، اور کہا کہ تم بڑی بیگم کے گھر جاؤ، سپہر آرا سے ملو اور کہو حضور کی سواری ادھر سے نکلے گی جھروکے سے ہم کو دیکھیں،

نواب جان:- اے ہے، کہیں سڑن نہ بننا ہمن بھلا کوئی بات بھی ہے واہ

مُنہ کے آگے ناک سو جھے کیا خاک، گدی میں عقل ہے کیا،

مشاطہ= بہن میں چُپ چاپ سُنتی رہی کاٹو تو لہو بدن میں نہیں،

نواب جان= اوئی وارے مردوئے اور پھر شاہزادے کہاتے ہیں اور یہ عقل کی مار، اُن سے تو ایسے ویسے مردوے ہی بھلے،

مشاطہ= بہن ڈوپٹہ ہضم نہ ہونے کا، جا کے شام کو آئیں بائیں شائیں بتا دیں گے، اُن کی سواری اُدھر سے نکلے گی بس کسی خدمت گار سے کہدونگی وہ اونگلی اُٹھا دیگا، بس دیکھیں یا نہ دیکھیں ہم کو اس سے کیا؟

نواب جان= اے تم جاکے خوب بناؤ، دل کھول کے روپیہ لو تو اُن کے سر پر تو جنون سوار ہے، کیا دور کی سوجھی، سودائی پن کی باتیں،

مشاطہ= اور جب تک میں بیٹھی رہی تب تک برابر اپنی بڑائی کی لی، اور پاکیت جتائی، سُنتے سنتے عاجز ہو گئی، اُف توبہ،

نواب جان= نہیں بہن یہ نہ کہو، بڑائی میں کچھ شک بھی ہے اولادِ شاہ ہیں کہ نہیں کیا کچھ ایسے ویسے ہیں شہزادے ہیں کہ باتیں،؟

اب شام کو کوئی پانچ بجے کے وقت مشاطہ نے شہزادے کے حضور جاکر آداب عرض کیا اور کہا حضور کُل باتیں پکی پوڑھی کر آئی ہوں، بس حضور کے سوار ہونے کی دیر ہے، سب معاملہ لیس ہے،، [1]

یہ ہے ایک مختصر سا نمونہ اس بیوی کے اخلاق و کردار کا جو ملک کے ایک مسلم الثبوت، ماہر نفسیات

[1] ملاحظہ ہو "فسانۂ آزاد"، جلد سوم صفحہ ۶۹۸ و ۶۹۹،

نے آج سے بہت پہلے پیش کیا تھا، الغرض یہ ایسی ہی مکاریوں اور چالاکیوں سے جب کسی گھر سے پیغام لیکر جاتی ہے تو پہلے اسی گھر سے بسم اللہ کرتی ہے یعنی پیغام لیجاتے وقت وہ مختلف قسم کی دعائیں اور برکتیں چاہتی ہے، بہتر سے بہتر الفاظ اور کامیابی کے جملے ادا کرکے اپنا حق طلب کرتی ہے، ادھر کم علم اور جاہل عورتیں پیغام کی مسرت اور خوشی سے اس درجہ مست ہوتی ہیں کہ یہ جو مانگتی ہے وہ دیتی ہیں،

پھر جس گھر میں وہ پیغام لیجاتی ہے وہاں بھی اس کی مکاری اور عیاری کے عجب عجب نمونے نظر آتے ہیں، وہ کہتی ہے کہ

بہن۔ کیا لڑکا خدا نے آپ کو دیا ہے، ؟

ایسا فرماں بردار،

ایسا حسین، جوان،

ایسا لایق، قابل،

ایسا دین کا پکا،

ایسا مزاج کا غریب،

اور میری تو گود کا کھلایا ہوا ہے، میں تو اُس کی ایک ایک رگ سے واقف ہوں، کیا مجال جو ماں باپ کے سامنے نظر اُٹھا کر تو بات کرلے،

بڑے بڑوں میں اُس کی بات ہے،

سارا شہر جانتا ہے اُسے کہ کیسا نیک اور صالح جوان ہے ؟

بس خدا مبارک کرے،

آپ کہیں گے تو وہ آپ ہی کا عمر بھر ہو کر رہے گا،

آپ کہیں گے تو وہ اپنی پوری تنخواہ بچی کے نام لکھ دیگا،

آپ کہیں گے تو وہ مُلّا رموزی تک کو لڑکی کے مہر میں لکھ دیگا،

آپ کہیں گے تو وہ علیحدہ مکان لیکر رہے گا،

اور ویسے بھی وہ آپ ہی کی اولاد ہوگا،

اگر لڑکے والوں میں لڑکی کی تعریف کریگی تو کہیگی کہ

بہن۔ خدا مبارک کرے لڑکی کیا ہے، حور کی بچی ہے، اور چاند کا ٹکڑا، گھر کا اُجالا ہو گی، لکھی، پڑھی، اور کیسی سلیقہ والی، کہ سُبحان اللہ ہزاروں میں ایک، کشیدہ وہ جانے، ہزار قسم کے کھانے پکانا وہ جانے، دستکاری میں وہ طاق، چھوٹے بڑوں کے قاعدے وہ جانے، کام میں ایسی تیز کہ سو مہمانوں کی میزبانی کرے، مگر نہ گھبرائے، ماں باپ کی خدمت گزار، نمازی پرہیزگار، اور پھر کیسی پیاری اور شرمیلی، کہ سُبحان اللہ،

اب اگر خدانخواستہ اس کے ذریعہ سے کام کا آغاز ہو جائے تو پھر خدا کی پناہ، جہاں ایک آدھ رسم یا تقریب ہوئی اور اسے معاملے کا طے ہو جانے کا یقین آگیا، کہ بس اب وہ ہے اور پورے خاندان پر اس کی حکومت، اب وہ جو چاہتی ہے کہتی ہے، اور جو چاہتی ہے لیتی ہے، اور یہ اس لئے کہ جاہل اور کم علم لوگ اس کی عیاری اور مکاری کو توڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ورنہ ایک اپنے مُلّا رموزی صاحب کی مشاطہ بھی تھیں جنہوں نے منگنی کے بعد ہی مُلّا رموزی

صاحب کی منطق اور قانونی جرم سے جو توبہ کی تھی تو پھر ولیمہ کے دن ہی بے غیرت بنکر خود ہی تشریف لائی تھیں، اُس پر بھی مُلّا رموزی صاحب کے خوف سے عورتوں ہی میں بیٹھ کر جو تشریف لے گئی ہیں تو اب کبھی کبھار راستے میں مل جاتی ہیں تو آڑی ترچھی دعائیں دیکر جلد راستہ اختیار فرماتی ہیں،

مگر جاہل اور رسم پرست گھروں میں معاملہ شروع ہو جانے پر وہ جس درجہ نخوت، غرور اکڑ، بہانے، حیلے، مکر سے کام لیتی ہے، شاید ہی کوئی دوسری عورت اس کا مقابلہ کر سکے یہاں تک کہ اب وہ بات بات پر ناراض ہو کر اپنے گھر چلی جاتی ہے، اور کم علم لڑکے یا لڑکی کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ اس کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں، مگر وہ ہوتی ہے کہ بغیر روپیہ کے قابو ہی میں نہیں آتی،

اس کے تمام نخرے اور غرور کا سبب اصل میں شادی بیاہ والوں کی جہالت اور بُری اور غلط رسموں کی پابندی ہے، مثلاً بعض جاہلانہ رسمیں ایسی ہیں جن کا ادا کرنا اسی عورت کا فرض قرار دیدیا گیا ہے، حالانکہ نہ شریعت اور مذہب میں اس عورت کا کوئی ذکر ہے، نہ اس کی رسموں کا کوئی حکم، مگر جاہل عورتوں نے اس عورت کے حقوق کو اتنا زیادہ اونچا اور ضروری بنا دیا ہے کہ شادی کے وقت ان عورتوں کے شوہر تک اس کی خوشامد کرتے پھرتے ہیں،

دوسرا سبب اس کے نخرے کا یہ ہے کہ یہ چونکہ ہر گھر میں بغیر پولیس کی اجازت اور بغیر روشنی کے جس وقت چاہتی ہے چلی جاتی ہے، اس لئے ہماری آپ کی خالص جاہل عورتیں اسی سے

ڈرتی ہیں کہ یہ کہیں کسی دوسرے گھر میں جاکر ہماری اور ہمارے خاندان کی بُرائی نہ کرے جس سے ہم اور ہمارا خاندان بدنام ہوگا، اور کچھ شک نہیں کہ یہ عورت ایسا ہی کرتی ہے البتہ اسے اس کے منشاء کے موافق روپیہ زیور، اور کپڑوں کے ساتھ ساتھ عمدہ کھانا دیتے جائیے تو پھر ہر گھر میں جاکر کہتی ہے کہ میں نے مُلّا رموزی صاحب کے خاندان کے برابر شریف خاندان ہی نہیں دیکھا، بس ایسے شریف لوگ ہیں کہ آپ سے کیا کہوں، یہ دیکھئے آج مجھے بے ضرورت ہی مُلّا صاحب کی والدہ نے دس روپیہ کا نوٹ دیدیا،

اگرچہ دوسرے گھروں میں جاکر یہ جو تعریف کرتی ہے وہ بھی اس لئے کہ اُس گھر کے لوگ بھی اسے انعامات دیں، یہی حال شادی کے موقع پر ہوتا ہے، وہ اُسی گھر میں خوشی سے کام کرتی ہے جس گھر سے اسے بہت کچھ ملا ہو،

شادی کے موقع پر یہ نہایت شاندار بنی رہتی ہے، بہترین لباس اور بہترین زیور پہنکر آتی ہے اور اپنی ہر چیز کو کسی رئیس کا دیا ہوا انعام بتاتی ہے، تاکہ دوسری عورتیں متأثر ہوں، خود اس کی شادی کے حالات اس لئے صحیح نہیں بتائے جاسکتے، کہ وہ کبھی شادی سے پہلے ہی خاندانی مشاطہ ہوتی ہے، اور کہیں وہ اپنی شادی کے بعد اس پیشہ کو اختیار کرتی ہے، البتہ اس کے شوہر کے حالات ہر حالت میں یہ ہوتے ہیں کہ وہ عام طور پر جاہل ہوتا ہے، اسی لئے کسی بی، اسے، پاس مرد کی بی، اسے پاس عورت کو مشاطہ نہ پائیگا، شوہر اکثر حالات میں اسی کی کمائی پر گزارہ کرتاہے، اور اسی لئے یہ ہمیشہ اپنے شوہر پر غالب اور حاوی رہتی ہے اور شوہر صاحب بھی اس کے مقابلہ میں ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ

بس بس تو اب چُپ ہو جا،

اری نیک بخت جو تیرا جی چاہے وہ کر میں کب منع کرتا ہوں کہ تو مُلّا رمّوزی صاحب کا کام نہ کر

اچھا اچھا تو اب سُن لیا، اب نہ کہوں گا،

یہ خاصی دولت مند ہوتی ہے اور مزاج کی ہمیشہ لالچی، مگر بخیل،

شوہر کے حق میں مصیبت بھی اور آرام دہ بھی، مصیبت تو اس لئے کہ کبھی شوہر کے کہے پر عمل نہیں کرتی اور آزاد رہتی ہے، اور راحت و آرام اس لئے کہ ہمیشہ خود کماتی ہے اور شوہر کو کھلاتی ہے، اس کے ہاں اولاد بہت کم ہوتی ہے، اور اکثر کے ہاں تو کچھ بھی نہیں اور بالکل ہی نہیں،

امور خانہ داری، اور گھر کی صفائی میں نہایت طاق، دین کے مسائل سے یکسر بے خبر، غلط اور جاہلانہ رسوم کی اُستاد، اس کی قربت، اور صحبت سے کم عمر اور کم سمجھ بلکہ ہر قسم کی عورت ذات کو بچانا چاہیئے، فقط،



منشی بیوی

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس شخص کی بیوی جسے اُردو میں "منشی جی" اور انگریزی میں "کلرک" کہتے ہیں، بلکہ اس سے وہی بیوی صاحبہ دام اقبالہا مراد ہیں جو یا تو خود "اَز حد جاہل ہوں" بے حد جاہل ہوں، اور بہت ہی "بالکل جاہل ہوں"، یا قطعاً بالکل ہوں"، یا حد سے سوا بالکل ہوں، مگر شوہر صاحب لکھے پڑھوں میں دم مارتے ہوں، یا پھر شوہر صاحب تو نرے کندۂ ناتراش ہوں، مطلق ہوں، ازحد مطلق ہوں، بے حد مطلق ہوں، مگر بیوی صاحبہ ہل ہل کر "نور نامہ"، شہادت نامہ"، اور میلاد شریفؐ کی کتابیں پڑھ لیتی ہوں مگر لکھنے کے معاملہ میں کوری دھری ہوں، اور جب کوئی دریافت کرے کہ کیوں بہن یہ کیا تو بڑے نخرے سے کہیں کہ ہمارے ہاں عورتوں کا لکھنا بُرا سمجھا جاتا ہے اور دل میں مارے شرم و ندامت کے پانی پانی ہو جائے لطیفہ یہ ہے کہ اس قسم کی "نصف تعلیم یافتہ"، بیوی ہندوستانیوں کے بلند گھرانوں میں بھی نظر آتی ہے،

بدقسمتی سے اس کا شوہر بھی ملازمانی ذہنیت کا مارا ہوا ہوتا ہے، اور اس کے خیالات میں بلندی، وسعت، روشنی، جدّت، ندرت، خوش ذوقی، اور انقلاب پسندی نہیں ہوتی، اس لئے معاشرت اور معاش کا معاملہ بھی درجۂ سوم ہی رہتا ہے،

اس کی تربیت نہایت تاریک اصول کے ساتھ ہوتی ہے، اگرچہ خاندان لکھا پڑھا مشہور ہوتا ہے، والد صاحب کے منشی صاحب ہونے سے تمام محلہ انھیں جھک کر سلام کرتا ہے مگر جہاں یہ پانچ برس سے اوپر کی طرف چلی اور اسے پڑھنے بٹھایا گیا، اس موقع پر "بقدر جہالت"، روپیہ برباد کرنے والی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور نام یہ ہوتا ہے کہ مذہبی تعلیم کا آغاز ہورہا ہے، کچھ شک نہیں کہ کسی مذہبی تعلیم کے آغاز پر اظہار مسرت کرنا ہر طرح قابل تعریف کام ہے مگر نہ اس طرح جس طرح کہ اس قوم اور اس طبقے میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس موقع پر اظہار مسرت کا مقصد اصل مقصد کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی خاندانی اور مالی حیثیت کے موافق پورا کیا جاتا ہے، ورنہ آپ ہی بتلایئے کہ ایسی تعلیم کے موقع پر یہ تمام دنیا کے ننھے میاں کے والد تو خیر بلائے ہی جاتے ہیں مگر یہ دس بارہ محلّے کے ننھے میاں کی "دادائوں"، کا بُلانا فضولی نہیں تو اور کیا ہے، پھر لُطف یہ کہ پلاؤ، زردے کے ساتھ ساتھ کبھی مُلّا رموزی صاحب کی نظر بچا کر "گانا بھی ہوتا ہے"،

اب جو تعلیم کا آغاز ہوگیا تو بس اس طرح کہ والدہ کو فرصت ملی تو اُنھوں نے دو حرف بتا دیئے اور والد صاحب بیٹھے تو دو چار سطریں اُنھوں نے پڑھا دیں، چلئے اولاد کی تعلیم شروع ہوگئی، اب یہ ہے کہ کتاب کے نام سے رونا شروع کردیتی ہے، کبھی والدہ مارے محبّت کے چُھٹّی دیدیتی ہیں اور کبھی والد صاحب کتاب طاق پر رکھ کر اسے پیار کرنے اور پیسے دینے میں مصروف ہوجاتے ہیں، اور جو بڑی مستعدی سے یہ پڑھنے ہی بیٹھی تو اس طرح کہ کتاب کہیں، اور خود کہیں، اسی طرح پڑھانے والی والدہ صاحبہ

چولھے کے پاس اور یہ دالان میں، اب یہ دالان میں بیٹھی پڑھ رہی ہے اس طرح کہ دماغ اور دھیان صحن اور کھیل کی طرف اور آنکھیں اور اُونگلی کتاب پر، اور پڑھانے والی والدہ صاحبہ ہیں کہ چولھے کے پاس سے فرما رہی ہیں،

اری اندھی پیش نہیں زبر ہے زبر،

پھر کہہ ذرا چلّا کر،

تو آواز تو حلق سے نکال،

ٹھہر جا ذرا آنے دے تیرے باوا کو،

خدا تجھے غارت کرے بے ایمان دس مرتبہ بتا چکی ہوں مگر جب پڑھتی ہے غلط،

ہاں دیکھوں تو ابکی تو غلط پڑھ،

دیکھ ایسی پھکنی پھینک کر ماروں گی کہ بدذات کا مُنہ ٹوٹ جائے گا،

اری او بے غیرت اُنگلی تو رکھ،

ہے ہے خدا تیرا کالا مُنہ کرے خدا کے کلام کو بھی اس بے ادبی سے رکھے بیٹھی ہے،

اری اندھی تو کتاب پر کیوں اوندھی پڑی ہوئی ہے،

دیکھ پھر زبر پڑھا تو نے اور میں بتا رہی ہوں کہ اُسے دس مرتبہ چلا چلا کر پڑھ،

بس اب آگئی موت، اب آواز تھوڑا ہی نکلنیکی تیرے مُنہ سے،

اچھا ہاں سُن رہی ہوں، پھر کہہ اُسی کو،

دیکھ دیکھ، پھر آئی شامت تیری، ذرا ابکی تو کہہ،

کیا کہوں میری روٹی جل جائیگی ورنہ ابھی آکر بتا تی تجھ کو،

اچھا لا تو میرے پاس،

ہاں اب اندھی یہ تیرا باوا زبر ہے یا پیش ؟

اس موقع پر صاحبزادی کے کان توڑے جاتے ہیں، طمانچے مارے جاتے ہیں اور جو بہت زیادہ قابو سے باہر ہوئیں تو ایک آدھ لکڑی بھی ماردی مگر اس زور سے کہ لکڑی کو خود شرم آجائے مگر صاحبزادی کے چوٹ نہ آئے، ادھر صاحبزادی کے جہاں طمانچہ رسید ہوا کہ اُنھوں نے کتاب ہی کو بستر بنا کر اُس پر لوٹنا اور ہاتھ پاؤں مارنا جو شروع کیا تو اب نہ وہ اپنی والدہ کے کہے سے چُپ ہوں نہ مُلّا رموزی صاحب کی بیوی کے سمجھانے سے آخرکار اس قسم کی تعلیم کا خلاصہ والدہ نے یوں کر کے رکھ دیا کہ دو چار مرتبہ کہا کہ

اچھا تو اب چُپ نہ ہوگی تو،

تو پھر اُٹھوں، اور بتاؤں تجھے رونا،

اُفّوہ رہی مکّار، ابھی تو میں نے تجھے ایک ہی طمانچہ مارا ہے،

اچھا تو نہ پڑھیگی تو،

اچھا تو آج تو خوب جی بھر کر رو ہی لے،

دیکھوں تو کب تک روتی ہے تو،

مجھے بھی اماں نہیں لونڈی کہنا اگر آج مار مار کر دم نہ لیلوں تیرا،

سمجھ رہی ہوں، سمجھ رہی ہوں،

دیکھ اگر خدا کی قسم کتاب پھاڑی ہے تو نے تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا،

میں تو جب تک خوب "پکّا" نہ سُن لوں گی، تجھے ایک منٹ کو نہ چھوڑوں گی،

آنے تو دے ذرا آج اُن کو،

بہت سر اُٹھایا ہے تو نے،

اب اگر اس گھر میں خدا نخواستہ موجود ہوئیں دادی صاحبہ تو مار پڑتے ہی یوں قابو سے باہر

چل رہنے دے آئی کہیں کی مارنے والی،

پڑھایا بھی تھا کبھی اولاد کو،

لا ادھر لا میرے پاس کتاب،

بس خبردار جو اب کچھ کہا ہے بچّی سے،

ہمیں نہیں چاہیئے ایسی تعلیم،

بھلا دیکھنا یوں بھی کہیں مارتے ہیں بچّوں کو،

اور جو خدا نخواستہ ذرا اوپر کو لگ جاتی تو بچّی کی آنکھ پھوٹ جاتی،

بس رہنے دو دُلہن ہم نے بھی بچّے پڑھائے ہیں،

ہاں تو تمہارے ہاں ایسا ہی پڑھایا جاتا ہوگا،

بس تو کہہ دیا نا کہ ہماری بچّی بے علم ہی اچھی، ایسے پڑھانیے،

توبہ بیوی، کیا بُرا مارا ہے اوخ دیکھنا اب تک اُس کا گال سُرخ ہو رہا ہے،

اتنے میں کہیں والد صاحب گھر میں آگئے تو بٹیا نے دیکھتے ہی پھر ٹھسکنا شروع کیا اور دادی

صاحب نے یوں سنبھال لیا کہ،

دیکھو میاں اولاد تو تمہاری ہے تم چاہے اُسے ذبح کر ڈالو مگر میں اس قسم کا قصائی پن نہیں دیکھ سکتی،

اُفوہ یہ آج دُلہن نے اُسے پڑھایا ہے کہ اچھا خاصا اُس سے بدلہ لیا ہے، اوئی دیکھو تو ذرا اس کی آنکھ، وہ پڑی ہے پھکنی جس سے بیوی صاحب نے اس معصوم کو مارا ہے، بھلا سوچو تو بیٹے اگر ذرا اوپر کو پڑ جاتی تو آنکھ باہر نکل آتی کہ نہیں،

اور ہم تو شروع سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے خاندان میں بیٹیوں کو اتنا نہیں پڑھاتے بس پڑھ لیا اُس نے جو کچھ اُس کی قسمت میں تھا،

ہاں جب تک وہ اللہ رسول کی باتوں سے ناواقف تھی ہم خود اُس کے پڑھنے میں سختی کرتے تھے اور جو میاں تمہیں اُسے ایسا ہی "مُغلانی بنانا ہے" تو خدا کے واسطے تم اُسے اپنے ہی ساتھ کچہری لیجایا کرو ورنہ یہ تمہاری بیوی دیکھ لینا کسی دن اُس کا گلا گھونٹ کر رکھ دیگی

اے بیوی توبہ میری کیا بُری طرح پڑھاتی ہیں کہ دیکھنے والے کا دل ہل جائے،

بھلا ابھی بچی کی عمر دیکھو اور اُس کے ساتھ بیوی کا یوں کُشتی لڑنا دیکھو، خیر میاں تمہاری اولاد پر ہمارا کیا زور، مگر ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ ہم سے تو ایسا پڑھنا پڑھانا نہیں دیکھا جاتا،

اچھا تو یہ کرو نا کہ وہ سامنے مُغلانی رہتی ہیں دن کو اُن کے گھر بھیج دیا کرو اور رات کو تم پڑھا دیا کرو،

اب جو والد صاحب نے اپنی ذاتی والدہ کا یہ وعظ سُنا تو اُٹھتے ہی بیوی کو یوں بھنبوڑ ڈالا کہ

کیوں جی یہ کیا فرما رہی ہیں اماں بی،؟

تو یوں پڑھایا جاتا ہے بچوں کو، ؟

ارےبھئی تو چھوڑ دیا ہوتا تم نے اُس کو میں آکر پڑھا دیتا،

اچھا تو جب اماں بی روک رہی تھیں تم کو تب تو تمہیں خیال کرنا چاہیئے تھا،

اچھا تو تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ اگر خدانخواستہ اُس کی آنکھ پھوٹ جاتی ؟

بالکل غلط، میں کبھی نہیں مانوں گا، اس بات کو،

کیسے ہو سکتا ہے،

اچھا اچھا میں نے کہدیا کہ اب لڑکی کی طرف پڑھانے کا خیال بھی نہ کرنا تم، بس میں کل سے مغلانی بی کے سپرد کئے دیتا ہوں ،

اب جو "مغلانی بی"، کے گھر تشریف لے گئیں تو صاحبزادی کے عوض صاحبزادہ بن گئیں، وہ پڑھنا وڑھنا تو رہا مغلانی بی کے پاس، اب صاحبزادی ہیں اور مغلانی بی کے گھر بھر کا کام، اب مغلانی بی ہیں کہ محلے کی دس بارہ لونڈیوں کو گھیرے بیٹھی ہیں اور پڑھانے کا وہ زور شور کہ جو اس کے گھر کے پاس سے گزرے وہ سُن لے کہ ہاں مغلانی بڑی محنت سے پڑھا رہی ہیں، مگر گھر کے اندر یہ حال کہ دس لڑکیاں تو چیخ چیخ کر یوں پڑھ رہی ہیں کہ ایک کا پڑھا دوسری یاد کرلے اور تیسری کا چوتھی نہ اس کا پڑھا ہوا یاد نہ اُس کا،

اور پانچ لڑکیاں ہیں کہ مُغلانی بی کے گھر کے کاروبار میں مصروف ہیں، کوئی ہے کہ

برتن صاف کر رہی ہے اور کوئی جھاڑو کے فرض کو ادا کرنے میں مصروف ہے، کوئی چولھے کے پاس سے چلا رہی ہے کہ مغلانی بی یہ دیکھئے یہ پانی خوب جوش کھانے لگا اب ڈال دوں اس میں آلو،

اور نمک تو بتائیے کہاں رکھا ہے؟

یہ دیکھئے یہ نصیبن ہیں آپ کے پاس سے میٹھی زبان دکھا رہی ہے، اب جو ان فرائض اور خدمات سے نجات ملی تو یا تو چھٹی کا وقت آگیا یا مغلانی بی نے سبق یوں پڑھا کر رکھدیا کہ اُس کے سبق کو اُسی کے ساتھ چلاّ چلاّ کر پڑھنا شروع کر دیا جسے آدھا لڑکی نے سمجھا اور آدھا خود مغلانی کو یاد رہا کہ چھٹی مل گئی، بڑی مہربانی فرمائی تو کہہ دیا،

دیکھو کل بہت صبح آنا،

یہ آج کا سبق کچاّ ہے تیرا، کل اگر یاد کر کے نہ لائی تو تو جان،

غرض اس تمام تعلیم کا خلاصہ اتنا نکلا کہ "نورنامہ" حفظ یاد ہوگیا، عبادت کے چند قاعدے رٹ لئے، آڑی ترچھی سلائی سیکھ لی، مونگ کی دال سے لیکر جو حد سے سوا ترقی کی تو دُھواں ملا ہوا پلاؤ پکانا سیکھ گئیں، اور اولاد کی تربیت، پرورش، حفظ صحت، اور امور خانہ داری اور شوہری فرائض کا پڑھانا تو شادی سے پہلے اس طبقے کے ہر مُلاّ رموزی کے نزدیک شرمناک اور معیوب بات ہے، اسی لئے یہاں تک پہونچی تھیں کہ شادی کا معاملہ چھڑ گیا اب اگر یہ معاملہ دس برس میں بھی طے ہو تو لڑکی تعلیم کے نام سے ایک کتاب کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتی،

شادی جو شروع ہوئی تو الامان والحفیظ، یعنی جہاں اسے اطلاع ملی کہ اُس کی شادی کا ابھی پیغام آنا تو دور گھر ہی میں اُس کے ماں باپ تذکرہ کر رہے تھے، کہ اب وہ دین سے بھی گئی اور دنیا سے بھی، یعنی اب وہ اپنے اوپر اس درجہ زبردست شرم و حجاب سوار کریگی کہ جہاں گھر میں کسی نے کسی کے کان کے قریب مُنہ لگا کر بات کی کہ یہ بھاگی اور گھر کے کسی تاریک حصے میں جا کر یوں بند ہو گئی کہ جب تک اُسے یہ یقین نہ آجائے کہ ہاں یہ لوگ اُس کی شادی کا تذکرہ نہیں کر رہے ہے، اُس وقت تک وہ کبھی باہر نہ آئیگی، اور جو خدانخواستہ اس کے گھر میں پیغام لانے والی کوئی عورت آجائے تو اب اگر یہ عورت دن بھر بیٹھی رہے تو یہ بھی مارے حجاب کے دن بھر کسی تاریک کوٹھری یا تاریک کمرے میں جا کر بند ہو جائیگی، پھر لطف یہ کہ اُس کے اس حماقت اور جہالت کے حجاب کو اُس کی والدہ صاحبہ بہن صاحبہ، دادی صاحبہ، نانی صاحبہ، چچی صاحبہ، پھوپی صاحبہ، غرض دنیا کی ہر صاحبہ اُس کی قابلِ تعریف لیاقت سمجھیں گی، چاہے اس حرکت سے وہ پسینے میں نہا جائے، یا زور کی کھانسی کو روکتے روکتے اُس کے گلے کی تمام رگیں پھول کر ٹوٹ بھی جائیں مگر وہ کبھی باہر نہ آئیگی، اور پیغام والی عورت کے سامنے آنا تو انگریزوں کے سامنے آنے کے برابر ہے، اب پیغامات اور معاملات کا سلسلہ جو شروع ہوا تو اُسے آخر وقت تک بھی یہ نہ بتایا جائیگا کہ تیرا شوہر اس نام کا ہے، اس عمر کا، اس تنخواہ کا، اس صورت کا، اس خاندان کا، اس شہر کا، اس مزاج کا، اس آمدنی کا، اس لیاقت کا، اور اس چلن کا،

اسی طرح اس کے شوہر سے بھی نہ کہا جائیگا کہ "اللہ کے اودو لھا بندے،، سن کہ تیری آنیوالی

بیوی اس خاندان کی ہے، اس قابلیت کی، اس عمر کی، اس مزاج کی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں پسند ہے، اس لئے اُٹھ اور دولھا بنکر تو بھی پسند کر ورنہ جدھر تیرے سینگ سمائیں جا اور اپنی شادی آپ کرلا، پھر نہ تجھے ہم سے کوئی علاقہ اور نہ ہمیں تجھ نالائق بیٹے سے،

اس موقع پر اس بیوی کا حجاب " قدرتی کہا جاتا ہے "، اور کچھ شک نہیں کہ ایک حد تک ایسا ہی ہے مگر نہ اتنا کہ جتنا کہا جاتا ہے، ایسی لئے بعض " بجلی کی بنی ہوئی لڑکی "، اسی زمانے میں اپنے گھر کے کمسن بچوں یا اپنی بے تکلف سہیلیوں کے ذریعہ اپنے ہونے والے شوہر کے حالات کو اُڑتے اُڑتے دریافت کرتی رہتی ہے، یہی حال اس موقع پر امور خانہ داری اور شوہری فرائض کے سمجھانے کا ہوتا ہے، کہ یا تو اس کی کم تجربہ اور بے علم سہیلیاں اسے کچھ بتادیں یا رشتہ کی کوئی غیر ذمہ دار اور محلہ کی عورت جو چاہے بھادے، یہ نہیں کہ شوہر کے ذوق، اُس کے صحیح مزاج اور جملہ امور سے کوئی اسے خبردار کردے،

اس کی بارات سے خدا بچائے کیونکہ ہونے والے شوہر بھی لکھے پڑھے ہوتے ہیں، اس لئے کیا مجال جو شادی کی کوئی ایک جاہلانہ رسم تو ادا ہونے سے باقی رہ جائے وہ تو بس نہیں چلتا ورنہ وہ اپنی بارات میں مُلّا رموزی صاحب تک کے گانے ناچنے کا انتظام کر گزریں غرض ہزار قسم کی بجلی کی روشنی، باجوں، گھوڑوں، ہاتھیوں، رنڈیوں، باغ بہاریوں، آتش بازیوں، جوڑوں، خوانوں، مٹھائیوں، زیوروں، ہاروں، پھولوں، عطروں، اور جو گدھے کے ہوئے تو سیگریٹوں اور سگاروں کے ساتھ جتنے ملے اتنے آدمیوں کے ساتھ

جوگھر سے روانہ ہوئے تو صرف اتنا کہنے میں آیا کہ وہ چلی مُلّا رموزی کی بارات،
رات بھر دُلہن کے گھر باجوں، رنڈیوں، قوالیوں، اور بے شمار جاہلانہ رسوم کا ہنگامہ رہا،
صبح جو ہوئی تو سُسر صاحب نے بھی خزانے کے دس بارہ مُنہ کھول دیئے، اب آنے دیجئے
محلے والوں اور بارات والوں کے سامنے، پلاؤ، زردہ، قورمہ، مزعفر، شیرمال، فیرنی،
کباب، بریان، بورانی، یا پھر میٹھے چاول، گوشت مانڈے، ورنہ بیٹی دی تو سب کچھ دیدیا،
رخصتی کے وقت جہیز میں برتنوں پہ برتن، کپڑوں پر کپڑے، صندوقوں پر صندوق، ہیں کہ
دیئے جا رہے ہیں، وہ تو قاعدہ ہی نہیں ورنہ یہ دُلہن کے "باوا لوگ"، تو مُلّا رموزیوں پر
مُلّا رموزی بھی جہیز میں دیتے چلے جائیں، اور نہ گھبرائیں، پھر لطف یہ کہ اتنا دینے پر بھی سُسر
صاحب باراتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتے ہیں کہ میں کسی لائق نہیں ہوں، جو کچھ مجھ
غریب سے ہوسکا وہ پیش کردیا، اس پر باراتی لوگ بھی ٹھنڈی سانس لیکر کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ
صاحب خوب دیا آپ نے اور پھر جب بیٹی دی تو اور کیا چاہیئے؟

اب جو یہ "نورنامے"، اور "شہادت نامہ"، تک کی تعلیم پائی ہوئی بیوی صاحبہ دولھا میاں کے
گھر آئیں تو ان پر دولھا میاں بھی صدقے، اور دولھا میاں کے والد صاحب بھی نثار، اور
سب سے زیادہ شہرہ یہ کہ ماشاء اللہ "لڑکی پڑھی لکھی ہے"،

اب کوئی ایک مہینے تک یہ بیوی نہ گھر کے کام سے ہاتھ لگائیگی، نہ کسی سے زور سے بات
کریگی، بس اب یہ ہوگی اور فرضی شرم وحجاب، جب دیکھئے کسی کونے میں "ریشم کی گٹھری"
بنی ہوئی بیٹھی ہے، اب اسے جس کام کی ضرورت ہوگی اُس کے لئے اس کی سامں اور

اس کی نند اس کی امداد کریگی، یہ ایک مہینے سے بھی زیادہ اپنے منہ پر اتنا لمبا گھونگھٹ کئے رہیگی یا لٹکائے رہیگی، یا ڈالے رہیگی، کہ اسے نہ پوری زمین نظر آئیگی، نہ آسمان، بس ایک جگہ بیٹھی رہیگی تو وہ بھی اس طرح کہ گھونگھٹ کے اندر سے شوہر کو دیکھتی جائیگی اور ملا رموزی صاحب کی بیوی کو بھی، اگر بات کریگی تو اس قدر بیمار لہجے کے ساتھ گویا کچھ دن سے وہ بات کرنا بھول گئی تھی، اب پھر سے بات کرنا شروع کر رہی ہے، یہ اکثر دولھا کے گھر کے بچوں کے ذریعہ گفتگو بھی کرتی ہے اور انھی سے کام بھی لیتی ہے، سسر اور ساس کے سامنے یوں رہتی ہے جیسے ہم اور آپ انگریزوں اور دیسی افسروں کے سامنے،

اب جہاں یہ دولھا کے گھر آئی کہ پھر اس کے دیکھنے کے لئے اس محلّے کی، اس دولھا کے رشتے کی، اس کے دوستوں کی، غرض دنیا کی عورتیں جن سے تعارف کی رسم اس بیوی کی ساس صاحبہ یوں ادا کرتی ہیں کہ آنیوالی عورت کو دلہن کی طرف سے خود سلام کرتی ہیں یہ کہہ کر،

بہن دلہن آپ کو سلام کرتی ہے اور جو لکھنؤ کی طرف کی ہوئیں تو یوں کہہ دیا کہ

دلہن آپ کو آداب عرض کرتی ہے،

یہ کہا اور پھر اس عورت سے یوں سلسلۂ کلام جاری فرمادیا کہ ہاں بہن تمہیں بھی بہو مبارک ہو بے شک خدا کا احسان، اور آپ بہنوں کی دعا مجھ بدنصیب نے آج بیٹے کی بہو کو دیکھا،

کیا کہوں بہن ہیں نے اس شادی میں کیا کچھ کیا،

جو گھر سے روانہ ہوئے تو صرف اتنا کہنے میں آیا کہ وہ چلی مُلّا رموزی کی بارات،
رات بھر دُلہن کے گھر باجوں، رنڈیوں، قوالیوں، اور بے شمار جاہلانہ رسوم کا ہنگامہ رہا،
صبح جو ہوئی تو سُسر صاحب نے بھی خزانے کے دس بارہ مُنہ کھول دیئے، اب آنے دیجے
محلّے والوں اور بارات والوں کے سامنے، پلاؤ، زردہ، قورمہ، مزعفر، شیرمال، فیرنی،
کباب، بریان، بورانی، یا پھر میٹھے چاول، گوشت مانڈے، ورنہ بیٹی دی تو سب کچھ دیدیا،
رخصتی کے وقت جہیز میں برتنوں پہ برتن، کپڑوں پر کپڑے، صندوقوں پر صندوق، ہیں کہ
دیئے جارہے ہیں، وہ تو قاعدہ ہی نہیں ورنہ یہ دُلہن کے "باوا لوگ" تو مُلّا رموزیوں پر
مُلّا رموزی بھی جہیز میں دیتے چلے جائیں، اور نہ گھبرائیں، پھر لطف یہ کہ اتنا دینے پر بھی سُسر
صاحب باراتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتے ہیں کہ میں کسی لائق نہیں ہوں، جو کچھ مجھ
غریب سے ہوسکا وہ پیش کردیا، اس پر باراتی لوگ بھی ٹھنڈی سانس لیکر کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ
صاحب خوب دیا آپ نے اور پھر جب بیٹی دی تو اور کیا چاہیئے؟

اب جو یہ "نور نامے" اور "شہادت نامہ" تک کی تعلیم پائی ہوئی بیوی صاحبہ دولھا میاں کے
گھر آئیں تو ان پر دولھا میاں بھی صدقے، اور دولھا میاں کے والد صاحب بھی نثار، اور
سب سے زیادہ شُہرہ یہ کہ ماشاء اللہ "لڑکی پڑھی لکھی ہے"

اب کوئی ایک مہینے تک یہ بیوی نہ گھر کے کام سے ہاتھ لگائیگی، نہ کسی سے زور سے بات
کریگی، بس اب یہ ہوگی اور فرضی شرم و حجاب، جب دیکھئے کسی کونے میں "ریشم کی گٹھری"
بنی ہوئی بیٹھی ہے، اب اسے جس کام کی ضرورت ہوگی اُس کے لئے اس کی ساس اور

اس کی نند اس کی امداد کریگی، یہ ایک مہینے سے بھی زیادہ اپنے مُنہ پر اتنا لمبا گھونگھٹ کئے رہیگی یا لٹکائے رہیگی، یا ڈالے رہیگی، کہ اسے نہ پوری زمین نظر آئیگی، نہ آسمان، بس ایک جگہ بیٹھی رہیگی تو وہ بھی اس طرح کہ گھونگھٹ کے اندر سے شوہر کو دیکھتی جائیگی اور مُلّا رموزی صاحب کی بیوی کو بھی، اگر بات کریگی تو اس قدر بیمار لہجے کے ساتھ گویا کچھ دن سے وہ بات کرنا بھول گئی تھی، اب پھر سے بات کرنا شروع کر رہی ہے، یہ اکثر دولھا کے گھر کے بچوں کے ذریعہ گفتگو بھی کرتی ہے اور اُنھی سے کام بھی لیتی ہے، سُسر اور ساس کے سامنے یوں رہتی ہے جیسے ہم اور آپ انگریزوں اور دیسی افسروں کے سامنے،

اب جہاں یہ دولھا کے گھر آئی کہ پھر اس کے دیکھنے کے لئے اس محلّے کی، اس دولھا کے رشتے کی، اس کے دوستوں کی، غرض دنیا کی عورتیں جن سے تعارف کی رسم اس بیوی کی ساس صاحبہ یوں ادا کرتی ہیں کہ آنیوالی عورت کو دُلہن کی طرف سے خود سلام کرتی ہیں یہ کہہ کر،

بہن دُلہن آپ کو سلام کرتی ہے اور جو لکھنؤ کی طرف کی ہوئیں تو یوں کہہ دیا کہ

دُلہن آپ کو آداب عرض کرتی ہے،

یہ کہا اور پھر اس عورت سے یوں سلسلۂ کلام جاری فرمادیا کہ ہاں بہن تمھیں بھی بہو مبارک ہو بے شک خدا کا احسان، اور آپ بہنوں کی دعا مجھ بدنصیب نے آج بیٹے کی بہو کو دیکھا،

کیا کہوں بہن ہیں نے اس شادی میں کیا کچھ کیا،

بس کیا کہوں آپ سے مگر ہاں خدا دیکھنے والا ہے کہ میرا پورا بیس کم چار سو روپیہ خرچ ہو گیا،

خیر خدا بچے کے گھر کو آباد رکھے اور اُسے ہر بلا سے بچائے، زندہ رہا تو انشاءاللہ کما لے گا پھر،

بہن خدا کا بڑا فضل یہ ہوا کہ میری زندگی میں اُس کا گھر آباد ہو گیا، ورنہ آپ کو تو معلوم ہے کہ اُس سال میں کیسی سخت بیمار ہوئی تھی، اور کیا آپ کہہ سکتی تھیں کہ میں پھر سے زندگی پاؤں گی،؟ خدا کی قسم وہ دہلی والے حکیم صاحب تک جواب دے چلے تھے مگر اُس کی خدائی کے صدقے کہ اُس نے مجھے اس دن کے لئے بچا لیا اور ابھی تو میرا ارادہ نہیں تھا مگر وہ تو کہو کہ خدا کا حکم ہو چکا تھا،

دل میں ضرور تھی میرے کہ خدا جلد مُلّا رموزی کا گھر آباد کرے مگر کہیں کوئی خیال نہیں تھا

خیر جس گھرانے سے لائی ہوں اللہ کا شکر ہے اُسے شہر جانتا ہے کیسے شریف لوگ کہ سبحان اللہ میں کہتی ہوں نا آپ سے کہ اُن لوگوں نے میرے ساتھ کوئی شرط نہیں کی، اور میرے جاتے ہی کہدیا کہ "بوا" لڑکی بھی آپ کی ہے اور ہم بھی آپ کے اگر شربت کا آدھا گلاس بھی لیکر آؤ گی تو ہم اپنی بچی کو آپ کے حوالے کر دیں گے"

بس اُن کی اس شرافت پر میں نے مُلّا رموزی سے کہدیا کہ بٹیا اگر میری رضامندی چاہتے ہو تو اب چھوڑ دو وہ رئیسوں کی اولاد سے شادی کا خیال اور اسی جگہ کو قبول کر لو،

خدا اُس کی ہزار سال کی عمر کرے کہ اُس نے میرے اس کہے پر چوں بھی نہ کی اور اُلٹا یہ کہا کہ اماں جان اگر آپ فرمائیں تو میں بھنگی کی بیٹی تک سے راضی ہوں،
اب بہن اتنی اور آرزو ہے کہ خدا مُلّا رموزی کی اولاد اور دکھا دے،
اب جو یہ بیوی دو چار مہینے کے بعد حجابی زندگی سے باہر آئیں تو پھر خدا کی پناہ، کیونکہ آخر کار وہ بھی "رموز نامہ" پڑھ کر آئی ہیں، اس لئے اب صبح بھی ساس سے لڑائی اور شام بھی، کبھی نند سے اُلجھی ہوئی ہیں تو کبھی پھوپھی ساس سے، اور ہوتے ہوتے وہ لیجے وہ آج شوہر سے بھی چھڑ گئی، اور جوان حالات سے گزر کر صاحبِ اولاد ہو گئیں تو اب نہ وہ کوتوال صاحب کے اختیار کی نہ قاضی صاحب کے بس کی،
بچّے کی پیدائش سے پھر کوئی سوا تین مہینے تک وہ نزاکت وہ نزاکت کہ محلّہ بھر پریشان ادھر بچّہ پیدا ہوتے ہی آنے دیجے دُلہن کے ماں باپ کو، دُلہن کے چچا چچی کو، دُلہن کے نانا نانی، دُلہن کے خالو، خالہ، اور دُلہن کے ماموں ممانی کو، اور ہونے دیجے اب عقیقوں پر عقیقے، اور بسم اللہ پہ بسم اللہ، خدا جانے کتنی رسمیں ہونگی کہ ادا ہوتی ہی چلی جائیں گی اور شوہر بے چارہ ہوگا کہ آج ڈپٹی صاحب سے دس روپیہ قرض لا رہا ہے تو کل تھانیدار صاحب سے، مگر دولھا دُلہن کے ماں باپ مہوں گے کہ رسوم اور جاہلانہ تعاریب کا تار نہ توڑیں گے،
اور ۹۹ فی صدی تو ایسے طبقات کے تازہ شوہر اپنی پہلی ہی اولاد پر کچھ اس درجہ بھی بے اختیار ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کے نرم و گرم دیکھے ہوئے ماں باپ بھی ایک طرف اور ان

کے سرد و تر دیکھے ہوئے ساس سسر بھی ایک طرف، جب دیکھئے دوستوں کے بغیر اُن کے دریافت کئے ہوئے خود ہی کہہ رہے ہیں کہ کیا کہوں بھائی صاحب جب سے بچّہ پیدا ہوا ہے میری طبیعت ہی بدل گئی ہے،

واللہ اب دفتر میں میرا دل ہی نہیں لگتا،

سچ کہتے ہیں کہ اولاد بُری بلا ہے،

اب تو بھئی اُس کے عقیقے کی فکر ہے،

کیونکہ میں ہرگز اس معاملہ میں تاخیر کو مناسب نہیں سمجھتا،

خیر خدا مالک ہے، ڈھائی سو آدمیوں کے کھانے کا بندوبست تو کرلیا ہے،

ہاں ہاں بھئی کھلاؤں گا مٹھائی آپ کو بھی،

مگر ذرا دعا کیجے کہ وہ میری قرض کی جو درخواست کل ڈپٹی صاحب نے آگے بڑھائی ہے وہ منظور ہو جائے، کیونکہ وہ جمنا لال مہاجن نے تو عین وقت پر روپیہ دینے سے انکار کر دیا ہے، اور ویسے بھی میں قرض تو لے ہی نہیں سکتا،

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس مرتبہ بھی اُس لال کافر نے میرا اضافہ روک دیا تو اب جب تنخواہ چالیس سے پچاس نہیں ہوتی تو بتائیے کہ میں یہ نیا قرضہ کہاں سے ادا کر دوں گا، مگر بھئی آخر کار پہلا بچّہ ہے، اگر کچھ نہیں کرتے ہیں تو کل آپ ہی کہیں گے اور نام رکھیں گے،

ایمان سے آپ سے کہتا ہوں کہ ابھی شادی کے زمانے ہی کا قرض ادا نہیں ہوا ہے وہ تو کہئے کہ وہ مُلّا رموزی حد سے سوا شریف آدمی ہے کہ بے چارے کے سو روپیہ آج تک ادا

نہیں کر سکا مگر خدا کی قسم جب ملتا ہے مُنہ سے اُف نہیں کہتا اور اگر خود میں کبھی کہہ دیتا ہوں کہ مُلّا صاحب معاف کیجیے کہ میں ابھی تک آپ کا روپیہ نہ دے سکا تو قرآن کی قسم اُلٹا غریب شرمندہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ برادر مجھے آپ کیوں نادم کرتے ہیں،

میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی دوسرا مُلّا رموزی کی جگہ ہوتا تو اب تک کبھی کا عدالت کے ذریعہ وصول کر چکا ہوتا، خیر تو اب میں نے جمعہ کا دن عقیقہ کا رکھا ہے، کیوں ٹھیک ہے نا؟

کیوں بھئی اتوار کی چھٹی میں تو لوگوں کو ہزار کام ہوتے ہیں، ادھر جب سے یہ بے ایمان افسر ملا ہے، بس کیا کہیں کہ کس قسم کا خبیث انسان ہے اس سے تو وہ انگریز افسر ہی اچھا تھا، اماں کچھ دیسی افسروں میں یہ مرض ہی ہوتا ہے کہ جہاں خدا نے انھیں افسری کی کُرسی دی اور وہ پاجامے سے باہر ہوئے، حالانکہ بھائی صاحب قوم کے جُلاہے ہیں مگر ماتحتوں سے جس نخرے سے پیش آتے ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں،

خیر چولھے میں جانے دیجیے اب تو یہ فرمائیے کہ آپ ٹھیک چار بجے پہونچ جائیں گے عقیقے میں،؟ دیکھو بھئی تمہارا ہی بچہ ہے، اور اس کی پہلی تقریب ہے اور ہاں تو فرمایئے کہ وہ بھابی جان کو بھی بھیجئے گا یا نہیں؟ والدہ والدہ نے بہت اصرار سے فرمایا تھا اُن کے لئے،

بس اب ہونے دیجیے عقیقہ اور جاہلانہ رسوم کا آغاز، عقیقے کے دن یہ نورنامہ پڑھی ہوئی بیوی صاحبہ، از سرِ نو دُلہن کے کپڑے، دلہن کا زیور، اور دُلہن ایسے نخرے فرماتی ہیں، اور اپنے لاڈلے کو بڑی تمکنت سے سنبھالے پھرتی ہیں، محفل میں جو آتی ہے اُسے اپنے بچّے کو دیتی ہیں اور دبی زبان سے اُس کی نئی حرکتوں کی تعریف بھی کرتی جاتی ہیں،

غرض ان کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ اپنے شوہر تک کو نیلام فرما کر اپنی اولاد پر قربان کر دیں
اس کے بعد یوں تو خدا اولاد سبھی کو عطا فرماتا ہے، مگر اس کے ہاں کی اولاد کی مقدار
دوسرے تمام لکھے پڑھے طبقات سے زیادہ ہوتی ہے، اس لئے بس خدا اسے کسی محفل
کا اذن نہ پہونچائے۔

اماں غضب خدا کا کہ اگر محلّے میں کسی کے ہاں جمائی لینے اور انگڑائی لینے تک کی کوئی
چھوٹی موٹی تقریب ہے تو یہ جائیگی اور اگر کوئی بڑی تقریب ہے تب تو اس کی شرکت
کا قانون ہی نرالا ہوگا وہ شرکت سے کوئی ایک مہینہ پہلے اپنے شوہر سے کہنا شروع کر دیتی ہے

سُبحان اللہ کیا خوب فرمایا آپ نے، اچھا تو کیوں نہ جاؤں میں اُن کے ہاں؟

اور وہ جو میرے بچّے کی تقریب میں دو روپیہ خرچ کر گئی ہیں!

آخر دنیا میں جو بیٹھی ہوں تو مجھے بھی کسی کے احسان کا بدلہ "اُتارنا ہے"، کہ نہیں؟

اچھا تو اگر میری چیز مہاجن کے ہاں رکھ کر کچھ لاتے ہو تو پھر اس کے چھُڑانے کی کیا صورت
ہوگی؟

ہاں مگر مجھے تو اس لئے بھروسہ نہیں کہ وہ جو اُس مہینے کے دس روپیہ وکیل صاحب کی
بیوی کے دینا ہے مجھ کو،

کیا کہا؟

ماشاء اللہ،

اے ذرا سوچو ایسے غافل نہ بنو، اچھا وہ یاد ہے جب آپ اپنے مُلّا رموزی صاحب کے

کے ساتھ لاہور جارہے تھے اُس وقت میں نے کھڑکی میں سے جاکر "وکیلنی صاحب" سے لاکر دیئے تھے اور وہ آپ کے ہاتھ میں اُس وقت مُلّا رموزی صاحب کی کوئی کتاب بھی تھی، اور خود آپ ہی نے کہا تھا کہ جاؤ میرا نام لیکر "وکیلنی صاحبہ" سے لادو، میں لاہور سے آتے ہی دیدوں گا،

خیر اب کچھ بھی ہو مجھے تو اُن کی تقریب میں جاکر اُن کا بدلہ کرنا ہے، اب چلیے آپ میری چیز رکھ کر لائیں یا گھر بیچ دیں،

اور اچھا جب آپ میرے کنگن لے جارہے ہیں تو پھر میں پہن کر کیا جاؤں گی؟

خدا کی قسم مجھے تو اپنی اتنی پروا نہیں مگر یہ دیکھو یہ ننھے کے پاس نہ تو کوئی قمیص نئی ہے اور نہ ٹوپی، اور وہ رُقیہ کے پاس تو جیبھڑا بھی نہیں،

تو میرا کیا نام تو آپ ہی کا بدنام ہوگا،

اب اگر لادیئے اُن کے مُلّا رموزی صاحب نے دو چار نئے کپڑے تو پھر دیکھئے کہ ہر وقت بیوی صاحبہ دالان کے بیچ میں انھیں پھیلائے دن بھر یوں سی رہی ہیں کہ جو آتی ہے اُس سے نہایت بے پرو لہجے میں فرماتی ہیں،

کیا کہوں آپا میرے تو ہاتھ ٹوٹ گئے سیتے سیتے، ادھر گھر کا کام کروں کہ روزانہ ایک جوڑا سی کر تیار کروں،

ضرورت کیا اسے وہی مُلّا رموزی صاحب کے لڑکے کے عقیقے میں جانا ہے، اور اُن بے چاروں نے ایک مہینہ پہلے سے کہہ رکھا ہے اُن سے کہ دیکھو بھئی اگر تمہارے گھر کے لوگ

شریک نہ ہوئے میرے بچے کی تقریب میں تو پھر مجھ سے بُرا کوئی نہیں، اور حق یہ ہے کہ آپا مُلّا صاحب بھی میرے بچوں پر فدا ہیں، بے چارے جب آتے ہیں تو پہلے تمہارے اس شریبنے ہی کو آواز دیتے ہیں، ادھر ان کی بیوی ہیں کہ مجھے بہن کہہ کر بولی ہیں اور ایسی شریف ہیں بے چاری کہ میں نے تو اس عمر کی لڑکیوں میں ایسی ملنسار بیوی آج تک نہیں دیکھی،

تو اب وہ لوگ جب مجھے اتنا چاہتے ہیں تو آپ ہی بتائیے آپا بی کہ میں کس طرح اُن کی تقریب میں نہ جاؤں اور کوئی بہانہ کردوں، ؟

اب جو یہ آپ کے تقریب والے گھر میں داخل ہوگئی تو سمجھ لیجے کہ آپ کے گھر میں ایک "بجلی کا انجن" آگیا، کیا مجال جو اب اس کی زبان بند رہے یا یہ کسی جگہ چین سے بیٹھی رہے، جو سامنے آتا ہے اُس سے کچھ نہ کچھ کہہ گزرتی ہے، اور جو کام دیجے اُسے دوڑ دوڑ کر کرتی ہے، اگر کوئی کام نہ بتلائیے تو یہ خود آکر گھر کی عورتوں کے ہاتھ سے کام چھین لیگی، اسے دوسروں کے گھر جا کر کھانا پکانے کا مرض تو لاحق ہوتا ہی ہے مگر تقریب کے گھر میں وہ گانے اور کبھی کبھی ناچنے سے بھی نہیں چوکتی، بس جہاں محفل کی ایک آدھ بوڑھی عورت نے اس کے کسی کام کی تعریف کردی کہ اب یہ قابو میں کہاں، گود میں بچہ بھی دبا ہوا ہے مگر کام کر رہی ہے، موقع پاکر رنڈی کو بھی جھانک لیتی ہے، اب اس عرصہ میں اگر آپ اس کے ذاتی گھر میں اس کے شوہر کے پاس چلے جائیں تو ایسا معلوم ہوگا گویا اس کے گھر میں ڈاکہ ڈالا گیا ہے، ہر چیز بے ڈھنگی صورت سے پڑی ہوگی، جو برتن جس حال میں چھوڑ گئی ہے

وہ اسی طرح پڑا ہوگا، اب جو آپ پوچھیں گے تو اس کے شوہر صاحب بڑی بے پروا مزاجی کے ساتھ فرمائیں گے کہ بھئی تم خود ڈھونڈھ لو پاندان، خدا جانے وہ کدھر رکھ گئی ہیں، ؟ کہاں وہی بیش کار صاحب کے بچے کے عقیقے میں گئی ہیں،

اب شادی سے آئیں تو پھر وہی چولھا چکی،

مزاج کی کافی تیز، ایک حد تک سلیقہ مند، عیش پسند، حریص، مفلس، اولاد کی عاشق، مگر اصول پرورش سے کافی حد تک بے خبر، گھر کی بوڑھی عورتیں اس کے بچوں کی ڈاکٹر ہوتی ہیں، شوہر سے ڈرنے والی مگر ساس سے لڑنے والی، سسرال سے زیادہ میکے میں رہنے سے خوش،

ایسی بیوی سے "منشی جی قسم کے شوہر" ہمیں آپ کو دکھانے کے لئے کبھی کبھی کوئی چیز پرچہ لکھ کر طلب فرماتے ہیں تاکہ ہم آپ قائل ہوجائیں اور دل میں کہیں کہ اُفوہ ان ملا رموزی صاحب کی بیوی تو لکھی پڑھی بھی ہیں،

بیوی صاحبہ کو کبھی کبھی جو دوپہر کے وقت فرصت ملتی ہے تو کوئی گرد آلود "روزنامہ" جھاڑ کر پڑھنے بیٹھ جاتی ہیں، مگر اس طرح کہ خود ہی پڑھیں اور خود ہی سمجھیں مگر دیکھنے والا یہ دیکھ لے کہ ہاں بیوی کتاب بھی پڑھ لیتی ہیں، فقط،

عالم بیوی

لکھے پڑھے طبقے میں اس کا رُتبہ دوسرے نمبر کا ہے یعنی یہ "منشی بیوی" سے ایک گز آگے ہوتی ہے، پیدائش کے وقت اچھی خاصی بلکہ زیادہ اچھی خاصی دھوم دھام سے کام لیا جاتا ہے، پرورش کے معاملات میں اس پر کافی رقم خرچ کی جاتی ہے، عقیقے اور دوسری ابتدائی رسوم کے موقع پر مارے دھوم دھام کے محلّے کو سر پر اُٹھا لیا جاتا ہے، بہت زیادہ اہتمام اور "شاندار طریقوں" سے پرورش ہوتی ہے "شاندار طریقوں سے" مطلب یہ کہ اصل پرورش اور صحّت کے قاعدوں کی اتنی پابندی نہیں ہوتی جتنی کہ رسم اور نمود و نمائش کا اہتمام کیا جاتا ہے، مثلاً اس کی خدمت کے لئے ملازمہ تو رکھی جاتی ہے، مگر ملازمہ کے اندر یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ وہ اصولِ حفظِ صحت سے باضابطہ یا بے ضابطہ طور پر واقف ہے یا نہیں، بلکہ مقصد صرف بچّی کو کھلانے والی سے ہے خواہ وہ کتنی ہی غلط کار، میلی، اور جاہلِ محض ہو، اس کی ابتدائی تقاریب میں بھی تمام باتیں "شاندار" ہوتی ہیں، اور ہوشیار ہوتے ہی "تعلیم یافتہ" بنانے کا کام شروع ہو جاتا ہے، جس کے لئے یا کوئی مغلانی ملازم رکھی جاتی ہے یا پھر کوئی "کھوسٹ سے مولوی صاحب" لڑکی ہونے کے حجاب سے "مولوی صاحب

کا کھوسٹ ہونا" ضروری قرار دیا گیا ہے، مولوی صاحب یا مُغلانی بی خود اس کے گھر پر حاضر ہو کر ابتدائی کتابیں اور مذہبی امور کی تعلیم دیتے ہیں، چونکہ لڑکی ہوتی ہے ۱۹۳۱ء کی بنی ہوئی اور مولوی صاحب ۵۰۰۰ قبل مسیح کے زمانے کے بنائے ہوئے لہذا ایسیوں کی تعلیم جیسی ہو سکتی ہے ظاہر ہے، مولوی صاحب تشریف لائے کہ "لونڈیا" آن بان کے ساتھ کپڑے پہنے کتابیں دبائے کمرہ میں آئیں، بہت جُھک کر جو سلام کیا تو سب خوش ہو گئے، کہ ماشاء اللہ بچّی ہے بڑی تہذیب والی، والد صاحب نے دیکھا تو دل میں کہا کہ مولوی صاحب نہایت عمدہ پڑھانے والے ہیں، اب جو تعلیم شروع ہوئی تو اس سے کوئی بحث نہیں کہ مولوی صاحب لڑکی کے ذہن و دماغ کو پہچان کر اور اُس کی ذہنی استعداد کے موافق پڑھا رہے ہیں یا خود لڑکی سے پڑھ رہے ہیں،؟ البتہ پڑھانے کا شور اتنا ہوتا ہے کہ تمام محلّہ سُن لے کہ وہ دیکھو سلیمان خاں صاحب کی بچّی کو مُلّا رموزی صاحب پڑھا رہے ہیں پُرانے دستور تعلیم کے موافق مولوی صاحب نے چلا چلا کر بتانا شروع کیا اور لڑکی نے چلا کر پڑھنا شروع کر دیا، اگر پڑھانے سے پہلے مولوی صاحب کو اس گھر سے "چائے" پراٹھے، اور انڈے یا حلوا وغیرہ کھانے کو مل جاتا ہے تب تو خیر ورنہ درمیان میں جس جگہ اور جتنے منٹ تک مولوی صاحب چاہیں اونگھ سکتے ہیں، اور لڑکی پڑھتے پڑھتے رونا شروع کر سکتی ہے، دنیا مان چکی ہے کہ بچے کا مارتے مارتے جب تک سر نہ توڑ دیا جائے اُس کے اندر اُستاد کا خوف اور یاد کرنے کا جوش پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے کھوسٹ مولوی صاحب

اس لڑکی کو مارنے کے لئے اپنا لٹھ اور طمانچہ پورے جوش سے اُٹھاتے تو ہیں مگر لڑکی کے مالدار والد صاحب کے ڈر سے پھر رکھ دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناز و نخرے سے پلی ہوئی لڑکی جب چاہتی ہے چھٹانک ڈھائی چھٹانک رونا خرچ کر کے وقت سے پہلے چھٹی طلب کرتی ہے اور مولوی صاحب مارے خوف کے کہہ دیتے ہیں کہ

اچھا بھائی جا چھٹی ہے مگر دیکھ کل کو آموختہ بھی یاد سُن لوں،

اس قسم کی تعلیم کا سلسلہ رہتا ہے کوئی پانچ سات برس کی عمر تک اس کے بعد اسے اُسکول بھیجا جاتا ہے اور یہ اسکول میں تعلیم کے لئے جہاں پہلے دن گئی اور محلے میں تعریف شروع ہوئی کہ ماشاء اللہ بھئی لڑکیوں میں لڑکی ملاّ رموزی صاحب کی لڑکی، دیکھو تو کس محنت اور شوق سے اسکول پڑھنے جاتی ہے،

اب اسکول جانے کے بعد ماں باپ کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی لاحق ہوتی ہے کہ لڑکی کا لباس ہر حال میں اس لئے "قیمتی" اور "شاندار" رہے کہ وہ آخر کار اسکول میں پڑھتی ہے جہاں بڑے بڑے لوگوں کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں، اس لئے آجکل کے مروجہ کالے رنگ کے جوتے اور موزے ضرور دیئے جاتے ہیں، اب یہ لڑکی کی رضامندی پر موقوف ہے کہ وہ اسکول کا کام اپنے ماں باپ کو روزانہ دکھائے یا نہ دکھائے، کیونکہ والدین کو یہ اطمینان کافی ہے کہ "اسکول میں تو پڑھتی ہے"،

ظاہر ہے کہ تعلیم کا صحیح منشاء یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان اُن علوم کو مکمل طور پر حاصل کرے جنھیں وہ "تعلیم" کہتا ہے، اُس کے بعد اُن پر جتنا ہو سکے عمل کرے، یہ تعلیم کی اتنی صحیح

تعریف ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی، اور جب کوئی انسان اس تعریف کے بالکل موافق عمل کریگا اُسی وقت اُسے "تعلیم یافتہ" کہہ سکتے ہیں لیکن اس تعریف کے مقابل اس بے چاری کی تعلیم اور تعلیم کے بعد اس کی زندگی کا جو رنگ ہوتا ہے وہ ملاحظہ ہو اور ملاحظہ کیا ہو بس یہ ہے کہ اگر حد سے سوا لیاقت دکھائی تو یہ کہ یکایک خبر ملی کہ لڑکی کو اسکول سے اُٹھا لیا گیا اور اس لئے اُٹھا لیا گیا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اب اُس کی عمر پردے اور حجاب کے قابل ہو چکی، یا شادی کے قابل، یا ہندو ہونے کی وجہ سے اس لئے اُٹھالی گئی کہ اب اُس کے تعلیمی مصارف برداشت نہیں کئے جا سکتے، اور اٹھائی بھی گئی تو ساتویں جماعت سے، یا آٹھویں جماعت سے اور جب کسی صاحب نے اپنی تعلیمی عقلمندی سے حد سے سوا کام لے ہی لیا تو انٹرنس پاس کرا دیا اور اب خاندان تو خاندان شہر بھر کہتا پھرتا ہے کہ "سُبحان اللہ اُس لڑکی کا کیا کہنا وہ انٹرنس پاس ہے" مگر کوئی نہیں سمجھتا کہ انٹرنس پاس ہونے سے اگر آدمی تعلیم یافتہ ہو جاتا تو پھر یہ ایم، اے تک پڑھنے کے خبط میں لوگ کیوں مبتلا ہوتے، ؟

واضح ہو کہ اس طبقے کی تمام لڑکیاں ہی آٹھویں اور نویں جماعت سے تعلیم نہیں چھوڑ دیتی ہیں، مگر ہاں زیادہ تعداد ایسی ہوتی ہے جو آٹھویں جماعت ہی سے "فارغ الاسکول" ہو جاتی ہیں، اور ایسی ہی لڑکیوں سے ہم یہاں بحث کر رہے ہیں، اور انھی کا نام ہم نے "عالم ہوئی" رکھا ہے کیونکہ آٹھ دس سال تک درس گاہ کی زندگی سے اتنا احساس ضرور پیدا ہو جاتا ہے کہ "مَیں لکھی پڑھی ہوں"

ان کا ماحول اور مشاغل بھی کافی حد تک علمی ہوتے ہیں اور آس پاس کے لوگ لکھے پڑھے اس لئے آٹھویں جماعت سے "پسپائی"، کے بعد اب اس کے ذہن کا جو عالم ہوتا ہے وہ یہ کہ اسکول سے وہ اعلےٰ درجہ کا لباس، پمپ جوتے، موزے، رسٹ واچ،، اخبار نہیں تو ماہوار رسالوں کے مطالعہ کا شوق، اور کہیں کہیں مضمون نگاری کا حوصلہ لیکر آتی ہے، اور کچھ شک نہیں کہ وہ گھر میں بھی "کتب بینی" میں کبھی کبھی مصروف نظر آتی ہے، گو اس کا خط حد سے سوا بھونڈا اور غلط املا والا ہوتا ہے، مگر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ کسی کو چاہے اپنا مطلب لکھ کر بھی سمجھا سکے، اور اسی لئے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ "اب لڑکی ذات کے لئے اس سے سوا کیا چاہئے"، کوئی ملازمت تو اُس سے کرانا نہیں ہے،

اس کے بعد اس ادھورے پن کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ لڑکی صبح و شام اپنے کو ہر معاملے میں تعلیم یافتہ سمجھتی ہے، جہاں اس کے سامنے اس کی کوئی سہیلی آئی یا کوئی غیر عورت کہ اس نے فوراً اپنا لہجہ بدلا اور خواہ مخواہ اس سے لکھنؤ والیوں کی طرح واللہ چنانچہ کے ساتھ گفتگو شروع کر دیگی، ہر فقرے کو حد سے سوا بلیغ، ناقابلِ فہم، اور مشکل بنانے کی کوشش کریگی، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری گفتگو مصنوعی، غلط اور اتنی مہمل ہو جاتی ہے کہ گھر ہی کے مرد اس کی اس "بناوٹی گفتگو" پر دل ہی دل میں تاؤ کھاتے ہیں، مگر وہ غریب اپنی کم علمی کے باعث سمجھتی ہے کہ میں جس سے میں مخاطب ہوں وہ میری علمی لیاقت سے بہت زیادہ دب رہی ہے، اس قسم والی "کیلئے اس کے والد یا بھائی ایک دو رسالے بھی جاری کرا دیتے ہیں محض اس خیال سے کہ لڑکی کی علمی استعداد بڑھیگی، کچھ شک نہیں کہ رسالے پڑھنے سے اتنی تعلیم والی اور والا پڑھنے کی

تعداد بڑھا سکتا ہے، مگر مضامین کے علمی نکات سمجھنے کی اُس میں ہرگز صلاحیت نہیں ہوتی سی لئے تو زیادہ تعداد میں "فسانے" اور "ڈرامے" پڑھے جاتے ہیں یا پھر غزلیں، البتہ اتنی تعلیم والی لڑکیوں میں جن کا ذوق شائستہ اور تربیت مکمل ہے وہ رسالوں سے "امور خانہ داری" اور قورمہ پکانے کے نسخے نقل کرکے رکھتی جاتی ہیں اور موقع پا کر اُن کو استعمال کرتی ہیں،

اتنی تعلیم سے وہ تکیوں، غلافوں، ہاتھوں کے رومالوں، اور لفافوں پر عمدہ عمدہ پھول اور بیلیں بنانا سیکھ بھی جاتی ہے، اور ہاں وہ زمین پر رکھ کر سینے والی سنگر کمپنی کی آدھی مشین بھی چلا سکتی ہے، اور موزے وغیرہ پر بھی پھول کاڑھ لیتی ہے، اور ہاتھ کے ریشمی رومالوں پر مونام کاڑھ لینا، تو بہت زیادہ آجاتا ہے،

اس کی شادی میں "بہت زیادہ روشن خیالی" صرف ہوتی ہے، اسی لئے پیغامات میں کہیں کہیں لڑکے کی تصویر طلب کی جاتی ہے، مصارف کی استعداد بھی برابر کی ہوتی ہے، اس لئے بارات میں تمام دنیا کے الہ آبادوں کی جانکی بائیاں ناچتی ہوئی نظر آتی ہیں، باراتی بھی حد سے سوا سگریٹ نوش اور بوٹ پوش ہوتے ہیں، مگر رسوم میں جاہلانہ آداب کو کافی دخل رہتا ہے، اور بارات کے مرد کہتے یوں ہیں کہ،

کیا عرض کروں مُلّا صاحب میں تو ان رُسوم کو جہالت سمجھتا ہوں مگر یہ کمبخت عورتیں باز نہیں آتیں، مصارف کی کثرت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ رخصتی کے بعد چاہو تو دلہن کے والد کو چار آنے میں نیلام کردو اور چاہو تو دولہا کے والد کو، کیونکہ اس قسم کی اولاد کا ولیمہ اور

دعوت بغیر شامیانہ تانے اور باراتیوں سے انگریزی میں گفتگو کئے مکمّل سمجھی ہی نہیں جاتی، ایک ایک آدمی کے لئے ہر چیز میں "ڈبل حصّہ" استعمال ہوتا ہے، شادی کے پہلے ہی اذن کے لئے "نول کشور پریس" سے زیادہ عمدہ مطبع میں لفافے اور کارڈ چھپوائے جاتے ہیں مگر اذن کی عبارت پڑھ لئے تو وہی قاآنی کے زمانے کی جس کی پیشانی پر یہ شعر ضرور ہوگا کہ ؎

گر قدم رنجہ کنی جانب کاشانۂ ما،
رشک گلزار شود از قدمت خانۂ ما

بہت زیادہ "خوش ذوقی" فرمائی تو کوئی دوسرا شعر لکھ دیا، پورا اذن ہی سیماب اکبرآبادی صاحب سے اُجرت دیکر نظم میں لکھوالیا، لطف کی بات یہ ہے کہ ایسے مہمل لفافوں کو بڑے لطف کے ساتھ پڑھا بھی جاتا ہے اور مُلّا رموزی کو یہ کہہ کر سُنایا بھی جاتا ہے کہ مُلّا صاحب یہ کمال تو ملاحظہ ہو کہ پورا اذن نظم کر دیا گیا،

اس کی بارات میں "مسٹر قسم کے لوگ" زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے موٹر کا استعمال بھی زیادہ ہوتا ہے، تقریباً ۹۵ فیصدی باراتی انتہائی "مسٹری انداز میں" تشریف لاتے ہیں اور کیا کہیں کہ اس رات بھی بعض انگریزوں کی ٹوپی اوڑھ کر آتے ہیں اور منٹ منٹ پر تپلون کی جیب سے سیگریٹ کیس نکالتے ہیں،

اسی قسم کی بارات کے بعض دولہا بجائے گوٹے کناری کے کپڑوں کے نہایت "صوفیانہ لباس" پہن کر آتے ہیں، اور اکثر بے چارے ایم، اے پاس ہو کر بھی دولہا بنتے وقت گوٹے کا عمامہ اور رنگین کپڑے پہنتے ہیں، اور بات یوں بنا دیتے ہیں کہ "کیا کہوں مستورہ

والدہ صاحبہ نے میری ایک نہ سُنی" اس قسم کا دولھا روزانہ شائستہ اور مروجہ لباس میں نظر آتا ہے لہذا آج وہ دولھا کے لباس میں خاصا اُلّو نظر آتا ہے، اور اسے دیکھ کر مُلّا رموزی ایسے دماغ کے لوگ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں اسی لئے یہ بے چارہ بارات کی رات خاصا نادم اور پریشان رہتا ہے، غرض جملہ تقریبات میں حد سے سوا روپیہ برباد کیا جاتا ہے،

اور اس قسم کی بیوی کی خاص پہچان یہ ہے کہ اُس کے جہیز میں "مسہری" ضرور دی جاتی ہے اور رخصتی کے لئے زیادہ تعداد میں وہ لکھنؤ والے میر صاحب کی سواری والی فینس اور کہیں کہیں دلہن کے لئے بھی موٹر اور دولھا کے لئے بھی موٹر، اس کی بارات میں جتنے مُلّا رموزیوں کی بیویاں آتی ہیں وہ سب کی سب دس دس سیر وزن کا زیور پہن کر اور بغیر شلوار کے تو وہ کسی بارات کا نام تک نہیں لیتی ہیں،

اس کے اندر چونکہ آٹھویں جماعت کی تعلیم کی "چمک" ہوتی ہے لہذا شوہر کے ہاں یہ قدیم رُسوم کی ذرا کم پابند رہتی ہے، اُدھر دولھا میاں بھی "مسٹر" ہونے کی وجہ سے بزرگوں سے لیکر ان کی ایک ایک رسم کو "بے ہودہ" کہتے ہیں اس لئے شادی کے بعد والی رسوم میں بہت کافی کمی واقع ہو جاتی ہے، مگر ولیمہ ضرور ٹھاٹھ کا ہوتا ہے،

شادی کے بعد اس کے دماغ میں اپنے خاندان اور اسکول کے اثرات بہت زیادہ کام کرتے ہیں، یعنی خاندان کے ناز و نعم سے پالنے والے اور آزاد اور عیش پسند خیالات اور اسکول کے نیم تعلیمی تأثرات اسے اب نہ صحیح معنے کی بیوی ہونے دیتے نہ وہ بالکل خارج از "بیویت"، ہوتی اُدھر شوہر بھی کسی اسکول یا کالج کے "نیم" ہی ہوتے ہیں، اس لئے

نتیجے میں ابتدائی زمانے میں یہ دونوں خدا جانے کیا ہوتے ہیں اور جو کہیں خدانخواستہ دونوں ہوئے "قدرے اخبار ہیں" یا "رسالہ ہیں"، یا فقط "ناول ہیں"، تب تو ان دونوں سے مل ملا کر بالکل ہی عجیب قسم کے میاں بیوی پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ ان دونوں کا زور سب سے پہلے "زبانی بحث و مباحثے" پر صرف ہوتا ہے شوہر صاحب چاہتے ہیں کہ میں اپنی اس لکھی پڑھی بیوی پر اپنے فیشن اور اپنے سوٹ بوٹ کے فوائد اور اپنی "مساوات نوازی کی" دھاک بٹھا دوں، اور آٹھویں جماعت کی پڑھی ہوئی بیوی صاحبہ چاہتی ہیں کہ میں اپنے پمپ جوتے، شلوار، انگریزی تیل، کلائی کی گھڑی، موزے، تولیئے، صابون سے منہ دھونے، پاؤڈر لگانے، چائے پکانے کے قاعدوں سے ثابت کر دوں کہ میں دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہوں، اس لئے مجھے بیوی کے عوض "برابر کا دوست" کیوں نہ تسلیم کیا جائے

امور خانہ داری پر اگر کبھی گفتگو شروع ہو گئی تو ان میں کا ہر ایک یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ اپنے خاندان کے یہ پرانے اور "باسی بزرگ"، ہم "تازہ بزرگوں" کے امور خانہ داری کے کسی طرح بھی اہل نہیں، بیوی صاحبہ کوشش فرماتی ہیں کہ اپنی "اجل کھائی بوڑھی ساس"، کے ہاتھ سے گھر کا تمام انتظام چھین کر اپنے قبضہ میں کر لوں، اور پھر دکھا دوں کہ میں نے جو آٹھویں جماعت تک پڑھا ہے تو دیکھو گھر کا کس درجہ بہتر انتظام کر سکتی ہوں،

ایسی بیوی کی ابتدائی تو تیں اپنے اور شوہر کے کمرے کو حد سے سوا فیشن ایبل

طریقے سے سجانے پر صرف ہوتی ہیں، اسی طرح شوہر صاحب بھی شروع میں سنو پاوڈر، لونڈر، ریشمی رومال، چائے کے برتن، تولئے، نئے نئے صابن، اور تصویریں زیادہ خرید کر لاتے ہیں، گفتگو میں بھی "آپ" "جناب" اور "والد" چنانچہ کا بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے، گفتگو کے معمولی سے معمولی سلسلہ کے بالکل ہی شروع میں بڑے بڑے علمی حوالے، تاریخی واقعات، اور بے موقع فقرے اور جملے استعمال ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کو اپنی اپنی "علمی لیاقت" کے ثابت کرنے کا شوق ہوتا ہے اور یہی پہچان ہے ان دونوں کے ادھورا ہونے کی، جب دیکھئے دونوں میں مباحثہ ہو رہا ہے، معاملہ ہے چولھے چکی کا مگر حوالے دیئے جا رہے ہیں ملٹن شکسپیر اور ملا رموزی کی کتابوں اور باتوں کے، اور اسی لئے کبھی کبھی ان کے کمرہ میں "ہارمونیم باجہ" بھی بجتا ہوا سنائی دیتا ہے، ورنہ چوڑی کا باجہ تو ہر صورت میں موجود ہے اس بیوی کی ابتدائی "کارستانی" یا "کارگزاری" یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام قوت اپنی صورت اور لباس کو حسین بنانے پر صرف کرتی ہے، اس کے بعد ہر معمولی سے کام میں بادشاہوں کے برابر تکلف کرتی ہے، اگر اسے معلوم ہوجائے کہ شوہر سے ملاقات کے لئے ملا رموزی صاحب آئے ہیں تو پھر دیکھئے اس کے پان اور سگریٹ بھیجنے کے تکلفات، اسی طرح اگر اس کا تازہ شوہر کبھی چند خاص دوستوں کو مختصر سی دعوۃ دیدے تو پھر دیکھئے کھانا اور کھانا کھلانے میں اُس کے تکلفات، غرض وہ ہر صورت سے اس بات کی کوشش کریگی کہ میرے شوہر کے دوست مجھے اسکول کی تعلیم یافتہ بیوی تسلیم کرلیں، حالانکہ باہر

بیٹھے ہوئے دوست اُس کے انہی تکلفات سے اُسے "ادھورا،، ناتجربہ کار،، چھچورا اور بے وزن عورت سمجھ کر اس کا اس کے "شوہر سمیت،، مذاق اُڑاتے ہیں، کیونکہ ذی عقل اور باوقار بیوی کی تعریف یہ ہے کہ اُس کے ہر کام میں سادگی، وزن، بُردباری، اور فطری اصول موجود ہوں، یہ سلیقہ نہیں ہے کہ شوہر کے دوستوں کے لئے نئے نئے رنگ کے علیحدہ علیحدہ دس وضع کے گلاسوں میں شربت بھیجا جارہا ہے، یا شوہر کے پانوں کے ڈبّے کے کپڑے پر بیوی کے ہاتھ کا کشیدہ مع نام کے موجود ہے، جس سے سمجھا جائے کہ بیوی صاحبہ بڑی ہی صاحبِ کمال ہیں، چائے بھیجی جائے تو اتنے بھی اونچے تکلّف سے کہ عقلمند آدمی فوراً سمجھ جائے کہ بیوی صاحبہ اپنی مالداری کا اظہار فرما رہی ہیں، بالآخر چند دن کے بعد ساس سُسر کے انتقال فرما جانے پر اگر اسے گھر کا انتظام مل گیا تو سمجھ لیجے کہ اب وہ مارے جدید قاعدوں کے شوہر کو دیوالیہ بنا کر چھوڑیگی، جو کام کریگی حد سے سوا بناوٹ اور دکھاوے کا جو چیز خریدیگی حد سے سوا قیمت اور قسم اول کی،

اس کا صاحبِ اولاد ہونا سارے محلّے کے لئے مصیبت ہے اور شوہر کے لئے تو عذابِ الیم، بچّے کی پرورش جتنی غلط اس بیوی کے ہاتھوں ہوتی ہے دنیا کی کسی ایک بیوی سے اتنی غلط تربیت کی امید نہیں کی جا سکتی، چنانچہ ابھی بچہ سایہ ہی میں رکھنے کے قابل ہے کہ اُس نے شوہر سے اس کے لئے انگریزی ٹوپی بھی منگالی، اور انگریزی ٹوپا بھی، بلکہ اِس قسم کی بیوی کا بچہ عقیقے کے دن بھی انگریزی بچّوں ہی کے لباس میں نظر آتا ہے اور جو ذرا بڑا ہو گیا تب تو نہ پوچھئے اس کے بچّے کے انگریزی پن کا عالم، جو کپڑا پہنائیگی انگریزی بچّوں کا

وہی چھوٹے چھوٹے بوٹ، نصف پاجامہ، کوٹ، انگریزی ٹوپی، اور سر پر انگریزوں کے بال، اُن کے شوہر صاحب بھی اس کے لئے جو چیز لائیں گے وہ انگریزوں کی جو کھلونا لائیں گے وہ انگریزوں کا، یہ بچہ کھلانے سے لیکر گھر کے ہر کام میں ایک خادمہ چاہتی ہے، اور خود کو گھر کے ہر کام میں حد سے سوا "نازک" اور "مہین" ثابت کرتی ہے یہ ادنٰے سی بات پر بیمار ہو جاتی ہے اور گو کُنین مکچر کی تاثیر سے یکسر بے خبر ہوتی ہے، مگر ڈاکٹری علاج پر مرتی ہے، انشا پردازی کا زور دکھانے کے لئے بات بات پر پرچہ لکھتی ہے، "یہاں تک کہ "شوہر" تک کو عاشقانہ خط لکھتی ہے، ادھر ایف، اے قسم کے شوہر صاحب بیوی کے ایسے خطوط کا تذکرہ دوستوں میں بڑے فخر اور غرور سے فرماتے ہیں، گو بیوی کا غلط املا والاخط دوستوں کو نہیں دکھاتے، مگر اُس کے بعض جملے ضرور سناتے ہیں اور دوستوں کی داد کے بغیر اپنی بیوی کی علمی لیاقت کی خود ہی داد دیتے ہیں، بعض تو بات بات پر بیوی کا حوالہ دیتے جاتے ہیں،

اس بیوی کو کسی محفل کا اذن آجانا اس کے اور اس کے شوہر کے حق میں "قُرقی کے وارنٹ" کا کام کرتا ہے، جہاں اسے مُلّا رموزی کی شادی کا اذن آیا اور اب میاں بیوی اختیار سے باہر ہوئے، ایسی بیویوں کے بعض شوہر چاہتے ہیں کہ اس محفل میں میری ہی بیوی تمام بیویوں سے زیادہ تعلیم یافتہ نظر آئے، جس کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ دیسی عورتوں کی محفل میں پہن کر جانے والے لباس کو انگریز عورتوں کے لباس کا ہم پایہ بنایا جاتا ہے، ادھر بیوی صاحبہ ہیں کہ اب انواع و اقسام کی تیاریاں

میں مصروف ہیں۔ ایسی چھچھوری بیوی کی پہچان یہ ہے کہ وہ دیسی عورتوں کی محفل میں جب آتی ہے تو اس کے پاس بناؤ سنگھار کا ایک چھوٹا سا صندوق ہوتا ہے جسے انگریز لوگ "ہینڈ بکس" یا "اٹاچی کیس" کہتے ہیں اس میں انگریزی کنگھا، انگریزی صابون، پاؤڈر، اور آئینہ ہوتا ہے، اور ادھوری بیوی صاحبہ بات بات پر محفل میں اس صندوق کو کھولتی ہیں اور بے ضرورت سنگھار میں مصروف ہو کر دیسی عورتوں پر اپنے آٹھویں جماعت تک کی تعلیم یافتہ ہونے کا رعب ڈالتی ہیں، بعض اپنے ساتھ دو چار جوڑے کپڑے کے بھی لیجاتی ہیں، اور محفل میں ہر پانچ گھنٹے کے بعد نئے جوڑے میں سے ایک آدھ چیز بدل کر عورتوں کے سامنے آتی ہیں، اور بعض ایک ہی دن میں جوڑے پر جوڑا بدلتی رہتی ہیں، اور محفل کی بوڑھی اور تجربہ کار عورتیں اس کا خوب مذاق اڑاتی ہیں اور اسے اس کا "نادیدہ پن" اور "لونڈیا نہ حرکت" قرار دیتی ہیں، یہ محفل میں بڑے دبدبے سے تشریف لاتی ہیں اور ادنےٰ سے کام کے لئے بھی اپنی خادمہ کو یوں آواز دیتی ہیں کہ ساری محفل کی عورتیں دیکھ لیں کہ اُفوہ ان کے ساتھ ایک خادمہ بھی ہے یہ محفل کے کاموں میں کوئی حصہ نہیں لیتی، بلکہ ایک طرف گال سے ہاتھ لگائے یوں بیٹھی رہتی ہیں کہ دوسری عورتیں مان لیں کہ ہاں کسی بڑے آدمی کی بیوی ہیں، مگر رنڈی کا ناچ دیکھنے کے لئے اس کی تمام متانت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ہر ٹھڈ نگی بن کر گھر کے ہر دروازے سے رنڈی کو جھانکتی پھرتی ہے، ایسی محفلوں میں بعض اوقات اس کے شوہر صاحب باہر سے اسے پرچہ لکھ کر بھیجتے ہیں اور یہ عورتوں

کو دکھا دکھا کر اُس کا جواب لکھ کر خادمہ کے ذریعہ ارسال فرماتی ہیں، اور جو صاحبِ اولاد ہیں تو پھر محفل میں ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ عورتوں کو سُنا سُنا کر خادمہ سے کہتی رہتی ہیں کہ

دیکھ دیکھ اندھی تیرے ہاتھ کے نیچے میاں کا ہاتھ دبا ہوا ہے،

تو بے غیرت کبھی سنبھالا بھی ہے بچّوں کو تو نے ؟

لے جا ذرا باہر لے جا کر کھلا انھیں،

اور دیکھ اگر رُلایا ہے تو تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا،

لے یہ کھلونے تو لے اُن کے،

بس بس لیجا جلد، میں ذرا بہن سے باتیں کرتی ہوں،

اتنے فقرے ملازمہ سے محض محفل کو سُنانے اور دکھانے کے لئے کیے جائیں گے اور دل میں یہ جوش بھرا ہوگا کہ بجائے ملازمہ کو دینے کے بیٹے کو خود ہی لٹکائے پھروں، چنانچہ اس کے روتے ہی بڑے نخرے سے خادمہ سے لیا جائیگا، اور محفل کے ایسے رُخ بیٹھ کر اُسے دودھ پلائیں گی جہاں سے محفل کی تمام عورتیں آپ کو صاحبِ اولاد دیکھ لیں،

جو دودھ پلا کر فارغ ہوئیں تو تمام محفل کی شامت آگئی، جو عورت آپ سے مخاطب ہوتی ہے یا جو مخاطب بھی نہیں ہوتی اُسے بھی خود بخود مخاطب کرکے اپنے لاڈلے کے کرتب دکھائیں گی، اور اپنے سے زیادہ شوہر صاحب کے اس

سے عشق کو ظاہر فرمائیں گی،

سلام کرو بیٹے یہ تمہاری نانی اماں ہیں،

اور انھیں بھول گئے انھیں، ارے بے وقوف یہ تو تیری دادی جان ہوتی ہیں، اور انھیں تو پہچان یہ اپنی خالہ بی ہیں اُلو، ارے یہی تو تیرے لئے جوڑا لائی تھیں،

اچھا میاں ذرا خالہ بی کو ڈانٹ تو دو،

اور ذرا میاں آداب تو عرض کرلو،

اس قسم کی مذاق اُڑانے کے قابل قواعد پریڈ دکھا کر اب یہ والدہ صاحبہ اس لاڈلے کے حالات وخواص کی تفصیلات، اور اپنی اور اپنے شوہر کی اس لونڈے سے محبت کی داستان شروع فرمائیں گی اور انھیں یہ خیال ہرگز نہ ہوگا کہ سُننے والی عورت ان حالات کو پسند بھی کرتی ہے یا دل میں میرا مذاق اُڑا رہی ہے، بس وہ تو اپنے بیٹے کی تعریف میں اب "رواں دواں" رہیں گی،

بہن کیا کہوں تم سے کہ میں نے اس بچّے کے لئے کیسی کیسی تکالیف اُٹھائی ہیں، خدا عمر دراز کرے اس کی آپ دیکھئے کہ جب یہ تین مہینے کا پیٹ میں تھا تو مجھ اندھی کو ہوش تو رہا نہیں میں "اُن" کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر ٹھنڈی سڑک پر چلی گئی، وقت تھا سخت جاڑے کا بس مجھے کھانسی ہوگئی، اُسی وقت سے بس خدا جانے کیا اثر ہوا کہ پیدا ہوتے ہی اسے بھی جو کھانسی ہوئی ہے تو جانے کا نام نہیں لیتی، مگر خدا

"انھیں" بھی سلامت رکھے کہ اُنھوں نے بھی اس کے علاج کے لئے زمین آسمان ایک کر دیئے ہیں، کونسا حکیم ہے اور کونسا ڈاکٹر ہے جس کے پاس وہ ان میاں کو لیکر نہ گئے ہوں، اور جس کی ڈبل فیس نہ دی ہو اُنھوں نے، بس اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ اسے دہلی لے جاؤں گی اور جو کچھ بھی خرچ ہوگا وہاں خرچ کروں گی مگر اس کا مکمل علاج کراؤں گی، کیونکہ الحمدللہ روپیہ کی تو نہ مجھے پرواہ ہے نہ اُنھیں، خدا بچے کو آرام سے رکھے، کیونکہ بہن حق تو یہ ہے کہ مجھ سے سوا وہ اس بچے پر فدا ہیں چنانچہ اب جو میں یہاں آگئی ہوں تو بس دیکھ لینا کہ "وہ" اس کے لئے بے چین ہو رہے ہوں گے،

کیا مجال جو گھر میں اسے تنہا چھوڑ کر میں ایک منٹ تو علیحدہ ہو جاؤں بس گھر کو سر پر اُٹھالیں گے کہ دیکھو تم ہو بد احتیاط تمہارے علیحدہ ہونے سے خدانخواستہ میرے بچے کو کوئی نقصان پھونچ گیا تو، ؟

اور بہن کیا کہوں میں تم سے اس شریر کی حرکتوں کا حال، ؟

ماشاء اللہ جہاں صبح کی چڑیاں بولیں اور اس نے کھیلنا شروع کیا، بہن میں تو ہوتی ہوں اُس وقت غافل بس خدا اُنھیں میرے سر پر ہزار برس سلامت رکھے وہی اُٹھتے ہیں اور اسے لیمپ کے سامنے لیکر لیٹ جاتے ہیں مگر مجھ سے ایک حرف نہیں کہتے، اور صبح تک کھلاتے رہتے ہیں،

کہنے کو یہ ابھی پانچ مہینے دس دن کا ہے، کیونکہ یہ پیدا ہوا تھا وہ خالی کے مہینہ کی نو تاریخ کو

مگر ماشاءاللہ اتنا ذہین ہے کہ کتنا ہی چیخ رہا ہو مگر جہاں میری آواز سنی فوراً خاموش ہو جائے گا،

یہی حال اُس کی دادی اماں کا ہے،

بہن سچ یہ ہے کہ وہ بھی اس پر جان نثار کرتی ہیں،

گو اُن کی ضعیفی کا زمانہ ہے مگر رات بھر ہیں کہ اپنی گود سے علیحدہ نہیں کرتی ہیں،

غرض گھر بھر ان میاں پر قربان[1] ہے،

ایسی ہوتی ہیں جن کے شوہر صاحب کو انھیں کسی کلب کا ممبر بنانے کا خاصا شوق ہوتا ہے، اور یہی وہ ہوتی ہیں جن کے نام سے شوہر صاحب رسالوں میں مضامین اور غزلیں چھپوایا کرتے ہیں، اور جو شوہر صاحب ہوئے "خالص دفتری دماغ کے"، تو پھر اس غریب کا تمام "لکھا پڑھا پن"، یا خرچ ہوتا ہے کتب بینی میں، یا سودا سلف اور اس کی اجرت لکھنے میں، اس قسم کی بیویوں کی "ساسیں"، اکثر جاہل ہوتی ہیں اس لئے اس کی ساس سے اکثر "چلتی رہتی ہے"، محض اس وجہ سے کہ اس کے دماغ میں ایک حد تک "نیا پن" ہوتا ہے، اور معاملات کی حیثیت کو ساس سے بہتر سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے نتیجہ یہ کہ کبھی کبھی اس کی ساس "یوں ہو جاتی ہے"،

چلو رہنے دو بیوی،

دیکھ لیا میں نے تمہارا رنگ،

خوب گھر آباد کرو گی اپنے شوہر کا،

---

[1] چمن امرتسر سالنامہ بابتہ ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱۷ جلد ۱

چلو مجھے نہ سکھاؤ یہ تمہارے ایشن فیشن کے قاعدے،

مجھے یہ "ہڑدنگا پن" اچھا نہیں معلوم ہوتا،

اُس مہینے میں دیکھو تو بیوی نے سوا سو روپیہ اُٹھا دیا اور میں نے کچھ نہ کہا، اس مہینے میں دیکھو تو بیوی نے بے ضرورت وہ بیس روپیہ کے جوتے ہی منگاڈ لے،

ہاں ہاں بیوی ہمارے خاندان میں تو ایسا نہیں ہوتا،

اچھا تم امیر کی بیٹی ہو تو تمہیں مبارک، مگر ہم تو اپنے قاعدہ پر چلائیں گے تم کو،

بس تو آجانے دو آج تمہارے مُلّا رموزی صاحب کو، ہم فیصلہ کئے لیتے ہیں کہ یا اب اس گھر میں تم اپنی ان بانکی ترچھی بیوی کو رکھو یا ہمیں،

ہاں ہاں ہم تو تمہارا یہ کلب و لب جانا پسند نہیں کرتے،

ہمارے گھرانے کی بہو بیٹی تو الحمدللہ آج تک دروازہ پر نہیں دیکھی گئی،

وہ دیکھو نا وہ میاں سلونے اپنی بیوی صاحبہ کو "میم صاحب" بنا رکھا تھا آخر کیا حشر ہوا اُن کا

بس دُلہن خوفِ خدا سے ڈرو، بہت زیادہ غرور اچھا نہیں ہوتا،

مگر زبان ضرور چلائے جاؤ گی،

ہاں ہاں بیوی ہم تو اگلے وقتوں کی کھوسٹ ہیں، مگر تم تو ہو چودھویں صدی کی نیلم پری،

بس اپنے قاعدہ سے رہو، تم جانو تمہارا میاں جانے، مجھے کیا ان باتوں سے، تم ہو کہ مُفت مجھ سے اُلجھی جا رہی ہو،

اس قسم کی عالم بیوی میں مزاجی پختگی بہت کم پیدا ہوتی ہے، مگر امور خانہ داری میں بے حد

مستعد، صفائی پسند، خصوصًا فیشن کی چیزوں سے اپنے کمرے کو آراستہ رکھنے والی،
بے حد فضول خرچ، جاہلانہ رسوم سے ایک حد تک بچنے والی، شوہر سے محبت کرنیوالی
مگر تعلقات میں برابر کی طالب، موقع ملے تو تھیٹر اور سینما کے تماشہ کی شائق،
عمدہ کھانے پکانے والی، مگر گھی زیادہ خرچ کرنے والی،
اولاد کی تعلیم و تربیت میں کافی مستعد، خدا سے ڈرنے والی، زیادہ باتیں کرنیوالی،
صورت میں نہ سہی، مگر لباس میں نفاست، باقی خیریت، مقدار میں ایسی بیوی بھی ابھی
شاید ۳ فیصدی پیدا ہوئی ہے، فقط،



فاضل بیوی

یہ ہمیشہ نہایت مالدار گھرانے میں پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے جملہ اسباب ہر وقت فراہم رہتے ہیں، پورا گھرانا تعلیم یافتہ اور شائستہ ہوتا ہے، اس لئے اس کے خواص میں اعلےٰ درجہ کے اصول اور اثرات بہت کم کوشش کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں، البتہ سوال یہ ہے کہ اس کی تعلیمی فضیلت اُصولاً قابلِ اعتماد بھی ہوتی ہے، یا نہیں، سو اس وقت تک کے جتنے نمونے سامنے آئے ہیں اُن کے لحاظ سے صحیح معنے کی تعلیم یافتہ فاضل بیوی کی تعداد ایک فیصدی بھی نہیں ہے، البتہ نظری اعتبار سے اُس کے ساتھ موجودہ زمانے کی متمدن کی ہوئی تعلیم و تہذیب کی تمام علامتیں ہوتی ہیں مثلاً اس کی سب سے اونچی فضیلت یہی ہے کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اپنے آبائی اور ملکی لباس کو یکلخت ترک کرکے غیر قومی لباس اختیار کر لیتی ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اعلےٰ درجہ کے علمی اصول سیکھ کر بھی مزاج کی اس درجہ ضعیف ہوتی ہے کہ جس چیز کو انگریزی بہنیں استعمال کرتی ہیں یہ فوراً اُسے اختیار کر لیتی ہے، اگر یورپ کی عورتیں یورپ کے قاعدوں کے موافق کوئی کھیل کھیلتی ہیں تو یہ بےچاری ہندوستانی ہو کر بھی اُسی کھیل کو کھیلتی ہے، اور اسے اپنے تعلیم یافتہ ہونے کا ثبوت قرار دیتی ہے، حالانکہ علم کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے

بھی ملکی و قومی آداب وضوابط کی عزّت کرے، لیکن یہ جو ہندوستانی ہوکر یورپ کی عورتوں ایسی صورت بناتی ہے، اُس کا راز یہی ہے کہ علوم بھی یورپ ہی کے حاصل کرتی ہے، اس لئے اعمال و اثرات بھی وہی ہوتے ہیں،

فی الجملہ یہ ابتدائی تعلیم سے لیکر انتہائی تعلیم تک پوری مستعدی سے کام لیتی ہے، اور اچھے نمبروں سے پاس ہوکر کم تعداد میں وہ گھر میں آکر بیٹھ جاتی ہے اور زیادہ تعداد میں وہ ایسے کام کرتی ہے، جو مشہور ہوں،

اور کچھ شک نہیں کہ ان مشاغل سے اُس نے ہندوستان کی بے حس و حرکت عورتوں میں کام کرنے کی ایک اُمنگ پیدا کردی ہے، جو گو ابھی بہت کم محسوس ہوتی ہے لیکن نصف صدی بعد وہ بے حد طاقتور ہو جائیگی،

البتہ اس کی زندگی میں اگر کوئی قابلِ اعتراض بات ہے تو صرف یہ کہ اس کے تمام مشاغل یورپ کی عورتوں کی نقل ہوتے ہیں، ذاتی ایجاد و اختراع اور ملکی اُصول و آداب تعلید کی قوّت بے حد ضعیف ہے، مثلاً وہ جب تقریر کرتی ہے تو انگریزی زبان میں، اور کچھ لکھتی ہے تو انگریزی زبان میں اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی اُس کے اندر علمی پختگی اور تعلیمی وزن پیدا نہیں ہوا، البتہ کھوسٹ ہو جانے پر اُس میں کچھ سادگی پیدا ہو جاتی ہے، یہ دوسری عورتوں کو تعلیم یافتہ بنانے اور ترقی دینے کے لئے نہایت درجہ قابلِ تعریف کام کررہی ہے، اور کچھ شک نہیں کہ اس کی موجودہ رہنمائی ہندوستان کی "تاریخ بیداریٔ نسوان" میں نہایت درجہ عزّت و احترام کی جگہ پائیگی، بشرطیکہ وہ خالی میم صاحب نہ بنی رہے

اس کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ تمام "مردانہ مشاغل" اور مردانہ ذمہ داریوں میں" برابر سے حصہ لیتی ہے، مثلاً مُلّا رموزی صاحب مضمون لکھتے ہیں تو یہ بھی مضمون لکھتی ہے، مُلّا رموزی صاحب لاہور جاتے ہیں تو یہ بھی لاہور جاتی ہے، مُلّا رموزی صاحب جہاز پر سوار ہوتے ہیں تو یہ بھی جہاز پر سوار ہوتی ہے، مُلّا رموزی صاحب سینما کا تماشہ دیکھنے جاتے ہیں تو یہ بھی سینما کا تماشہ دیکھنے جاتی ہے، بس اگر فرق ہے تو یہ کہ مُلّا رموزی صاحب اگر حقہ پیتے ہیں تو یہ سگریٹ پیتی ہے، حقہ نہیں پیتی، مُلّا رموزی صاحب دولت مندوں کی ناقدردانی کے باعث اگر دن میں ایک جوڑا کپڑے کا بدلتے ہیں تو یہ مالدار ہونے کی وجہ سے دن میں سولہ جوڑے بدلتی ہے،

اس کی شادی میں جو روپیہ خرچ ہوتا ہے اُس سے ایک اوپر دس مُلّا رموزیوں کی شادیاں شادیاں ہو سکتی ہیں، اگر اُس کے نکاح میں مکہ معظمہ کے قاضی اور بنارس کے پنڈت بلائے جاتے ہیں تو بارات میں پیرس اور جرمنی کی رنڈیاں بھی نظر آتی ہیں، اسی طرح ولیمہ میں پلاؤ پر پلاؤ ہے کہ پک رہا ہے، اور پوریوں پر پوریاں ہیں کہ تیار ہو رہی ہیں، باجوں پر باجے ہیں کہ بج رہے ہیں اور روشنیوں پر روشنیاں ہیں کہ ہو رہی ہیں، باراتیوں کی کثرت کا یہ حال کہ تو بھی شریک تو میں بھی شریک تو وہ بھی شریک، اس کو بھی اذن اور اُس کو بھی اذن، مجھے بھی اذن، تجھے بھی اذن،

جہیز کی کثرت کا یہ حال کہ خزانہ بھی جہیز میں اور بینک بھی جہیز میں، زیور میں جواہرات بھی جہیز میں، تو نیلم و یاقوت بھی جہیز میں، اور آخر میں تو بھی جہیز میں اور میں بھی جہیز

میں، مگر کوئی نہیں کہتا کہ بیوی تم بھی تعلیم یافتہ، اور تعلیم یافتہ ہو کر یہ کیا کرتی ہو؟ البتہ اب کچھ دن سے اس کی شادی میں سادگی کا آغاز بھی نظر آنے لگا ہے مگر وہ سادگی بھی کیسی کہ جس کے سامنے دنیا کی تمام دھوم دھام شرمائے اور فضول خرچی جھک کر سلام کرے، اور ہاں اس تمام فضولی اور فضول خرچی پر اس کے جہیز میں کتب خانہ بھی دیا جاتا ہے، کہئے کیسی رہی،

باوصف اس فضیلت کے اس کی منگنی سے لیکر ولیمہ تک میں وہ تمام جاہلانہ رسوم ادا کی جاتی ہیں جو اس کے شہر اور اُس کی برادری کے جاہل طبقات میں رائج ہوتی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ہر رسم میں دولت کی کثرت کے باعث ذرا نظری شائستگی پیدا کر دی جاتی ہے، چنانچہ یہ رسم کی پیروی نہیں تو اور کیا ہے کہ اس کے ہاں کی ہر تقریب میں ہماری آپ کی تقاریب سے زیادہ باجے بجائے جاتے ہیں اور ہم سے آپ سے تو یہ آگے ہے اور لکھنؤ کی رنڈی ریل کا کرایہ تک لیکر آتی ہیں اور اس کے ہاں محض "انعام" کی امید ہے کہ ایک کے اوپر ایک رنڈی ہوتی ہے کہ چلی آتی ہے، اس کے گھر بارات کیا آتی ہے اچھا خاصا بادشاہوں کا جلوس آتا ہے، بارات میں اذن والے تو ہوتے ہی ہیں مگر جن راستوں سے اسکی بارات گزرتی ہے اُس پر مُنہ چھپائے ہوئے اچھے اچھے بیرسٹر لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اس راستے کے تمام دو منزل اور سہ منزل مکانوں کی کھڑکیوں سے ننھے میاں کی والدائیں صاف صاف اور کہیں کہیں دو کچھ کچھ جھانکتی رہتی ہیں"

اس کی بارات کے ہجوم میں اُن کے ہاں کے انتظام کرنے والے بعض بے اذن غنڈوں کو بید یا طمانچے سے مارتے بھی جاتے ہیں مگر غنڈے ہوتے ہیں کہ مارے تماشے کے شوق اور باغ بہاری لوٹنے کے جوش میں بارات میں تمام راستہ شریک رہتے ہیں، اکثر باراتی موٹروں میں بیٹھے ہوئے چلتے ہیں اور موٹر کے اندر سے دوسرے پا پیادہ باراتیوں کو اس انداز سے دیکھتے جاتے ہیں کہ دیکھو ہم موٹر میں جا رہے ہیں، اس کی بارات کے اذن کو ملّا رموزی صاحب کے سوا دنیا کا ہر آدمی اپنی اور اپنے خاندان کی عزت سمجھتا ہے، مگر دولھا اور دُلہن کے والد صاحب ان باراتیوں سے اتنا بھی نہیں کہتے کہ "آپ کا شکریہ کہ آپ اپنے ذاتی اور قیمتی لباس کو پہنکر میری اولاد کی تقریب میں شریک ہوئے بلکہ اُلٹا قاعدہ یہ ہے کہ دولھا اور دولہن کے دولت مند والد صاحب پانچ سیر وزن کا مُنہ بنائے ہوئے کسی کُرسی پر بیٹھے رہتے ہیں اور باراتی انھیں جھک جھک کر سلام کرتے ہیں، بس باراتیوں کو بڑی خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ "ہمیں اذن تو آیا تھا" شامیانوں کے نیچے بڑے ادب سے بیٹھے اور رنڈیوں اور بھانڈوں نے ہنگامہ شروع کیا، گو آپ رنڈی کے ناچ اور گانے میں محو ہوتے ہیں مگر ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں دولھا میاں یا دلہن کے والد صاحب تو تشریف نہیں لا رہے، اور اگر ان والدوں میں سے کوئی ایک والد بھی اس رنڈی کے جلسہ میں آگئے تو تمام باراتی نوکروں اور خادموں کی طرح تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور رنڈی نے بھی زمین سے ہاتھ لگا کر انہیں آداب عرض کیا، اب آپ کی مجال نہیں جو ان والد صاحب کی موجودگی میں آپ کسی نمایاں

تکیے سے کہنی لگا کر اور اکڑ کر بیٹھ سکیں اور نہ آپ رنڈی سے بطریق داد کہہ سکتے ہیں

کہ کیا کہنا ہے مُنّی جان،

سبحان اللہ ذرا پھر کہنا اس شعر کو،

بھئی واللہ سُنّا ذرا مُلّا رموزی صاحب کس قیامت کا شعر کہہ رہی ہے،

آخر ہے نا حضرت خسرو کا کلام،

اور بھئی حق یہ ہے کہ اس غزل کا کہنا بھی مُنّی جان ہی کا کام ہے،

اور نہ غنڈے سے چلا کر کہہ سکتے،

ہائے رے مار ڈالا،

کیا ناچ رہی ہو پیاری،

واہ واسانپ بل کھا رہا ہے،

ذرا ادھر تو آؤ،

یہ منگل خاں دادا کو تو سلام کر لو، اُدھر کیا ناچ رہی ہو،

لو یہ لو روپیہ، ادھر تو دیکھو وہ قادر بھیّا بھی روپیہ دے رہے ہیں،

ہاں صاحب آگرے والی ہے آگرے والی،

ارے ادھر تو آواز ہی نہیں آتی،

ذرا وہ تو سناؤ وہ سے میرے مولیٰ بُلا لے مدینے مجھے،

غرض جب تک دولھا اور دُلہن کے والد صاحب محفل میں بیٹھے رہتے ہیں، نہ رنڈی بے تکلف

ہو کر گا تی نہ باراتی چلّا کر داد دے سکتے،

یہی حال اندر عورتوں کا ہوتا ہے، گو کہنے کو اندر بھی پیشہ ور عورتیں گا تی رہتی ہیں مگر اس درجہ بد حواسی کے ساتھ کہ کہیں دولھا میاں، یا دلہن کی والدہ صاحبہ ناراض نہ ہو جائیں البتہ جب کسی وقت دولھا کے والد یا دُلہن کے والد یا والدہ کسی سے پوپلا مذاق فرماتی ہیں تو اُس وقت دوسرے باراتیوں کو خوش ہو لینے کی ہمت ہوتی ہے مگر یہ مذاق اور باہمی چھیڑ چھاڑ چند منٹ کے لئے ہوتی ہے اور پھر دولت مندی کا نخرہ شروع ہو جاتا ہے، باراتی عورتیں ایسی محفل میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے رونے اور چلّانے سے ڈرتی رہتی ہیں، یہ اپنے ہاں کی باراتوں کی طرح نہیں کہ بیچ محفل ہی میں بیٹھی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہیں، اور پیشاب بھی کرا رہی ہیں، آپس میں لڑتی بھی جاتی ہیں اور گاتی بھی جاتی ہیں، البتہ جب اس محفل کی بڑی بڑی عورتیں آپس میں مذاق شروع کرتی ہیں تب اس محفل کی چھوٹی چھوٹی عورتوں کو ہنس کر بات کرنے کا موقع ملتا ہے، مگر ان بڑی عورتوں سے پھر بھی چھوٹی عورتوں کو مذاق کا حوصلہ نہیں ہوتا،

عام طور پر رخصتی کے وقت غریبوں میں لڑکی کے ماں باپ چلّا چلّا کر بھی روتے ہیں اور آہستہ بھی، اور بار بار دولھا کو بُلا کر کہتے ہیں کہ دیکھو بیٹے ہم نے تمہیں اپنا خونِ جگر دیا ہے اسے پیار سے رکھنا، اس کی بُرائیوں پر نہ جانا،

خدا کے حوالے کیا،

اللہ تمہیں آپس میں محبت دے،

ابھی نادان ہے اس کی باتوں پر نہ جانا، وغیرہ،

مگر اس کے ہاں تعلیم کے اثر سے اس قسم کا معاملہ نظر نہیں آتا، صرف والدہ صاحبہ عام عورتوں کی نظر بچا کر ذرا آبدیدہ ہو جاتی ہیں، مگر والد صاحب مسکراتے ہی رہتے ہیں،

دلیمے کے دن باوصف تعلیم یافتہ ہونے کے پلاؤ بھی حاضر ہے اور مزعفر بھی، کباب بھی، اور بریان بھی، ڈبل روٹی بھی، اور توس اور مکھن بھی، اور یہ اس لئے کہ "ماحضر تناول فرمانے والوں میں" کہیں کہیں انگریز بھائی بھی مع اپنے ننھے میاں کی والدہ کے ٹوپی اُتارے ڈٹے رہتے ہیں، اور لیڈر لوگ تو ایسے ولیمے میں پولیس کے روکنے سے بھی باز نہیں رہتے، البتہ کہیں کہیں اتنی سادگی نظر آنے لگی ہے، کہ ولیمے کے دام کسی یتیم خانے اور انجمن میں بھیج دیئے جاتے ہیں، سو وہ بھی یہ اپنے گاندھی کے رو رو کر سمجھانے سے اور رضاکاروں کے "پکٹنگ سے" پھر بھی اس سادگی کے ہوتے ہوئے ہزاروں کی تعداد ہی میں روپیہ برباد کیا جاتا ہے، مگر مُلّا رموزی صاحب کو ان کی کتابیں چھپوانے کے لئے کچھ نہیں دیا جاتا، جس سے دنیائے علم وادب میں اُن کا نام زندہ رہے، اور کتب خانوں میں دجال کے خروج تک محفوظ رہے،

علمی شائستگی کے باعث چونکہ گھر کے عام حالات منتظم ہوتے ہیں، اور دولت کافی اس لئے اس کی اور ساس کی لڑائی نہیں ہوتی، اور ہوئی بھی تو یا تحریریں یا نہایت مختصر، وہ تو اپنے ہاں کی ساس بہو ہوتی ہیں کہ ساس کے پاؤں دبائے تو بہو، ساس کا بستر درست کرے تو بہو اور گھر بھر کے لئے روٹی پکائے تو بہو، مگر یہاں جو کچھ کرتا ہے خادم یا

خادمہ، اسی لئے اس قسم کے گھروں میں پیا نو باجہ بجتا ہوا سُنائی دیتا ہے، اور شام کے وقت دولھا ٹھنڈی سڑک پر، دُلہن اور ساس بھی ٹھنڈی سڑک پر اور سسر بھی، اس قسم کے گھر میں اگر خدانخواستہ لڑکا پیدا ہو جائے تو سمجھ لیجے کہ اب تک اگر قیامت نہ ہوئی تھی تو اب ہو کر رہیگی، جہاں میلاد شریف کا اعلان ہوا کہ سب سے پہلے شاعروں پر مصیبت آئی، اب تو بھی قصیدہ کہہ رہا ہے اور میں بھی، یہ بھی قصیدہ کہہ رہا ہے اور وہ بھی، اخبارات ہیں کہ وہ مبارک بادیں چھاپ رہے ہیں، کہ نہ دیکھی نہ سُنی، گھر میں ہے کہ جشن بپا ہے، اسے بھی انعام اُسے بھی انعام، مجھے بھی انعام تو تجھے بھی انعام، جوڑے پر جوڑا ہے کہ آرہا ہے، اور بلجے پر باجہ ہے کہ بج رہا ہے، مولویوں اور پنڈتوں سے ہیں کہ فالیں نکلوائی جارہی ہیں اور نام یہ ہے کہ تمام خاندان اعلےٰ تعلیم یافتہ ہے، ابھی بچّہ گہوارے ہی میں ہے کہ ڈاکٹری علاج شروع ہو گیا، جہاں اس نے غیر معمولی انگڑائی لی کہ جرمنی تک کے ڈاکٹر بھاگے چلے آرہے ہیں، بیوی کی نبض بھی دیکھی جارہی ہے اور بچّے کے بھی آنے لگائے جارہے ہیں، اور والد صاحب کے تو اگر دس اپریشن کردئے جائیں تو غم نہیں، اس لئے کہ خدا نے اُنھیں "اولادِ نرینہ" جو عطا فرما دی ہے،

اس قسم کے بچّے کی پرورش اور تربیت اس درجہ شان اور اہتمام سے شروع ہوتی ہے، کہ اگر اس ایک کے انتظام سے مُلّا رموزی صاحب کے دس بچّوں کی پرورش اور تربیت کی جائے تب بھی کچھ روپیہ فاضل ہی بچ جائے، مگر اس قدر اہم پرورش

اور تربیت میں چونکہ عام انسانی قاعدوں سے اونچا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی لئے ایسی اولاد تعلیم یافتہ ہو کر بھی عام انسانی خواص اور ضروریات سے کما حقہٗ، واقف نہیں ہوتی، بس ہاں اعلےٰ درجے کے ریشمی قمیص چُست پاجامے، کوٹ، ٹائی، کالر اور بوٹ پہننے میں طاق نکلتی ہے، اور نام یہ ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ ماں باپ کے تعلیم یافتہ بیٹے جرمنی سے پاس ہو کر آرہے ہیں، اس لئے چلو بمبئی تک استقبال کرنے، اس قسم کی بیوی کا یہ حال بڑھاپے میں بدل جاتا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ وہ بڑھاپے سے قریب ہوتے وقت بعض کام اتنے بھی بلند قابلِ احترام اور حیرت انگیز کر گزرتی ہے کہ باید شاید، بشرطیکہ وہ اخبار بھی پڑھتی رہتی ہو، خصوصًا قومی کاموں میں اس کا چندہ اس کے مضامین اور اس کی تقریریں حد سے سوا مفید اور یادگار احترام کی مستحق ہوتی ہیں، مگر ایسی تعداد ابھی ایک فیصدی بھی اس لئے پیدا نہیں ہوئی ہے، کہ ہندوستان کی کُل آبادی ۳۵ کروڑ سے بھی اونچی ہے،

اس کے وجود سے ہندوستانی عورتوں میں انگریزی تہذیب، انگریزی لباس انگریزی زیور، انگریزی تفریح، انگریزی علاج، انگریزی کھانوں، اور انگریزی زبان نے کافی سے زیادہ رواج پایا ہے، کیونکہ شروع ہی سے تعلیم نام رکھا گیا ہے انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا، اسی لئے تو یہ ہمارے آپ کے ننھے میاں کی والدائیں اگر فارسی یا عربی زبان میں تمام دنیا کے سقراطوں، بقراطوں اور افلاطون کے علوم پڑھ کر رکھ دیں تب بھی انھیں کوئی تعلیم یافتہ کہنے کو

تیار نہیں، غرض اس کے لباس، اس کے جسم اور اس کے گھر کی ایک چیز سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ ہندوستان کی بنی ہوئی بیوی ہے، حالانکہ تعلیم مگر صحیح تعلیم کا اثر ہونا چاہیئے کہ تعلیم یافتہ انسان" اور انسانی" اپنے ملک اور اپنے قومی آداب وعادات کی عزت کرے، دیکھو نا یہ آخر یورپ کی اعلےٰ تعلیم یافتہ بیویوں کو یہ ایک دن بھی آپ کے ہندوستان کی پشواز کو ہاتھ نہیں لگاتیں، فی الجملہ یہ تمام کمزوریاں اس لئے زیادہ اعتراض کے قابل نہیں کہ ابھی اس قسم کی بیوی کی تعلیم کا یہ شروع زمانہ ہے، اس لئے پختگی آنے پر یہ حد سے سوا احترام کی اس لئے مستحق ہو جائیگی کہ دولت مند کی بیٹی ہونے پر اُس نے تعلیم تو پائی اور برسوں سبق یاد کرنے کی مصیبت تو برداشت کی،

یہ اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے، اس لئے کہ اُسے دن رات بیٹھے بیٹھے خالی محبت کرنے کے سوا چکی تھوڑا ہی چلانی پڑتی ہے، اس کے ذمہ کا تمام کام جب اس کے خادم اور خادمہ کر لیتے ہیں تو یہ محبت کے سوا کیا کرے، البتہ وہ قومی کاموں سے دلچسپی لینے کے بعد بہت زیادہ کام کرتی ہے،

منتظم، اولوالعزم، فیاض، ہمدرد، مصائب کے اندر نہایت جری، ذی حوصلہ، اور شوہر پر جان تک قربان کرنیوالی حسین وجمیل نفیس نازک، صرف فرصت کے اوقات میں سینما کا تماشہ دیکھنے کی شائق، اولاد کی تربیت، اور اعلیٰ تعلیم پر حریص، جاہلانہ رسوم سے کافی حد تک بیزار، بس جیسی ہمارے ننھے میاں کی والدائیں، فقط،

۳۹۳

خفیہ بیوی

یہ بیوی ہندوستان کی حیاۃ اجتماعی، ان کی دولت، ان کے اخلاق اور ان کے بین الاقوامی وقار اور اعزاز کے لئے نہایت درجہ ذلّت انگیز، اور برباد کرنے والی ہے، یہ ماں باپ سے پیدا ہونے کے بعد جن مقامات اور جن حالات سے بیوی بنتی ہے وہ یہ ہیں،

مکانات کے برآمدے، کوٹھے، اٹاریاں، ٹھنڈی سڑک، پارک، اسکول آتے جاتے خطوط، ناول، تھیٹر، سینما، غزلوں، ادبی رسالوں کے افسانوں، پھر افلاس، ماں باپ کی دولت مندی سے آزادی، اور کبھی کبھی طبعی افتاد، اور لالچ سے،

اس کا شوہر بھی بدترین اخلاق اور ذلیل ترذہنیت کا انسان ہوتا ہے، اسی لئے وہ اس بیوی کے لئے حقوق شکنی، قانون شکنی اور مذہب شکنی تک پر آمادہ ہو کر چوری سعینہ زوری، اغواء، قتل عمد، اقدام قتل، اور کبھی کبھی "قتل عام" سے بھی باز نہیں رہتا، اور "رات کے وقت لے بھاگنے کی مشق" تو بہت خاصی ہوتی ہے، اور اسی لئے یہ سب سے پہلے خاندان پھر محلے اور پھر پولیس والوں کے لئے مصیبت بن جاتا ہے اور مصیبت بن جاتی ہے،

زیادہ مقدار میں اس کا شوہر کنوارا نہیں بلکہ بیوی والا ہوتا ہے، یہ بغیر منگنی کے ایک دم

پوری بیوی بن جاتی ہے، اس کے باضابطہ نکاح میں صرف مُلّا رموزی اور اس کے شوہر کا ایک دوست شریک ہو سکتا ہے، تاکہ قانوناً "دو گواہ" کہے جا سکیں، نکاح سے پہلے یہ اور اس کا شوہر جس درجہ مشکلات اور جانی اور مالی مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے، نکاح کے بعد یہ مصیبتیں حد سے گزر جاتی ہیں، اب یہ شوہر گھر کا رہتا نہ گھاٹ کا، چنانچہ سب سے پہلا عذاب جو اس کے شوہر پر مسلط ہوتا ہے وہ یہ کہ اب یہ اس بے حیا بیوی کے لئے اپنے محلّے سے دور ایک مکان کرایہ پر لیتا ہے اور اس گھر میں عام انسانی ضروریات کے اوزار عرف سامان، فراہم کرتا ہے، ایک ڈیڑھ ملازم یا ملازمہ رکھتا ہے، دن بھر اس گھر سے غائب رہتا ہے، مگر اس کا دل اسی گھر کے دروازے پر پڑا رہتا ہے اس ڈر سے کہ "کہیں موقع پا کر بھاگ نہ جائے"، وہ نوکری کرتا ہے مگر دماغ اسی اُلجھن سے تباہ ہوتا رہتا ہے، کہ "کہیں بھاگ نہ جائے"، وہ رات کو اس گھر میں آتا ہے مگر اس طرح کہ ہر قدم پر ڈرتا ہے، لرزتا ہے، کانپتا ہے، جھجکتا ہے کہ کہیں محلّے والے مارے جوتوں کے میرا سر پراٹھا نہ کر دیں، کہیں مُلّا رموزی صاحب کو خبر نہ ہو جائے کہیں پولیس والے میرا تعاقب نہ کر رہے ہوں،

یہی حال اس بیوی کا ہوتا ہے، کہ وہ دن بھر شوہر سے جدا رہنے اور تنہائی کے اوقات میں ادنےٰ سی آواز اور حرکت سے کانپ جاتی ہے، کہ کہیں میرے والد کو میرا پتہ نہ چل گیا ہو، کہیں بھائی نہ آگیا ہو کہیں پولیس والے نہ آگئے ہوں، اور کہیں مُلّا رموزی صاحب نے میرے والد سے جا کر نہ کہہ دیا ہو کہ وہ تمہاری بیٹی فلاں گھر میں موجود ہے، ان خطرات

کے بعد وہ تنہائی میں اس الجھن سے گھٹتی رہتی ہے، کہ

ہے شیطان تو نے کیسی میری مٹی پلید کی،

مجھے موت کیوں نہ آگئی کہ میں نے اپنے خاندان کی آبرو اس کمبخت مُلّا رموزی کیلئے برباد کردی

اور اب یہ مُلّا رموزی یقیناً میرا ساتھ چھوڑ دیگا، لعنت ہے میرے اوپر،

اے خدا تو اب مجھے موت دیدے،

اور اے خدا تو اس مُلّا رموزی کو غارت کردے جس نے مجھے میرے گھر سے نکالا

اور اب مجھے پوچھتا نہیں اور اپنے بیوی بچے میں خوش ہے، یا کبھی تھا کہ میری

خوشامدیں کرتا پھرتا تھا،

اچھا تو اب مجھے یہاں سے بھی بھاگ جانا چاہئے،

نہیں نہیں میں بڑے گھرانے کی بیٹی ہوں اس لئے مجھے خموشی سے زہر کھاکر مرجانا چاہئے،

ان دونوں کو اس عذاب میں مبتلا سنکر اس کے شوہر کی پہلی بیوی جو دعا کرتی رہتی ہے

وہ یوں ہوتی ہے کہ

اے خدا تو اُس بدذات سے میرے شوہر کو بچا،

اے خدا تو اُس بے حیا کو موت دے،

اے خدا تو اُس پر اپنا قہر نازل فرما جس نے میرے شوہر کو مجھ سے اور میری اولاد سے

جُدا کیا،

عین اسی حالت میں اگر سابق بیوی کے پاس کوئی عورت چلی جائے تو اُس سے یہ بیوی

جو گفتگو کرتی ہے وہ یوں ہوتی ہے کہ،

آہ بہن کیا کہوں تم سے کہ کیوں بیمار ہو رہی ہوں،

اور بیمار کیسی بہن اب تو دعا کرو کہ خدا مجھ کمبخت کو جلد ایمان سے اُٹھا لے،

تو کیا تمہیں خبر نہیں بہن کہ وہ یعنی (شوہر) کب سے مجھ سے علیحدہ ہو چکے ہیں،

آہ بہن آج پورے تین سال ہوتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک خفیہ نکاح کر لیا ہے اور مجھ دُکھیاری کی صورت سے بیزار ہیں، وہ تو یہ بچّوں کا واسطہ اور کچھ اپنے باپ کا ڈر ہے کہ دن میں گھنٹے سوا گھنٹے کو آجاتے ہیں، سو ایسے بدحواس کہ بات کرو کہیں کی اور جواب ملے کہیں کا، اور مجھ سے تو وہ اُسی وقت سے بات چیت بند کر چکے ہیں جب سے وہ پری اُن کے نکاح میں آئی ہیں،

کون؟

اے بہن وہی جو تمہارے مکان کے سامنے والے پکّے مکان میں رہتے ہیں اُن کی منجھلی بیٹی،

ہاں رہنے والی تو یہاں کی نہیں مگر اُس کے ماں باپ کو آئے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا،

خیر بہن میں تو اب چلی قبر میں مگر غم ہے تو ان بے قصور بچّوں کا کیونکہ وہ تو اپنے ہوش میں نہیں ہیں، اور خدا کی قسم بہن اگر تم آج کل اُن کا چہرہ دیکھو گی تو کبھی نہ پہچانو گی کہ یہ مُلّا رموزی ہیں تو وہ تو دن رات اُسی غم میں گُھلے جا رہے ہیں،

اے خدا تمہیں اجر دیگا بہن اگر تم مُلّا رموزی صاحب سے مجھے کوئی تعویذ لا دو گی،

مگر بہن آج کل تو نہ کوئی تعویذ کام دیتا نہ میری دعا ہی قبول ہوتی،

خیر تمہارا کہنا بھی پورا کرتی ہوں، خُدا اسی سے اُنھیں راہ راست پر لے آئے،
تو لو یہ پانچ روپیہ، اور اللہ کی قسم بہن میں نے تو خفیہ طور پر اُنھی تعویذ گنڈوں میں اپنا تمام
زیور پھنسا دیا مگر کردں کیا کہ ایک چیز کا بھی تو اثر نہیں ہوتا، خدا جانے اُس بدذات
نے کونسا جادو کیا ہے اُن پر کہ وہ ہیں کہ جب پڑھتے ہیں تو اُسی کا کلمہ پڑھتے ہیں،
خیر تو اب یہ بتاؤ کہ یہ تعویذ تم کب تک لاؤ گی،
اور دیکھو بہن میری طرف سے تم مُلّا رموزی صاحب سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہہ دینا کہ مُلّا صاحب
خدا نے آپ کو دین کا بزرگ بنایا ہے اور یہ ایک نیک کام ہے، اگر اللہ نے آپ کے تعویذ
سے اُن کو سیدھا کر دیا تو میں عمر بھر آپ کی لونڈی بن کر رہوں گی،
اس کے بعد ظاہر ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کبھی کچھ نہیں ہوتا، بلکہ یہ چیز خلافِ دین اور جاہلوں
کو لوٹنے کا ذریعہ ہے اس لئے یہ پہلی بیوی اپنے شوہر کے غم میں اب اس قدر بیمار ہوتی ہے
کہ بالآخر یا وہ مرجاتی ہے یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اس خفیہ بیوی کی اطلاع پاتے
ہی پہلی بیوی اپنے میکے میں چلی جاتی ہے، اور اس کے ماں باپ اور بھائی وغیرہ اس
کے خفیہ بیوی والے شوہر پر عدالت میں اس عنوان سے مقدمہ چلاتے ہیں کہ
نمبر ایک یہ کہ مُلّا رموزی صاحب اپنی بیوی کو دن کے دو بجے سے عصر کی نماز کے بعد تک مارتے ہیں
نمبر دو یہ کہ یہ مُلّا رموزی مدعا علیہ اپنی بیوی کو کپڑے نہیں دیتے،
نمبر تین یہ کہ مُلّا رموزی مدعا علیہ اپنے بچوں کو پاس تک نہیں آنے دیتے، اور نہ اپنی بیوی
سے بات کرتے،

نمبر چار یہ کہ مُلّا رموزی مہینوں گھر میں قدم نہیں رکھتے، اور یہ سب کچھ اس لئے
کہ اس مُلّا رموزی معاعلیہ نے ایک خفیہ نکاح کرلیا ہے اور اگر عدالت معائنہ کرے تو ہم
بتا سکتے ہیں کہ مُلّا رموزی کی یہ خفیہ بیوی وہ سینما کے سامنے والے مکان میں رہتی ہے
اس لئے

نمبر پانچ یہ کہ عدالت ہماری لڑکی کا مبلغ بیس ہزار روپیہ مہر مُلّا رموزی کی ذات اور جائیداد
سے دلا کر ہماری لڑکی کے طلاق کی کارروائی عمل میں لائے، اور ہاں صرفہ مقدمہ بھی
مُلّا رموزی کی تنخواہ سے دلائے،

اس کے بعد یہ خفیہ بیوی والے مُلّا رموزی صاحب یا عدالت میں ذریعہ سمن، وارنٹ
گرفتاری، یا پھر ذریعہ وکیل تشریف لیجاتے ہیں جہاں ان دونوں کے رشتہ کا یوں اظہار ہوتا ہے
کیا تم فلاں کی فلاں لڑکی کے شوہر ہو؟
اچھا تو پھر بتاؤ کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح کب ہوا؟

کہاں ہوا؟
کس وقت ہوا؟
کس کے سامنے ہوا؟
کس طرح ہوا؟
کس کے کہے سے ہوا؟

اچھا جس وقت یہ نکاح ہو رہا تھا یا ہونیوالا تھا یا ہونے کے قریب تھا یا بس ہونے ہی: تھا

کے بعد وہ تنہائی میں اس اُلجھن سے گھٹتی [illegible] پہلے [illegible]

ہے شیطان تو نے کیسی میری [illegible]

مجھے موت کیوں نہ آگئی [illegible]

اور اب یہ مُلّا رَ [illegible]

اے خدا [illegible]

اور [illegible] صاحب [illegible] کہ مُلّا صاحب

خدا نے آپ کو دین کا بزرگ بنایا ہے اور یہ ایک نیک کام ہے، اگر اللہ نے آپ کے تعویذ

سے اُن کو سیدھا کردیا تو میں عمر بھر آپ کی لونڈی بن کر رہوں گی،

اس کے بعد ظاہر ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کبھی کچھ نہیں ہوتا، بلکہ یہ چیز خلافِ دین اور جاہلوں

کو لوٹنے کا ذریعہ ہے اس لئے یہ پہلی بیوی اپنے شوہر کے غم میں اب اس قدر بیمار ہوتی ہے

کہ بالآخر یا وہ مرجاتی ہے یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اس خفیہ بیوی کی اطلاع پاتے

ہی پہلی بیوی اپنے میکے میں چلی جاتی ہے، اور اس کے ماں باپ اور بھائی وغیرہ اس

کے خفیہ بیوی والے شوہر پر عدالت میں اس عنوان سے مقدمہ چلاتے ہیں کہ

نمبر ایک یہ کہ مُلّا رَموزی صاحب اپنی بیوی کو دن کے دو بجے سے عصر کی نماز کے بعد تک مارتے ہیں

نمبر دو یہ کہ یہ مُلّا رَموزی مدعاعلیہ اپنی بیوی کو کپڑے نہیں دیتے،

نمبر تین یہ کہ مُلّا رَموزی مدعاعلیہ اپنے بچوں کو پاس تک نہیں آنے دیتے، اور نہ اپنی بیوی

سے بات کرتے،

موزی مینوں گھر میں قدم نہیں رکھتے، اور یہ سب کچھ اس لئے
علیہ نے ایک خفیہ نکاح کرلیا ہے اور اگر عدالت معائنہ کرے تو ہم
وزی کی یہ خفیہ بیوی وہ سینما کے سامنے والے مکان میں رہتی ہے

دالت ہماری لڑکی کا مبلغ بیس ہزار روپیہ مہر ملا رموزی کی ذات اور جائیداد
کر ہماری لڑکی کے طلاق کی کارروائی عمل میں لائے، اور ہاں صرفہ مقدمہ بھی
ا رموزی کی تنخواہ سے دلائے،
اس کے بعد یہ خفیہ بیوی والے ملا رموزی صاحب یا عدالت میں ذریعہ سمن، وارنٹ
گرفتاری، یا پھر ذریعۂ وکیل تشریف لیجاتے ہیں جہاں ان دونوں کے رشتہ کا یوں اظہار ہوتا ہے
کیا تم فلاں کی فلاں لڑکی کے شوہر ہو؟
اچھا تو پھر بتاؤ کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح کب ہوا؟

کہاں ہوا؟
کس وقت ہوا؟
کس کے سامنے ہوا؟
کس طرح ہوا؟
کس کے کہے سے ہوا؟
اچھا جس وقت یہ نکاح ہو رہا تھا یا ہونیوالا تھا یا ہونے کے قریب تھا یا بس ہونے ہی دا تھا

یا مونے ہی کو تھا یا بالکل ہو رہا تھا تو اُس وقت تمہارا مُنہ کس طرف تھا، اور تم کس
رنگ کے کپڑے پہنے تھے، اور تمہارے مُنہ میں یا مُنہ کے کسی حصّے میں پان بھی تھا یا نہیں،
یا اگر مُنہ میں پان تھا تو اُس میں الائچی بھی تھی یا نہیں اور اگر الائچی تھی تو اُسے کس دُکان سے
خریدا تھا اور خریدتے وقت اُس دُکان پر کوئی اور گاہک بھی تھا یا نہیں، اور یہ کہ تم الائچی
کب سے کھانا سیکھے، اور کس کے کہے سے کھانا سیکھے، تم نے نکاح سے پہلے کبھی الائچی کھائی تھی؟
اچھا تو یہ بتاؤ کہ جب تمہارا نکاح اس خُفیہ لڑکی سے ہوا اُس وقت تم اپنی پہلی
بیوی اور اپنے خاندان والوں سے اپنے ذمّہ کے حقوق معاف کرا چکے تھے یا نہیں؟
اور بتاؤ کہ جب ایک بیوی اور اُس کے چند بچّے پہلے سے موجود تھے تو تم نے اس
خُفیہ بیوی سے کیوں نکاح کیا؟
اچھا تو یہ بتاؤ کہ اس خفیہ نکاح کی تحریک لڑکی نے کس رنگ کے لفافے کی ذریعہ کی تھی
اور یہ لفافہ اس نے کس جھروکے سے باہر پھینکا تھا،
اور تم اس لفافے کا جواب دینے شب کے کتنے بجکر کتنے منٹ پر اس خفیہ لڑکی کے
مکان کے قریب پہونچے تھے؟
اور اُس وقت اس خفیہ لڑکی کی ملازمہ کو کس قسم کی آواز دیکر تم نے لفافہ لیجانیکو بُلایا تھا؟
اچھا مانا کہ خفیہ لڑکی اپنی ملازمہ کے ذریعہ تمہیں خط بھیجا کرتی تھی، اور تم ملازمہ کو روپیہ
دیتے تھے تو یہ
بتاؤ کہ کبھی اس ملازمہ نے تمہیں یہ دھمکی کیوں نہ دی کہ دیکھو اگر آئندہ تم کوئی خط

ہماری بیگم صاحبہ کے نام لیکر آؤ گے تو ہم تمہارا خط بیگم صاحبہ کے والد کے سیدھے ہاتھ میں دیدیں گے، اچھا یہ بھی مانا کہ آجکل گھر کی خدمت گار عورتیں جاہل اور مفلس ہوتی ہیں اس لئے وہ لالچ میں آکر ایسے کام کرتی رہتی ہیں اس لئے عدالت کو چاہیئے کہ وہ اپنے گھر کی لڑکیوں کو ہمیشہ ماما، دایہ اور ملازمہ سے علیحدہ رکھے، مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے اتنے بڑے کے بیٹے ہو کر اس خفیہ لڑکی کے خط کو اپنے حلقے کے داروغہ یا کوتوال کو کیوں نہیں دیدیا تاکہ وہ اس کے باوا کو بلا کر بتا دیتے کہ

ابے او اُلّو دیکھ تو میرے حلقے کا گو بہت بڑا آدمی ہے مگر اندھے دیکھ یہ تیری لکھی پڑھی لڑکی نے مُلّا رموزی صاحب کے لڑکے کو کیسا خط لکھا ہے، بس اگر آئندہ تو نے اپنی بے حیائی اور عیش پسندی سے اپنی اولاد سے بھی غفلت برتی تو پھر یہ حوالات کی تنگ و تاریک کوٹھری ہو گی، بس جا میرے سامنے سے مردود، ابے شرم نہیں آتی تجھ کو شیطان بنا پھرتا ہے، اتنا بڑا آدمی اولاد کا تیری یہ حال ہے بے غیرت بس جا اگر آئندہ تیری بیٹی نے گھر میں ہارمونیم باجہ بجایا ہے تو مزا چکھاؤں گا تجھ کو، ہاں ہاں بے حیا یہ باجہ بجانے ہی سے لکھی پڑھی لڑکی میں آوارگی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ دیکھ کبھی تو نے مُلّا رموزی صاحب کے گھر سے بھی باجے کی آواز سُنی؟ اور سُن اگر اب تو نے کبھی شادی سے پہلے اپنی لڑکی کو پمپ جوتا پہنایا ہے تو تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا، اور اُسی دن تیرا چالان کردوں گا بے غیرت، ابے ہاں ہم کہتے ہیں تجھ سے کہ جوانی کے عالم میں لڑکی کو نہایت سادہ، میلا اور رادنے قسم کا لباس

پہنانا چاہئیے، بس زبان بند کر، تو کیا جانے انسانی خواص کے اُن نازک نکتوں کو

اچھا تو اگر تم نے اس خفیہ لڑکی کے خط کو حلقے کے کوتوال کو نہیں دیا تھا تو پھر تمہیں یہ اندیشہ کیوں نہ پیدا ہوا کہ وہ جو میری پہلی بیوی گھر میں تین معصوم بچّوں کے ساتھ بیٹھی ہے اس کے مصارف اور حقوق میں فرق نہ آئیگا، اچھا تو اگر تم نے اپنی اس مدعیہ بیوی کو مُلّا رموزی صاحب کے ذریعہ اطلاع دیدی تھی کہ اب میں فلاں صاحب کی خفیہ لڑکی سے شادی کر رہا ہوں تو کیا تم مُلّا رموزی صاحب کو شہادت کے لئے حاضرِ عدالت کر سکتے ہو؟ اب اگر آپ نے کہدیا کہ ہاں تو بس پھر آپ کی بیوی کے اس جھگڑے کو تمام دنیا میں شہرت دینے کے لئے مُلّا رموزی کے نام اس قسم کا حکم آجائیگا کہ

"ہر گاہ عدالت کے پاس اس امر کے باور کرنے کے لئے بے شمار وجوہ موجود ہیں کہ تم بمقدمہ مسماۃ فلاں بنت فلاں بنام مسمیٰ فلاں ابن فلاں کے خُفیہ نکاح اور اُس کی تفصیلات کو اس درجہ کھول کھول کر بیان کر سکتے ہو کہ جواب نہیں لہٰذا تم کو ذریعۂ ہذا پابند کیا جاتا ہے کہ تم مورخہ ایک اپریل ۱۹۲۱ء بوقت تواخت ۱۲ بجے دن کے حاضرِ عدالت ہو کر بیان دو اور جو تم نے اس معاملہ میں کسی حیلے یا بہانے سے کام لیا تو حسب دفعہ فلاں، قانون فلاں، مجریہ فلاں، نمبری فلاں، ضمیمہ ایکٹ فلاں کی دفعہ فلاں ترمیم شدہ ضابطہ فلاں تعزیرات فلاں بابتہ سنہ فلاں بہ منظوری گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل تمہارے مقابل کارروائی عمل میں لائی جائیگی، آج ہمارے حکم اور مہر عدالت سے

جاری ہوا،

دستخط بخط انگریزی حاکم عدالت ضلع فلاں، بلدۂ فلاں، اور شہر فلاں،

اس کے بعد جو مُلّا رموزی صاحب گواہی کے لئے پہونچے تو ایک بے لکھے پڑھے چپراسی نے چلّا کر کہا اور تین مرتبہ کہا کہ

مُلّا رموزی گواہ حاضر ہے،؟

مُلّا رموزی گواہ حاضر ہے؟

مُلّا رموزی گواہ حاضر ہے؟

اب جو مُلّا رموزی صاحب اجلاس پر پہونچے تو ایک طرف سے آواز آئی کہ کہو کہ میں جو کچھ بیان کروں گا خدا کو حاضر ناظر جان کر اور بہ اقرارِ صالح، اس کے بعد عدالت نے سوالات شروع کئے

کیا آپ مساۃ فلاں مدعیہ کو جانتے ہیں؟ اور کیا آپ مسمیٰ فلاں ابن فلاں بی، اے، پاس کو بھی جانتے ہیں جو اس مقدمہ میں مدعا علیہ ہیں،

اچھا تو بتائیے کہ ان بی، اے پاس مدعا علیہ نے اپنی حقیقی بیوی کو چھوڑ کر اُس خفیہ لڑکی سے خفیہ نکاح کیا، تو آپ اُس نکاح میں خود شریک تھے یا کسی سے سُنا تھا؟

آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ جو خفیہ نکاح ہو رہا ہے اس میں اس خفیہ لڑکی نے محض اپنے دولت مند عیش پسند اور بڑے گھرانے کے ماں باپ کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر یہ آوارگی اختیار کی؟

اچھا کیا آپ کو یاد ہے کہ وہ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کی لڑائی ہوئی تھی اُس وقت مدعا علیہ

کہاں ملازم تھا؟

اور وہ جو ۱۸۵۷ء کے غدر میں ایک لڑکی شہر بریلی سے بھاگی تھی اُس وقت آپ کی عمر کیا ہوگی؟ ہاں اندازے سے بتلائیے، گھبرائیے نہیں،

اچھا مُلّا صاحب یہ جو آپ مضامین لکھتے ہیں تو ان کا معاوضہ آپ نے ۱۹۲۹ء میں کتنا پایا تھا اور ۱۹۳۰ء میں کتنا؟

اور اچھا مُلّا صاحب یہ بتائیے کہ لوگ باگ آپ کے مضامین پڑھتے وقت تو مارے خوشی اور لطف کے آپ کی بے حد تعریف کرتے ہیں اور جب روپیہ سے امداد کرنے کا وقت آتا ہے تو یہی لوگ بے وقوف، بھولے، ناواقف اور گدھے کیوں ہو جاتے ہیں، اور آپ کی نقد امداد سے کیوں مُنہ موڑ لیتے ہیں، یا پھیر لیتے ہیں اور پھیر لیتی ہیں، ؟

اچھا تو جب مدعا علیہ نے اس خفیہ لڑکی سے نکاح کیا تو آپ نے خود دیکھا تھا کہ اس خفیہ لڑکی کے والد صاحب اور بھائی صاحب بیٹھے تاش کھیل رہے تھے اور انھیں غیرت کا پسینہ نہ پیشانی پر آیا نہ بغل کے اندر،؟

اچھا مُلّا صاحب گھبرائیے نہیں اور یہ تو بتائیے کہ آپ نے مدعا علیہ سے جب یہ کہا تھا کہ دیکھ او احمق اس خفیہ نکاح سے تو اور تیرا خاندان دنیا میں عمر بھر ذلیل رہیگا تو اُس وقت مدعا علیہ کے پاس کوئی اور شخص بھی موجود تھا؟

غرض اس قسم کے مقدمہ کا فیصلہ دو تین سال میں یہ ہوا کہ

"رو داد مثل سے ثابت ہے کہ مدعیہ مدعا علیہ کی پہلی بیوی ہے اور اُسے مدعا علیہ

کے خفیہ نکاح کر لینے سے جو صدمہ ہوا ہے اُس سے اُسے دق کا مرض ہو گیا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر انصاری صاحب کے منسلکہ مثل سرٹیفکٹ سے ثابت ہے اور ڈاکٹر صاحب کو عدالت خود جنگ بلقان کے زمانے سے جانتی ہے، اور جیسا کہ مُلّا رموزی صاحب گواہ نمبر ایک کے بیان سے ثابت ہے اور عدالت خود مُلّا رموزی صاحب کو جانتی ہے، کہ تمام دولت مند لوگ مُلّا صاحب کے مضامین سے خوش ہوتے ہیں مگر اُنھیں نقد روپیہ دینے میں ہمیشہ گھبراتے ہیں، لہٰذا عدالت کے نزدیک ثبوت کافی ہے اس لئے

حکم ہوا کہ

مدعا علیہ اگر اپنی خفیہ بیوی کے پاس رہنا چاہتا ہے تو رہے، مگر اپنی پہلی بیوی کا مہر تعدادی مبلغ بیس ہزار روپیہ اپنی اور اپنے والد صاحب کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ سے نصف اس وقت ادا کرے اور نصف مُلّا رموزی صاحب کو دیدے تاکہ وہ اس روپیہ سے ایک دَارُالِاشَاعَت قائم کر کے زبانِ اُردو میں بہترین اور لطیف کتابیں لکھ کر قوم کو فائدہ پہونچاتے رہیں

خرچہ فریقین ذمّہ فریقین،

مدعیہ اور وکیل مدعیہ کی اطلاعیابی لکھا لی جائے، آج میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری ہوا۔

اس عام رُسوائی اور ذلت کے بعد یہ بیوی ایک مرتبہ آپ کے نکاح سے بھی بھاگ جاتی تھی

نکاح سے بھاگ جانے کا یہ مطلب ہے کہ خفیہ نکاح والوں میں "دائمی اتحاد" کی وجہ باقی نہیں رہتی، محض اس لئے کہ ابتداء میں کسی خاص جذبے کے تحت دونوں مشتعل ہوتے ہیں اور اسی اشتعال کے تحت ایک دوسرا تمام نقصانات اور ذلتوں کو برداشت کر کے رشتہ پیدا کرتا ہے، لیکن اس رشتے کے پیدا کرنے سے پہلے دونوں زیادہ نقصانات برداشت کر چکے ہوتے ہیں، اس لئے اب جو نکاح سے سکون حاصل ہوا تو اب پچھلی خطائیں اور نقصانات یاد آکر اس حاصل شدہ سکون کو برباد کرتے رہتے ہیں، اس لئے کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس بیوی کو شوہر صاحب ہی پہلے راستہ بتاتے ہیں، اور پھر اپنے پرانے بیوی بچوں سے جا ملتے ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ خفیہ بیوی صاحبہ کسی دوسرے "ملازمتوزی صاحب" کے ساتھ پنجاب میل کے ذریعہ بمبئی اور اگر موقع مل جائے تو ولایت تک بھاگ جاتی ہیں، اور یہ "فرارِ مکرر" کی قوت اُن کے اندر اس لئے پیدا ہو جاتی ہے کہ "فرارِ اوّل" کے وقت ان کے نادیدہ شوہر نے ان کے لئے جو اسبابِ عیش فراہم کئے تھے زمانہ گزر جانے پر اب اُس رنگ کے اسباب فراہم نہیں ہو سکتے، دوسرے اس لئے بھی یہ فرار عمل میں آتا ہے کہ اپنے گھر سے بھاگتے وقت مزاج اور غیرت میں جو ضعف اور ذلت پیدا ہو جاتی ہے وہ اب کسی دوسرے فرار سے نادم نہیں ہونے دیتی، اس لئے ایسی بیوی کے لئے سُنا ہے کہ عمر بھر اُس کے نئے نئے نکاحوں کا سلسلہ ہی ختم نہیں ہوتا،

اس قسم کی بیوی سے شوہر کی ذہنی قوتیں برباد ہوتی رہتی ہیں، اور اسی لئے ان میں خوشگواری کی جگہ پچھلی خطاؤں کی یاد ان کے ہر عیش کو برباد کرتی رہتی ہے،

اس کی اولاد بھی بے حد بزدل، کمینہ صفات، بے حیا، اور ذلیل اعمال اولاد ہوا کرتی ہے، اور خصوصاً شوہر اس کی اولاد کی تربیت اور پرورش پر کبھی اُس جوش سے متوجہ نہیں ہوتا جس جوش سے وہ اپنی پہلی اولاد کی طرف متوجہ رہتا ہے،

البتہ اگر بھاگنے والی، اونچے اور شائستہ گھرانے کی ہے تو وہ اپنی پہلی خطا کے حجاب سے اس شوہر کے حق میں بے حد وفادار، جاں نثار، منتظم اور اولاد کی پرورش میں بھی بے حد سلیقہ مند ہوتی ہے مگر کمی کے ساتھ،

اس قسم کی بیوی کے لئے یہ امر نہایت درجہ ضروری ہے کہ یا بیوی اعلیٰ درجہ کے گھرانے کی بھاگی ہوئی ہوگی، یا شوہر صاحب اعلیٰ گھرانے سے بھاگنے والے ہوں گے، کیونکہ ایسے مشاہدات کم ہیں جبکہ ایک فاقہ کش لڑکی ایک فاقہ کش مزدور کے ساتھ بھاگی بھی ہو اور بیوی بن کر عمر بھر بڑی لیاقت سے بیٹھی بھی رہی ہو،

یہ بڑھاپے میں بڑی پارسا، بڑی عبادت گزار، اور بڑی نیک ہوجاتی ہے، امور خانہ داری سے خاصی واقف اور زیادہ مقدار میں لکھی پڑھی،

فی الجملہ اس کی مجموعی تعداد دوسری بیویوں سے کسی طرح کم نہیں، البتہ اس کی صحیح تعداد جو ظاہر نہیں ہوتی وہ اس لئے کہ اس کا ہر معاملہ خفیہ ہی رہتا ہے اور رکھا جاتا ہے، پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگرچہ نکاح اس کو شرعاً معزز و ممتاز بنا دیتا ہے، مگر اطلاقاً ہمارے ننھے میاں کی والدہ کی قسم کی عورتیں اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی ہیں، اس لئے خدا اس سے بچائے، آمین،

اور ہاں وہ خوب یاد آئی کہ کبھی کبھی جب یہ بیوی بننے کے شوق میں گھر سے فرار ہوتی ہے
تو اس کے رشتہ داروں کی "رپٹ" لکھانے پر یہ کو توالی میں اس طرح بھی نظر آتی ہے،
کہ ایک موٹے سے کوتوال صاحب جمائیاں لیتے جاتے ہیں اور اس سے کہتے جاتے ہیں

اری ادھر کو ذرا،
کھول مُنہ اپنا تاکہ تجھے پہچانوں،
ہے تجھ پہ خدا کی مار،
اری کمبخت آخر یہ کیا کیا تو نے؟
تو تجھے شرم نہ آئی اس حرکت سے؟
آہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں نکلی ہے،
اری مر جا کمبخت اس بے حیا زندگی سے،
کھولو جی داروغہ جی اس کا صندوق دیکھوں کہ کیا کیا چیزیں لیکر بھاگی ہے،
اچھا بند کیجیے اسے حوالات میں صبح کو اس کا بیان لوں گا میں،
اور ہاں داروغہ جی ذرا سویرے ہی اس کے باوا کو بُلا لینا حلقے نمبر چار سے،
ہاں ہاں جی وہی تیس مار خاں صاحب جن کی یہ صاحبزادی ہیں،
لعنت ہے ایسے تیس مار خاں پر،
اری ہاں سُن تو ذرا میری بات،
ادھر آ ادھر،

دیکھ یہ تو بتا کہ تو آب بھی اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہے، یا نہیں ؟

ہاں ہاں ٹھیک ہے بدذات تو اب کاہے کو واپس جائیگی،

اچھا تو داروغہ جی اس کا بیان تو ابھی لے لو آپ اور صبح کو اس کے باوا کا بیان

ہو جائے گا،

ہاں تو بتا تیرا پورا نام،

اچھا تو جب مُلّا رموزی تجھے بھگانے گیا ہے تو اُس کے ساتھ تو دروازے سے نکلی تھی یا دیوا

پھاند کر بھاگی ؟

ذرا زور سے جواب دے ورنہ طمانچہ دوں گا اُلٹے ہاتھ کا، تو مُنھ سے خون ڈالیگی

ابھی بدمعاش کہیں کی،

اور جب نہ غیرت آئی جب گھر سے بھاگی تھی تو،؟

اور ہاں ذرا ادھر آؤ میاں مُلّا رموزی صاحب،

کیوں جناب یہ آپ نے کیا حرکت کی ؟

ہاں ہاں سچ کہتے ہو آپ،

یہی بدمعاش ہے،

اجی وہ تو میں کہوں نا کہ مجھے اس کو تو الی میں آئے ہوئے یہ گیارھواں برس ہے مجھے تو اس

گھر کی سب کیفیت معلوم ہے وہ آج سے چند سال پہلے اس بدذات کی خالہ بھی تو بھاگی تھی اسی طرح،

کیوں جی داروغہ جی صاحب یاد ہے آپکو وہ جب ہم آپ اُسے ریل گاڑی سے اُتار کر لائے تھے اسٹیشن سے؟

ان حالات پر فیصلہ کیجے کہ یہ بیوی شوہر کے حق میں کتنی مفید ہو سکتی ہے ؟ فقط،

اپنی بیوی

اس بیوی کا شوہر "اخبار نویس قوم" کا فرد، مصنف اور ادیب برادری کا رکن ہوتا ہے، پھر ایسا عظیم الشان رکن کہ اُس کی تحریری قیادت و رہنمائی کے لطیف تر اثرات پشاور سے لیکر مدراس اور کلکتے سے لیکر بمبئی تک قبول کئے جاتے ہیں، اور اُس کی شہرت و بلند آوازگی ہندوستان سے نکل کر مکے شریف اور جنوبی افریقہ تک کے اُن لوگوں میں پہونچی ہوئی جو ہندوستانی ہیں اور اُردو کے اخبارات، رسالے اور کتابیں پڑھتے ہیں، اُس کی محبت اور اُس کی عزیز تر منزلت کے لئے کوتوالوں کے دلوں میں بھی جگہ ہوتی ہے اور سی، آئی، ڈی والوں کی آنکھوں میں بھی،

اُس کی تحریر کی آزادی، بے باکی، جرأت، نکتہ آفرینی و حکمت آموزی، نکتہ چینی و فاش گوئی میں وہ لطافت و شیرینی کہ تو بھی قُربان اور میں بھی قُربان، یہ بھی نثار اور وہ بھی نثار اس کے طنز و طعن اور اصلاحی شدّتِ بیان سے نہ تانگے والے محفوظ، نہ تمباکو فروش محفوظ، نہ ایڈیٹر محفوظ، نہ لیڈر محفوظ، نہ حکومت محفوظ، نہ شاہانِ سطوت پناہ کو پناہ، نہ جھوٹے پیر فقیر محفوظ، نہ تعویذ نگار اور "گنڈہ نویس" محفوظ، نہ اسکول والے محفوظ، نہ اسکول "والیاں" محفوظ، نہ ہندو محفوظ، نہ مسلمان نہ سکھ نہ پارسی، نہ غریب نہ امیر، نہ وہ برطانیہ کے سٹر لائیڈ جارجوں کو پناہ، نہ فرانس کے پانیکارون اور نہ اٹلی کے مسولینیون کو امان، نہ جرمنی کے

ہنڈن برگوں کو ڈھیل، بس اگر اس میں کوئی تحریری عیب ہوتا ہے تو یہ کہ نقد روپیہ دینے والوں، نقد نوٹ اور اشرفیاں دینے والوں کی خوشامد کرتا ہے، اور صاف کہہ بھی دیتا ہے کہ "یہ خوشامد" ہے

یہ ایک نہایت غریب گھرانے سے پیدا ہوتا ہے اور غریب اُستادوں سے تعلیم پاتا ہے، سو وہ بھی دینِ اسلام اور شریعتِ اسلام کی، یہ مڈل و ڈل کی نہیں، مگر پھر جو اس کی تحریریں ایم، اے پاسوں میں مقبول ہوتی ہیں تو صرف اس لئے کہ

؎ قبول عام و سخن گستری خدا داد ست

یہ جسم اور صحت کے لحاظ سے نہایت باریک مہین اور افسردہ صورت کا ہوتا ہے اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی لطیف انشا پرداز اور ادیب نہیں، بلکہ کسی کارخانۂ شکر سازی کا درجہ سوم مزدور ہے، وہ باوصف اتنے مقبول و محبوب ادیب اور مضمون نگار ہونے کے دن کی روشنی میں ایک نیلام کے قابل بائیسکل پر بیٹھا ہوا گزارے اور ملازمت کی فکروں اور پریشانیوں میں یوں مُبتلا پھرتا ہے، کہ اُس کی ظہر کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے مگر اُس کی قوم اُسے اس بدحواسی میں مُبتلا پا کر بھی اتنا ہی کہتی ہے کہ "کوئی عمدہ سا مضمون تو سُناؤ"، مگر جب وہ رات کی تاریکیوں میں امریکہ کی دھواں اُڑانے والی لالٹین کے سامنے لکھنے بیٹھتا ہے تو اُس کا دماغ گلزار و گلشن کی فردوس آفرین رنگینیوں اور لطافتوں، مناظر قدرت کی شباب افروز اور جمال آرا صنعتوں حسینوں کی عالم آشوب نزاکتوں اور نفاستوں علم و ادب کی فصاحتوں

اور بلاغتوں، سیاست و نظم مملکت کی عقل آزما ترکیبوں اور تدبیروں، شعراء و فصحاء کی تاویلوں اور تاثیروں، ارباب حرب و ظلم کی خونریزیوں خون آشامیوں، اصحاب دولت و مقدرت کی تن آسانیوں اور عیش سامانیوں ادیان و مذاہب کی خدا شناسیوں اور خدا دانیوں اور خواص انسانی کی نازک تر ہشیاریوں اور نادانیوں، غرض تمام قسم کی "نیہ ان" پر حاوی ہوتا ہے اور ندرت و لطافت، سلاست و حکمت اور اصلاح و ترقی کے وہ حسین و دلفریب نکات و جواہر صفحۂ کاغذ پر بکھیرتا ہے کہ دشمن بھی پڑھے تو کہے حبذا اور دوست پڑھے تو کہے مرحبا، اور یہ سب کچھ اس لئے کہ وہ اپنے ہر کام میں خود کو خدائے عرش و جاں آفریں اور وحدۂ لاشریک کا بندۂ بے قید اور نبی عرب و عجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلامان غلام مانتا ہے، اور کہتا ہے،

پھر ایسے دماغ والے شوہر کو جتنی حسین، جتنی پری، جتنی بیدار مغز، جتنی ذی ہوش جتنی تعلیم یافتہ، جتنی دولت مند، جتنی تیز و طرار، جتنی محبت کرنے والی، اور جتنی نفیس بیوی کی ضرورت ہو سکتی ہے ظاہر ہے، اور اسی دماغی صلاحیت کی بنا پر وہ کوشش کرتا ہے کہ اُسے جو بیوی ملے وہ مذکورہ بالا قسم کی ہو، اور عجب انگیز بات یہ کہ اُسے ایسی بیوی حاصل ہو جانے کی کوشش میں ذی مقدرت رُؤساء و ارباب اقتدار خاص امداد بھی دیتے ہیں، مگر رسم پرستی اور جاہلانہ معتقدات و ملحوظات کے تحت اُسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ "غریب گھرانے کی بیوی" کرے، اس لئے کہ دیکھو میاں اگر تم نے کسی بڑے

گھرانے کی بیٹی بیاہی تو ساس سُسر ہمیشہ اُس کی نظر میں ذلیل و خوار رہیں گے،

اور دیکھو میاں وہ ہر بات پر اپنے دولت مند ماں باپ پر غرور کرے گی اور ہمیں ذلیل سمجھے گی،

اور دیکھو میاں یہ اسکول کی پڑھی ہوئی ویسے بھی زبان کی بہت تیز اور گستاخ ہوا کرتی ہیں

اور دیکھو میاں وہ جتنے بڑے گھرانے کی ہو گی اُتنا ہی اونچا لوازمہ اور ساز و سامان طلب کریگی، اور ہم تم ویسے ہی کیا کچھ کم غریب ہیں، تو ایسی صورت میں ہم کس طرح اُس کی فرمائشیں پوری کریں گے،؟

اور دیکھو میاں ہم تو خود جس حیثیت کے ہیں ویسی لڑکی بیاہنا چاہتے ہیں،

اور جو تم کسی رئیس، کسی امیر اور کسی اسکول ہی کی لڑکی سے شادی چاہتے تو تمہیں تمہارے نفس کا اختیار رہے، مگر پھر ہم سے کوئی علاقہ نہ رکھنا،

اور سُن لو وہ تمہارے چچا میاں کیا کہہ رہے ہیں؟

ہاں بیٹے بات تو ٹھیک فرما رہی ہیں تمہاری نانی اماں، کیونکہ گو تم ماشاء اللہ آجکل کے عُلم دار نوجوان ہو، مگر اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ ان معاملات میں تم ابھی ہمارے تجربہ کو نہیں پہونچے ہو، اور وہ دیکھو نا وہ میاں غلام قادر خاں نے اپنے بیٹے کی شادی جب سے جاگیر دار صاحب کی لڑکی سے کی اُس وقت سے وہ اپنے بیٹے ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں،

اب اُن کے صاحبزادے صاحب ہیں کہ مالدار بیوی کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں، اب وہ نہ ماں باپ کو پوچھتے ہیں نہ بہن بھائی کے شریک،

تو میاں اب اگر ایسی ہی شادی تم بھی چاہتے ہو تو بقول تمہاری نانی اماں کے تمہیں تمہارے نفس کا اختیار ہے، ہماری رائے لو تو ہم تو یہی کہیں گے کہ تم اسی لڑکی پر راضی ہو جاؤ جس کے لئے نانی بی فرما رہی ہیں،

ہاں ہاں مانتے ہیں کہ لڑکی جاہل ہے اور ایک حرف نہیں جانتی مگر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ مانے ہوئے پٹھان کی بیٹی ہے، اور اُس کے خاندان کے ایک ایک آدمی کو میں آج سے نہیں جب سے جانتا ہوں کہ تم ماشاء اللہ اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور بولتے کیوں نہیں ہیں خالو میاں آپ ؟

ہاں بھئی کیا بولوں اب آجکل کے لونڈے تو اپنے بڑوں اور بزرگوں کو اُلّو سمجھتے ہیں، ارے بھئی یہی عیب ہے نا کہ لڑکی ان پڑھ ہے مگر یہ بھی سوچا ان صاحبزادے نے کہ تم آخر اُس سے کیا ملازمت کراؤ گے، پھر لکھی پڑھی کی شرط کیسی ؟

اور ہم نے تو ایسیوں کا جو حشر دیکھا ہے بس اے خدا تو بچانا ہر مسلمان بھائی کی اولاد کو ایسی رسوائی سے،

ارے بھئی وہ سامنے تو ہے تمہارے وہ سکتر صاحب کے لڑکے کی لکھی پڑھی بیوی کا معاملہ، استغفراللہ، لاحول ولا،

خیر تو بھائی جھگڑا ہی کیا ہے، اگر ان میاں کو ہماری خاطر منظور ہے تو اس لڑکی کو منظور کرلیں ورنہ یہ جانیں اور ان کے حمایتی جانیں،

خدا کی شان ہے ماموں صاحب،

کہ آجکل کے لونڈے کس درجہ بے حیا ہوگئے ہیں جو اپنے بزرگوں سے یوں کہتے ہیں کہ
لڑکی ہم خود نہ دیکھیں گے جب تک شادی ہی نہ کریں گے، اور ماموں میاں فرمایئے
کہ ہماری آپ کی بھی شادیاں ہوئی ہیں، اور ہمارا آپ کا بھی جوانی کا زمانہ تھا کہ اُس
زمانے کا لائق سے لائق لڑکا بھی ان معاملات میں مُنہ سے ایک حرف نہیں نکالتا تھا
بس جو کچھ اُس کے بزرگوں نے کر دیا اُسے صبر و شکر سے قبول کرلیا، اور اسی لئے تو ماموں
میاں صاحب اُس زمانے کے ہر کام میں برکت تھی، اور خدا بھی خوش رہتا تھا،
اچھا تو بس نانی بی چُپ ہو جائیے آپ اب اگر ان میاں کو ہم لوگوں کی مرضی پر چلنا ہے
تو پھر یہ جو آپ نے لڑکی پسند کی ہے یہ موجود ہے اور آج مجھے بھی اُس کے چچا ملے تھے کیسے خلیق
اور کیسے سچے مسلمان کہ خدا کی قسم مصافحہ کرتے ہی مجھے گلے لگا لیا اور فرمانے لگے کہ میاں
اشرف علی میرے بھائی کی بیٹی کو تم اپنی ہی بچی سمجھو، اسی طرح تمہارا بچہ میری اولاد ہے
پھر یہ کیا ہے کہ کل عورتوں کو بھیجو گے تو پرسوں لڑکے کو سلام کے لئے لاؤ گے، بس تم
تو حکم خدا اور رسول کے موافق بسم اللہ کرو، نیک کام میں جلدی کرنا ہی اچھا ہوتا ہے،
اور ویسے بھئی تمہاری مرضی، لڑکی موجود ہے جب چاہو آکر دیکھ لو، ہاں بھئی اس میں
تو شک نہیں کہ بڑے بھیا صاحب نے اُسے لکھایا پڑھایا نہیں ہے، ہمیشہ اپنے ساتھ
دیہات پر رکھا، یہاں تک کہ خدا کی قسم اُس لڑکی کو بڑے بھیا نے آج تک یہ کھڑی ایڑی
کا جوتا بھی نہیں پہنایا، بس بھئی شریفوں کی بیٹیوں کی طرح وہ تو سینا پرونا اور چولہا چکی
جانتی ہے، آگے تمہاری مرضی، ہم زور نہیں دیتے کہ تم ہماری ہی لڑکی سے کرو،

یوں قسمت پھوڑی جاتی ہے آج کل کے تعلیم یافتہ، روشن خیال، ترقی یافتہ اور جدید ذہنیت کے نوجوانوں کی ان ۱۴۰۰ سالہ قبل مسیح کی پیدائش کے بزرگوں کے ہاتھوں، گویا لڑکا جو شادی کرتا ہے وہ اپنے لئے نہیں بلکہ ان جاہل اور رسم پرست رشتہ داروں کے لئے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی بیوی کا شوہر بھی ایسے ہی بزرگوں کے ہاتھوں ہلاک ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنی اُن تمام کوششوں کو برباد کر دیتا ہے، جو وہ اپنی ہی ذہنیت، اپنی ہی قابلیت اور اپنی ہی ایسی عقل کی لڑکی تلاش کرنے کے لئے کر رہا تھا، اس لئے ایسے شوہر کو جیسی ملتی ہے وہ یوں ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسے گھرانے میں جنم لیتی ہے، جہاں عورتوں کو تعلیم دینا گناہِ عظیم سمجھا جاتا ہے، اس لئے صرف یہی نہیں کہ اسے پانا جانا اور یاد کر دیجئے اور معنے والی کتابیں نہیں پڑھائی جاتیں بلکہ قاعدۂ بغدادی کے آئبون، تائبون، راکعون، ساجدون تک پڑھا کر جو چھٹی دی جاتی ہے تو غریب کو نماز روزے تک کے مسائل نہیں سمجھائے جاتے، بس سارا خاندان اس خیال سے خوش رہتا ہے کہ خدا نے بیٹی تو دی اللہ اس کی قسمت سے شوہر بھی اچھا دلائے، یہی حال امورِ خانہ داری آدابِ شوہری اور سسرالی ضوابط سے بے خبری کا ہوتا ہے، بس پلنگ کے تکیوں پر لال پیلے رنگ کے تاگے سے ایک آدھ آڑا ترچھا پھول بنا کر لڑکی کو خود اطمینان ہو جاتا ہے، کہ میں پھول بھی تو بنا لیتی ہوں اور میرے اندر کیا چاہیئے ادھر کچھ زمانے کا آلہ تفریح بھی یہ رہا ہے کہ بے ایمان افسر کو اپنا نذرانہ تحت ملتا ہے، مذہب کے دشمنوں کو دولت و حکومت ملتی ہے، مسجدوں میں بیٹھ کر یونان و روما کے حکماء و فلاسفہ کے علوم پڑھنے والوں کو مساجد کی امامت اور مُردہ شوئی کی روزی، اور کالجوں کے بے نماز

اور رٹے ہوئے ایم، اے، پاسوں کو بنگلہ بھی، موٹر بھی، اسی طرح حسین وناز ک بیوی کو حسّی اور دیو صورت شوہر، اور صاحب شعور و کمال مُلّا رموزیوں کو بھونڈی اور کندۂ ناتراش بیویاں، اور وہ دیکھو نا کہ اگلے وقتوں میں شہر شیراز میں ایک حافظ صاحب یہی کہتے ہوئے مر گئے

ع اسپِ تازی شدہ مجروح بہ زیرِ پالان

طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خرمی بینم،

اور اس زمانے میں وہ انگلستان کے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور چارلی چیپلن ایسا خوش دل وخوش طبع اور روتوں کو ہنسانے والا ظریف ایکٹر ایک ایسی ہی، بھونڈی، بد قوارہ، اور ناقدرداں بیوی سے اُلجھا دیا جاتا ہے، جس کے ساتھ "مارے مقدمے بازیوں کے" بے چارے کی ساری زندہ دلی اور خوش مذاقی خاک میں مل جاتی ہے، وہ تو کہئے کہ چارلی چیپلن ایک کمال پرور قوم کا فرد ہے جو اپنے ہاں کے ہنرمندوں اور صاحبانِ کمال پر دولت کے خزانے قُربان کرتی ہے، اس لئے چارلی چیپلن اپنی دولت مندی کے باعث اپنی اس علّامۂ وقت بیوی سے طلاق کے ذریعہ جلد نجات پا جاتا ہے، مگر جب آپ ایسے ہندوستانی کمال پسندوں میں کا کوئی قومی انشاء پرداز مُبتلائے مصیبت نظر آتا ہے، یا مُبتُلائے بیوی،، تو آپ لوگ اگر حد سے سوا قدر دانی پر اُتر آئے تو ٹھنڈی سانس لیکر ایک آہ بھری اور دوسری تفریحات میں مصروف ہو گئے، اب چاہے آپ کی اس بے اعتنائی اور ہنر ناشناسی سے آپ کی زبان، آپ کے ادب، آپ کی اخبار نویسی، اور آپ کی تالیف وتصنیف کا ایک مایہ نازش فرد اپنی تنگ دستی سے مرجائے یا کوئی

مُلّا رموزی اپنی اس قسم کی بیوی کے ہاتھوں اپنی لطافت آفریں زندگی کو کھو دے مگر دونوں صورتوں میں وہ نہ اس بیوی کو طلاق دے سکتا نہ کسی دوسری سے دوسرا نکاح کرکے بقیہ ایام قوم کی خدمت گزاری کی خاطر خوشگوار بنا سکتا، لعنت ہے ایسی رسم پرستی پر اور رحمت ہو ایسے میاں بیوی پر (آپ یہ سمجھنا کہ مُلّا رموزی صاحب مذاق فرما رہے ہیں)

بہرکیف یہ "بزرگوں کی لائی ہوئی بیوی صاحبہ"، ہزاروں مسرفانہ اور جاہلانہ رسوم کے ساتھ جب شوہر کے گھر تشریف لاتی ہیں تو "رسم غریبانہ" کے تحت مہینوں ان کے اخلاق وعادات اور خواص و کمالات کا پتہ اس لئے نہیں چلتا کہ ان کے شوہر کے تمام رشتہ دار اس جوش میں ان سے محبت کرتے رہتے ہیں کہ یہ ان کی "پسند کردہ" اور "آوردہ" ہیں لیکن کب تک، اب جو انھیں امور خانہ داری کا "چارج" دیا جاتا ہے، تو "ہر کام میں صفر" ایسے مواقع پر ان کے سسرال والیوں میں جو "مذاکرۂ عورتانہ" بپا ہوتا ہے وہ یوں کہ،

بہن ابھی دن ہی کتنے گئے ہیں،

اور ویسے بھی ابھی بچی ہے،

آتے ہی آئیگا سلیقہ،

اور ابھی دن بھی تو حجاب کے ہیں،

مگر کیوں بہن تو یہ نماز بھی تو نہیں پڑھتی ہیں دُلہن،

تو وہ کھانا میں نے کہ بس شرماتی ہیں،

اے آپا اللہ کی قسم دُلہن کو آج دیکھ لیا میں نے وہ تو نماز بالکل ہی نہیں جانتی ہیں،

توبہ کرو بیوی کیسی باتیں کرتی ہو آخر مسلمان کی بچی ہے،

اچھا تو تم ذرا مغرب کی نماز چھپ کر دیکھنا اگر وہ صحیح صحیح پڑھ لیں تو جو چور کی سزا وہ میری،

اِنّا لِلّٰہ ہے ہے بہن لڑکے کی تو قسمت ہی پھوٹ گئی، اے وہ کیا کہا تھا اس وقت جمیلہ

نے کہ بھابی جان کو صحیح نماز پڑھنا بھی نہیں آتا، تو سچ تو کہا تھا اُس نے اُس وقت تو مجھے

یقین نہیں آیا تھا مگر جب بچہ آیا یعنی ان بیوی کا شوہر تو میں نے اُس سے دریافت کیا کہ کیوں

بیٹے تمہارے سامنے بھی دُلہن نے نماز پڑھی کبھی ؟

بس کیا کہوں تم سے کہ مجھے کیسا قلق ہوا ہے جب لونڈے نے گردن جھکا لی اپنی،

میں فوراً سمجھ گئی کہ لونڈا شرماتا ہے مجھ سے اور دَرواقع ہیں دُلہن کو نماز نہیں آتی اس

لئے بہن اب میرا تو فرض تھا میں نے دُلہن سے جو دریافت کیا تو پہلے تو کچھ اُنھوں نے

چھپانا چاہا اس کو مگر بہن معاملہ تھا دین اسلام کا، اس لئے جب میں نے اُنھیں مجبور

کیا تو بے چاری نے صاف صاف کہدیا کہ ہمارے تو خاندان میں بھی کوئی نماز نہیں پڑھتا

ہے ہے بہن یہ سُننا تھا کہ میں کانپ گئی،

اے بہن تو پھر میں پوچھتی ہوں تم سے کہ آخر یہ میاں تیس مار خاں نے کیا سکھایا

اپنی بیٹی کو یعنی دُلہن کے باپ نے ؟

آہ بہن میرے تو تمام ارمان خاک میں مل گئے،

اور سنو اب میں کہنے پر ہی آئی ہوں تم سے تو اب کیا چھپاؤں تم سے، ؟

اے وہ جو کل میں نے بیوی سے (دُلہن سے) روٹی پکوائی تو یقین نہ کرو گی بہن تم کہ جو روٹی دیکھو وہ کوئلہ، اور اس پر جواب کیا دیا بیوی نے کہ ہم نے اپنے گھر پر روٹی پکائی ہی نہیں اب تو بہن آگ لگ گئی، اور میں نے کہا کہ دُلہن تو پھر تمہارے گھر میں کوئی ملازمہ بھی تو کبھی نہیں دیکھی پھر تمہارے گھر بھر کے لئے آخر چولھے چکی کا کام کون کرتا تھا جو تمہارا یہ حال ہے؟

تو فرمانے لگیں کہ کرتا کون تھا، ہماری بھاوج صاحبہ سب گھر کو سنبھالے ہوئے ہیں،

آہ بہن کیا کیا کہوں تم سے کہ اب ان بیوی کے کیا کیا راز کھل رہے ہیں، ؟

خیر سب جانے دو مگر یہ دیکھو کہ بیوی صورت کی بھی ایسی کھرّی (خشک) واقع ہوئی ہیں کہ ہم آپ اگر بیٹھ کر کوئی ہنسی مذاق کی بات کریں تو جا ہو کہ وہ اللہ کی بندی بھی کچھ ہنسے بولے تو اس کا نام تک نہیں بس جو ایک کونے میں منہ بنا کر بیٹھیں تو دن بھر کوئی نہ بولے تو وہ نہ گھبرائیں،

اب کہو تو بہن کہ بچے کا مزاج تو ہے ایسا کہ وہ روتوں کو ہنسا تا رہتا ہے اور بیوی آئی ہیں سّتو برس کی بوڑھی ہو کر، اب میں سوچتی ہوں کہ آخر اب ہوگا کیا ؟ بیوی کیا نکمہ آئیں کہ لونڈے کی زندگی برباد کر دی، خیر وہ لکھی پڑھی نہیں تھیں تو نہ سہی مگر بہن وہ غریب تو کسی کام ہی کی نہیں جو بات پوچھو اس کا یہ جواب کہ ہمارے خاندان میں تو ایسا ہوا ہی نہیں تو میں کہتی ہوں تم سے کہ آخر ان کے گھر میں پھر ہوتا کیا تھا ؟

آہ صبر ہے بہن صبر،

اے بہن میں تو لٹ گئی، تم دیکھنے والی ہو کہ میں نے اس بچّے کے ارمان کے لئے کیا کچھ خرچ نہ کیا، بارات لے گئی تو ایسی کہ محلّے میں کسی کی دیکھی ہو تو تم کہدو، رسموں میں کوئی ایک رسم چھوڑی ہو تو بتا دو، منگنی، نکاح، اور ولیمہ جیسا کچھ کیا ہے خدا جانتا ہے یا تم، ماں بہنیں دیکھنے والی ہو پھر اُس پر بیوی کا دماغ تو دیکھو کہ آج شلوار کی فرمائش کر رہی ہیں تو کل قمیص کی، ارے اور بھی سُنا تم نے انجمن کی پھوپی کہ بیوی نے اپنے مُنہ سے فرمایا کہ آپ جو سارے ہندوستان میں مشہور ہو تو ہم تب جانیں آپ کو کہ ہمیں بھی سارا ہندوستان دکھا دو،

مگر اے اللہ تو نے جیسا میرے بچّے کو نیک کیا ہے "مجملہ جہان کے" بچوں کو ایسا ہی نیک کرنا کہ اُس نے آج تک میرے سامنے اتنا بھی اشارہ نہ کیا کہ میں سمجھ لیتی کہ اُسے اس پھوہڑ سے کتنی تکلیف ہے،

خیر میں نے بھی بہن کہدیا کہ بیٹے اللہ تمہیں ہزار سال کی عمر دے جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو گیا مگر اب انشاء اللہ میں کراتی ہوں تمہاری مرضی کی دوسری شادی، دیکھوں تو اب میرا کوئی کیا کرتا ہے، بس بیوی رہیں اور روٹی کھائیں، میں لونڈے کی زندگی تو یوں برباد نہ ہونے دوں گی؟ اللہ نے اُسے کیا ہے بہن مرد کی صورت زندہ ہے تو انشاء اللہ ان ایسی دس لے آئیگا،

القصّہ اس قسم کی بیوی کا شوہر جو بیس گھنٹے اپنی بیوی کو روتا ہے مگر دس کی جگہ دوسری ڈیڑھ بیوی بھی نہیں کرتا، اس احساس کے کہ اپنے عیش کی خاطر وہ دوسرے متعلقین کے حقوق کو

کیوں پامال کرے،

ان حالات کے بعد جب اللہ پاک ایسی بیوی کو مبلغ ایک بیٹا عطا فرماتا ہے تو اس کے صاحب اولاد ہونے کا نخرہ آسمان سے اونچا ہو جاتا ہے، اب اس کی ہر حرکت میں وہ بڑھاپا نظر آتا ہے گویا ایک ہی بیٹے پر آپ دس بیٹوں کی والدہ ہو چکی ہیں،

اب گھر بار اور شوہر کی ہر ذمہ داری سے آپ ڈھائی میل دور بیٹھی اپنے اس گندے اور قحط زدہ سے بیٹے کو لئے اس ادا سے کھلا رہی ہیں گویا کوئی سوا سو برس کی دادی اماں اپنے پوتے کو سنبھال رہی ہیں، کہیں چھپ کر اُسے پیار فرماتی ہیں تو کسی کونے میں جا کر اُسے کپڑے پہناتی ہیں، اور جو کوئی محلّے کی ان کے پاس آجاتی ہے یا کوئی نند قریب بیٹھ جاتی ہے تو نہایت بوڑھے لہجے میں اُسے اپنے لاڈلے کے خواص و عادات سُناتی ہیں حالانکہ ابھی وہ دس دن ہی کا ہے اور آپ خود چودہ برس کی لونڈیا مگر بہت زیادہ گہری سانس لیکر فرمائینگی

ارے کیا پڑا ہے سلام کر پھوپی اماں کو،

ادھر دیکھ ادھر یہ ہیں چھوٹی پھوپی تیری او اُلو،

ذرا خدا تجھے عمر تو دے پھر بتاؤں گی تجھ کو اس وقت کے سلام نہ کرنے کا تماشہ،

کیا بتاؤں خالہ بی آپ کو کہ ابھی سے اس قدر شریر نکلا ہے یہ کہ بیان نہیں کر سکتی، اور انھیں تو ایسا پہچانتا ہے کہ بس جہاں وہ گھر میں آئے اور اس نے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیا، وہ کھانا کھانے بیٹھے اور اس نے اُنھیں گھورنا شروع کیا،

مگر قسمت کا ایسا خراب ہے یہ کہ اُنھیں اس سے محبت نہیں، بلکہ خدا کی شان کہ یہ جتنا اُن

کی طرف بڑھتا ہے وہ اُتنا ہی اس سے نفرت کرتے ہیں،
اری دیوانی ہوئی ہے تو دنیا کے باپ اول تو ہوتے ہی ہیں بے رحم جلاّد، یا پھر اونھیں بچے سے اُس وقت محبّت ہوتی ہے جب وہ کھیلنے کودنے اور باتیں کرنے کے قابل ہوتا ہے، ابھی اللہ اُسے عمر دے وہ ہے کتنے دن کا؟
خیر خالہ بی خدا آپ کو خوش رکھے، کہ آپ نے مجھ بدنصیب کو اتنا سمجھا دیا، ورنہ اس گھر میں (سسرال میں) تو مجھے کوئی اتنا سمجھانے والا بھی نہیں،
جب سے بیاہ کر آئی ہوں کیا بتاؤں کہ کیا کیا تماشے دیکھ رہی ہوں؟
ہاں خالہ بی سچ ہے کہ میرے ہی میکے والے ایسے کہاں کے میرے ہمدرد اور عاشق ہیں، یہ ہی دیکھو آپ کہ ماشاء اللہ آج پورے چھ مہینے کا ہونے کو آیا مگر نہ تو وہ اس کے ماموؤں کو اس کے دیکھنے کا خیال آیا نہ کسی اور کو، اور وہ جن کی اولاد ہے اُنھی کو خیال نہیں تو پھر شکایت کس کی؟
خیر خالہ بی ابھی تو کچھ نہیں کہتی بس ذرا خدا ان میاں کو ہوشیار کر دے،
مزاج میں وہ بلغم اور خشکی کہ اس کا ظریف و لطیف شوہر اسے جتنا خوش رکھنا چاہتا ہے یہ اُتنا ہی خشک چہرہ بنائے رہتی ہے، نہ اس کے چہرہ پر تبسم نہ ہنسی جب دیکھئے ماتمی چہرہ سامنے موجود ہے، صفائی کے عوض گندہ پن وہ کہ اگر شوہر ایک ہفتہ میں لباس بدلے تو یہ پندرہ دن میں سستی اور کاہلی وہ کہ آٹھ بجے شب سے سوئے تو دوسرے دن کے آٹھ بجے صبح تک بھی اگر کوئی بیدار نہ کرے تو یہ بستر میں یوں نظر آئے گویا ابھی ابھی انتقال ہوا ہے،

روٹی اور کپڑے کے معاملات کے سوا دنیا کے ہر کام اور ہر معاملے سے یکسر بے خبر، جو بے حسی
کہ جس بات کو دس مرتبہ سمجھاؤ اُسے بھی بھول جائے اور جسے ایک مرتبہ سمجھاؤ اسے بھی بھول جائے
اس پر بھی مزاج میں ضد، اکڑ، غرور، نخرہ، اور خموشی ایسی کہ صورت سے خوف معلوم ہو،
ایسی ہوا کرتی ہیں مُلّا رموزیوں کی بیویاں، یعنی دنیا میں نہیں تو کم از کم ہندوستان میں بے مرضی
شادی کے ۹۹ فیصدی نتائج ایسے ہی موجود ہیں، بالخصوص اربابِ علم و فضل اور اصحابِ بصیرت
و فراست کو ہمیشہ ایسی ہی بیویاں نصیب ہوئی ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ ہندوستان میں
شادی کے ٹھیکیدار دولھا دُلہن کے ماں باپ اور رشتہ دار ہوا کرتے ہیں اور دولھا دُلہن
آخر وقت تک ایک دوسرے کی صورت، سیرۃ اور عام حالات سے قطعاً بے خبر رکھے جاتے
ہیں، حالانکہ اتنی سختی نہ شریعت میں جائز نہ قانون میں، مگر جاہلانہ رسم پرستی ہے کہ ۹۹
فیصدی بے مرضی شادی کے ذریعہ ہندوستانیوں کی "حیاۃِ ازدواجی"، کو برباد کر رہی
ہے، ممکن ہے کہ آج سے پچاس برس بعد انسان کے طبعی اور تمدنی ارتقاء، کے باعث اپنی
مرضی اور پسند کی شادیاں ہندوستان میں رواج پا سکیں، اُس وقت اگر موقع ملا تو
آپ کے مُلّا رموزی صاحب بھی دوسری شادی فرمائیں گے، انشاء اللہ،
اس قسم کی بیوی کی شادی کی رسوم اور تفصیلات کو اگر ملاحظہ فرمانا ہو تو مُلّا رموزی کی لکھی ہوئی
کتاب بنام "شادی"، قیمتی ۸/ کو یا مینیجر صاحب رسالہ "عالمگیر لاہور" سے طلب کیجئے یا مُلّا
رموزی صاحب، بھوپال سے، یہ کتاب ۱۹۳۰ء میں شائع ہو چکی ہے،
اب یہ آپ کی مرضی کہ آپ اس بیوی کو مُلّا رموزی کی بیوی قرار دیں یا محض فرضی بیوی، خدا حافظ

کیسے لکھی؟

لِکُلِّ شَیْءٍ اٰفَةٌ وَّلِلْعِلْمِ اٰفَاتٌ

آپ کتاب پڑھ چکے بظاہر تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اُسے ایک حد تک مفید اور ایک حد تک لطیف پایا ہوگا مگر مجھے بہ حیثیت مصنف ایک اور بھی خیال ہے اور وہ یہ کہ آپ نے اس میں بعض کمزوریاں بھی پائی ہوں گی، اس لئے فطرتًہ یا ذوقًا آپ نے اس کے محاسن کو بھلا کر صرف اُنھی کمزوریوں کو سامنے رکھ لیا ہوگا، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کمزوریوں کا اسباب بھی بیان کردوں پس ظاہر ہے کہ ایک مصنف اور ایک دماغی کام کرنے والے انسان کیلئے سکونِ کامل اور نشاطِ خاطر اُس کی پہلی ضرورت ہے، مگرادبار نصیب ہندوستانی اربابِ کار کو اگر یہ سب کچھ نہیں تو کم سے کم دو چیزوں کی ضرورت تو نہایت درجہ ضروری ہے، یعنی مالی فکرمندی سے اتنی فراغت کہ اُون کا دماغ کام کرتے وقت گزارے کی فکر سے متأثر اور پریشان نہ ہو لیکن اس کتاب کے لکھتے وقت مُلّا رموزی گزارے کی طرف سے جس درجہ پریشان اور فکرمند رہا ہے خدا دشمن کو بھی اتنا پریشان نہ کرے،

ضابطۂ مسلّم ہے کہ مصنف اور ذی ہوش اہلِ قلم کا گھر اُس کے ذوقیات اور عمل کا مؤید و معاون، اور حوصلہ بڑھانے والا ہو، لیکن بدقسمتی سے مُلّا رموزی کا گھر اس اعتبار سے جس درجہ بے پرواہ بے خبر، اور بے تعلق واقع ہوا ہے الحمدللہ کہ اسکی تفصیلات اور جزئیات سے ملک کے شہرہ آفاق

لیڈر، ایڈیٹر، اور شاعر، اپنے ذاتی اور عینی مشاہدہ کے باعث کافی طور پر خبردار ہو چکے ہیں چنانچہ صوبہ سرحد کے نامور لیڈر قبلہ مولنا محمد عرفان سیکریٹری سنٹرل خلافت کمیٹی بمبئی، برادرم خان شجاعت اللہ خاں بی، اے، ایڈیٹر روزانہ اخبار "پیغام دہلی" شمالی ہند کے ممتاز شاعر مولنا ابوالاثر حفیظ جالندھری ایڈیٹر مجلہ "مخزن لاہور" بذاتِ خاص ملّا رموزی کے حالات و موانع کو ملاحظہ فرما گئے ہیں، اور خود میں نے کبھی اپنی اس بے چارگی کو چھپانے کی کوشش نہیں کی تا کہ زمانہ دیکھ سکے کہ اُردو بولنے والوں کے اُردو لکھنے والے اس ۱۹۳۱ء میں بھی کس قسم کی پریشانی سے کام کرتے ہیں؟ لہذا ان حالات کے جو اثرات اس کتاب کے لکھتے وقت ظاہر ہوتے رہتے تھے وہ یہ تھے کہ

چولھے میں ڈالو تمہاری کتاب کو وہ لودہ یوسف خاں نے آج جواب دیدیا کہ اگر کل تک میرے پہلے کے دام نہیں دیئے تو اگلے مہینے گیہوں نہ دوں گا،

اور وہ تمہارے بھلے بچے صاحب کے ماسٹر صاحب کا بھی انتظام کرو کیونکہ تین مہینے سے اُس غریب کو بھی تنخواہ نہیں دی گئی ہے، وغیرہ،

بس یہ تھا ہمارا ماحول جس کے اندر ہم صبح سے شام تک تو پھرتے تھے ارباب مقدرت کے دولت خانوں پر اور شب کے دماغ سوز اوقات میں اس کتاب کو لکھتے تھے، کاٹتے تھے، پھاڑتے تھے، جوڑتے تھے، ترتیب دیتے تھے، اور ایک ایک مسودہ کو دس دس مرتبہ صاف کرتے تھے، اور صبح کے نو بجے تک شب کی تھکن سے سوتے کیا تھے بے ہوش پڑے رہتے تھے، صبح اُٹھے کہ پھر وہی چکر، مگر میرے والدین کا احسان و کرم کہ اُنھوں نے میرے ہوش

سنبھالتے ہی یہ آپ کی مڈل و ڈل پاس ہونے والی تعلیم سے دور رکھ کر قرآنِ محترم کو جو حفظ یاد کرا دیا اور پھر جو کچھ ترجمۃ القرآن کی دولت نصیب ہو گئی، تو الحمد للہ کہ معتقدات میں تزلزل نہ رہا جو اسلامیہ کالجوں کے ایم، اے پاسوں میں نظر آتا ہے، اس لئے جب گھر کی یہ از سرتاپا مخالف فضاء ستاتی تھی تو جو چیز سب سے پہلے سامنے آتی تھی وہ یہ کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ پھر اس کے بعد یہ خیال کہ او اللہ کے بزدل اور بے صبر مُلّا رموزی بندے تو ہی وہ ہے کہ آئے دن قوم کو ہمت، جفاکشی، اولوالعزمی، استقامت اور حوصلۂ عمل کی حیاۃ آرا دعوۃ دیتا ہے اور تو نے ترکانِ مجاہد اور مصطفٰے غازی کی جنگ آزما اور خوں فشاں جُرأت و شہامت کو دیکھا ہے، اور تو نے سرکار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے غزوات و مجاہدات کی ایمان افروز تفصیلات کو پڑھا ہے، اور تو نے خالد بن ولیدؓ اور ضرار بن ازورؓ کے اُن صف شکن اور زلزلہ انداز حملوں اور مقابلوں کو سُنا ہے جن کی برق وش تلوار کی تڑپ کو نہ یہ فرانس کے نپولین صاحب پا سکے اور نہ جن کے کوہ شکن نیزوں کو یہ بی، اے، پاس طبقے کے سردار واشنگٹن صاحب برداشت کر سکتے تھے، پھر کیا ہے جو تو فکر معاش کی شدت سے یوں گھبرا جائے کہ "عورت ذات" نام کی ایک کتبیہ بھی نہ لکھی جائے اور پھر بھی تو مُلّا رموزی کہا جائے؟

بس اس وجد آفریں خیال کا طاقتور ہونا تھا کہ یہ آپ کا دُبلا پتلا سا مُلّا رموزی اُس خدائے جاں آفریں کا نام لیکر لکھنے میں مصروف ہو گیا جس نے اسی مُلّا رموزی کے سامنے ان لوگوں تک کو لنڈن پہونچا دیا جن کے خاندان بھر میں یہ نہ سمجھا جاتا تھا کہ نہر سوئز افریقہ میں ہے یا کلکتے کی عجائب خانہ کا نام ہے

میرے مکرّم و محترم دوست مولوی سیّد سجّاد حیدر یلدرم بی، اے، رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
نے ایک ملاقات میں فرمایا تھا اور برادرم ملک نصر اللہ عزیز بی، اے، چیف ایڈیٹر اخبار "مدینہ"
بجنور نے میری پریشانیوں کی تفصیل سُنکر لکھدیا تھا کہ "ارباب کار" و اصحاب ہنر دسکے حق میں
فطرت بہت زیادہ ظریف واقع ہوئی ہے، چنانچہ جوں ہی کہ کتاب کا کام شروع ہوا کہ فطرت
نے مُنہ چڑانا شروع کردیا، مثلاً اس کام میں جن مشکلات کا کبھی گمان بھی نہ تھا اُنھوں نے
اب سر نکالا، مالی مشکلات اب انسانی برداشت کے قابل نہ رہیں، مگر حبذا و مرحبا
میرے اُن بہادر و ذی حوصلہ متعلقین کو جنہوں نے مجھے اس اہم دماغی کام میں مصروف
پاکر خود کو اس درجہ بھی خموش و صابر بنالیا کہ واللہ ان کے اس احسان سے میں عمر بھر
سبکدوش نہیں ہوسکتا، اس کے سوا مجھ پر اور میرے متعلقین پر امراض کے حملے شروع
ہوئے جن کی مدافعت کے وزیر جنگ مُلّا رموزی ہی بنائے گئے، اس کے بعد محلّے
کے چند عجیب و غریب لوگوں نے مردم شماری کے سلسلے میں پھانس کر جھوٹے حلف کے ساتھ
مجھ پر اور میرے دو حقیقی بھائیوں پر مقدمات دائر کرنے کے سامان کو درجۂ تکمیل تک
پھونچا دیا، ابنائے شہر میں سے سُہا بھوپالی اور محمد مہدی بھوپالی نے بے وجہ رسالہ "نیرنگ
دہلی" میں میرے خلاف اس مقصد سے سلسلۂ مضامین شروع کردیا کہ مُلّا کو جو معاوضہ
رسالوں اور اخباروں سے ملتا ہے وہ بند ہوجائے، مگر ان میں سے ایک کو بھی خبر نہ تھی کہ
جو مُلّا رموزی اپنی روح اور خیال کی ہر قوّت کو خدائے غالب یکتا کے سپرد کرچکا ہے،
جو رسول عرب و عجم کی غلامی کا حلقہ پہن چکا ہے، بالآخر غلبہ اور کامیابی اُسی کیلئے وقف ہوگی

چنانچہ اُسی خدائے لایزال و لم یزل کا قول لَا تَقْنَطُوْا پورا ہوا اور بالآخر ظفرو کامرانی کی کرن اسی تیرہ و تار ماحول کے اُفق سے جلوہ گستر ہوئی اور اس دشواری نے آسانی کی ایک ہلکی سی صورت اختیار کی،

اس لئے جن لائق احترام ہستیوں مجھے اس موقع پر نوازا اُن میں عالی منزلت کیپٹن **نواب زادہ محمد سعید الظفر خاں** بہادر بالقابہ، اور گرامی مرتبت کیپٹن **نواب زادہ محمد رشید الظفر خاں** بہادر بی، اے، کا مرتبہ سب سے عالی اور نمایاں ہے جبکہ ممدوحین نے مجھے اس دماغ سوز کام کے لئے کافی فرصت عطا فرمائی، اور ایک نوکر کے لئے اس سے سوا کیا چاہیئے کہ وہ آزاد کر دیا جائے،

مگر مشکلات نے بھی مقابلے اور مجادلے کی خاصی تیاریاں کی تھیں، اس لئے ابھی سکون خاطر نصیب نہیں ہوا تھا، اور عین اوس وقت جبکہ میں اس کتاب کے (۱۵۰) صفحات لکھ چکا تھا اُن مہربان نے "جوابِ خشک" عطا فرمادیا، جنہوں نے اس کی طباعت کے مصارف کا وعدہ فرمایا تھا، اب پھر وہی "وعدہ لَا تَقْنَطُوْا تھا اور میں تھا، بارے وہی ہوا جو کسی آسمانی اور خدائی وعدہ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ اس موقع پر میرا دل بڑھانے والے عالیجناب میجر کنور ممتاز علی خاں بہادر جی، ایس، او، افواج بھوپال ہوئے، اور کچھ شک نہیں کہ میجر صاحب ممدوح کی اس ادب پرور حوصلہ افزائی نے مجھے بہت زیادہ آگے بڑھادیا، اب جو یہ ہوا تو اس لئے نہیں ہوا کہ وعدۂ الٰہی اسی جگہ محدود ہو کر رہ جائے، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کتاب کی طباعتی تکمیل کے لئے زبان

اُردو کے "بیت العلوم" لاہور جاؤں، پس اس موقع پر صاحبۃ العظمت **بیگم صاحبہ نواب احمد یار خاں صاحب** دولتانہ نے جس کمالِ علم دوستی کا اظہار فرمایا، اُس پر بے ساختہ میرے مُنہ سے یہ دعا نکلی کہ اے خدا تو تمام مسلمان ماں بہنوں کو علم و ادب نوازی کے اسی رنگ میں رنگ دے پھر خود گرامی جناب **نواب احمد یار خاں صاحب** رئیس دولتانہ ایم، ایل، سی، نے جن پیہم نوازشوں کو ارزانی فرمایا اُن کی تفصیلات کو میرے "سفرنامۂ پنجاب" الموسوم بہ "پنجاب نامہ" میں ملاحظہ فرمائیے پھر میری تصنیفی معاونت میں میرے عزیز و محترم کرمفرما مولوی سیّد عبدالکریم صاحب بی، اے، ایل، ایل، بی، سٹی مجسٹریٹ بھوپال، و ڈاکٹر سیّد عبدالمجید صاحب افسر حفظانِ صحت بھوپال نے جو حصّہ لیا اس کے لئے بھی ہدیۂ شکر پیش ہے،

اس میں شک نہیں کہ میں نے اپنے ناقابلِ بیان مصائب و شدائد کا ایک حد سے سوا کم حصّہ بیان کر دیا تاکہ اس سے تصنیفی کمزوریوں کے اسباب معلوم ہو جائیں، اب میں ان حالات پر بھی بفضلِ خدائے مستعان اپنے محسنین و قدردان بہنوں اور بھائیوں کو اپنے ایک بالکل ہی نئے ارادے یعنی "دائرۂ ادب" کے قیام کی اطلاع دیدوں، چنانچہ جب میں نے ملک و مذہب اور قوم کی اصلاح و خدمت کی خاطر اپنی بیوی کے فرضی پردے میں خواتین ملّت پر مضامین لکھے تو بعض شتر قبل مسیح کے بنے ہوئے دماغوں نے اعتراض کیا کہ اماں لاحول ولا بھلا کوئی اپنی بیوی پر بھی مضامین لکھتا ہے، تنہا ایسے پست قامت بزرگوں نے بھی یہی کچھ فرمایا، مگر ان بیچاروں

اگر ہندوستان کے سب سے زیادہ ذی اثر و ذی عزّت رہنا جناب گاندھی کی خود نوشتہ سوانح عمری مل جاتی تو وہ دیکھ لیتے نہ اس جلیل القدر انسان نے اپنی بیوی کے حالات کو کس طرح لکھا ہے؟

اسی طرح صوبۂ پنجاب شمالی ہند کے سب سے ممتاز و سربلند رہنا جناب مولنا ظفر علی خاں بی، اے ایڈیٹر اخبار "زمیندار"، لاہور نے باوصف اپنے عدیم المثال ثبات عمل اور حوصلہ استقلال کے اپنے اخبار کی امداد کیلئے متعدد مرتبہ جو طویل سے طویل اپیلیں شائع فرمائی ہیں، قبلہ مولنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود کمال صبر و جفاکشی اپنے اخبار "ہمدرد"، کی امداد کیلئے جو طویل تر مضامین لکھے ہیں اگر وہ سب آپ کے اور دنیا کے سامنے آج بھی موجود ہیں، تو پھر اگر حقیر و بے بضاعت مُلّا رموزی محض علم و ادب اور اصلاح کی خاطر و خدمت کی خاطر کوئی ایسی ہی بات کہے تو اُسے شرمانا چاہئے یا معترضین کو؟ اور کیا شک ہے کہ اگر آج مُلّا رموزی بجائے مُلّا رموزی ہونے کے اخبار مُلّا رموزی ہوتا یا کوئی علمی و ادبی رسالہ مُلّا رموزی ہوتا یا کوئی کتاب مُلّا رموزی ہوتا تو اُس کی امداد کیلئے بے شمار اپیلیں اور مضامین شائع ہو چکے ہوتے مگر وہ بے چارہ دن بھر فکرِ معاش میں مبتلا رہ کر آج تک راتوں کو آپ کے لئے لکھتا رہا تو آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ اُس کا دل و دماغ چونکہ جرمنی کا بنا ہوا ہے اس لئے وہ کبھی نہ ٹوٹے گا؟ اس لئے عرض ہے کہ اخبارات اُردو اور رسائل اُردو میں مسلسل پندرہ برس تک کام کرنے سے جو فائدہ پہونچا وہ یہ کہ اس جوانی کے عالم میں بڑھاپے کا لُطف شروع ہو گیا ہے، اور اب ہماری تفریح گاہ باغ و بہار کے عوض حکیموں اور ڈاکٹروں

کے مطلب بن گئے ہیں، اور جتنا کبھی ہم گل بنفشہ، عناب، تخم خطمی، گلِ نیلوفر، درآب ترکردہ بجوشند سے واقف تھے آج اُس سے زیادہ "آپریشن" اور "انجکشن" کی اقسام اور تاثیر سے واقف ہو چکے ہیں، پھر کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ آپ کے مشکل سے کوئی دس بارہ سیرونرن کے مُلّا رموزی صاحب کسی ہلکے سے ملیریا اور زکام ہی میں مبتلا ہو کر اللہ میاں کے پاس یوں چلے جائیں کہ پھر آپ اُن کے بکھرے ہوئے اور گُم شدہ مضامین کو ڈھونڈھتے پھریں اور کہتے پھریں کہ ارے ہائے ارے لو وہ مُلّا رموزی بے چارہ پرسوں صبح مرگیا، !

آپ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، ایڈیٹر رسالہ "جامعہ دہلی" مولٰنا ابوالاثر حفیظ جالندھری، مولٰنا محمد عرفان سیکرٹیری سنٹرل خلافت کمیٹی بمبئی، قبلہ میاں احسان الحق صاحب ایم، اے سشن جج کیمل پور پنجاب سے حلف کے ساتھ دریافت کیجے کہ ملک و قوم کے یہ جلیل القدر اصحاب بچشم خود ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آپ کے مُلّا رموزی کو ایک نہیں دو نہیں بلکہ متعدد اور ذی مرتبہ رؤسا، امراء، گرامی منزلت بیگمات، نوابوں، اور والیانِ ملک کی کافی سے زیادہ ہمدردی، قربت، اور نوازش حاصل ہے، مگر ان فیاض و قدردان اصحابِ مقدرت کی فکرِ معاش سے ہمیشہ کیلئے آزاد بنا دینے والی قربت و آسودگی سے مُلّا رموزی جو آج تک دور اور گریزاں رہا وہ محض اس لئے اور بخدا لئے لایزال اس لئے کہ کہیں ان بلندمرتبہ اور عالی وقار حضرات کی عطا کی ہوئی فرصتوں اور عیش سامانیوں میں گُم ہو کر مضمون نگاری کی خدمت و قوت سرد نہ پڑ جائے، مگر ہماری اس قربانی پر کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم کسی

عالی مرتبہ رئیس کے پورے نہ سہی آدھے ہی، اے، ڈی، سی، بنکر یا کسی حکومت کے "سیکریٹری صاحب"، ہوکر یوں ختم ہو جائیں کہ پھر ہمارا نام دفتر اور کچہریوں کے کاغذات میں تو ملے مگر نہ ملے تو آپ کو اخباروں، رسالوں، اور کتابوں میں؟

پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ مُلّا رموزی کا سلسلۂ نگارش جاری رہے تو اُسے فکرِ معاش و ملازمت سے آزاد کرانے کی ہر اُس تدبیر کو عمل میں لائیے جو آپ کے اختیار و اثر میں ہو، اور یہ اُس وقت جب آپ کو سی، آئی، ڈی والے تک حلف سے یقین دلا دیں کہ ہاں مُلّا رموزی کی ماہوار غذا مبلغ سو روپیہ میں تیار ہوتی ہے،

اس کے بعد مُلّا رموزی کے عمل کو اُستوار اور زیادہ دیرپا صورت میں جاری رکھنے کیلئے اس مضمون کو پڑھتے ہی مبلغ ایک روپیہ چندہ مُلّا رموزی، بھوپال، کے پتے پر اُس فنڈ کیلئے بھیجدیجے جو مُلّا رموزی نے "دائرۂ ادب" کے نام سے اپنی تالیف و تصنیف کیلئے کھولا ہے یعنی اس فنڈ کے سرمایہ سے مُلّا رموزی اب بجائے اخباروں اور رسالوں میں مضمون لکھنے کے خود کتابیں بنکر شائع ہوا کرے گا اس سے ایک فائدہ تو یہ ہے آپ کو مُلّا رموزی کے مضمون کیلئے بے شمار اخبار اور رسالے تلاش نہ کرنا پڑیں گے بلکہ اس کا تمام ذخیرہ ایک کتاب کی صورت میں آپ تک پہونچ جائیگا، دوسرے یہ کہ کتابی صورت میں جو ذخیرہ محفوظ ہو گا وہ ہر قدردان کو اُس کی طلب فرمائش پر پہونچ جائیگا مگر دوسروں کے رسالوں اور اخباروں کو مُلّا رموزی اپنے ہر قدردان تک نہیں پہونچا سکتا،

اب دیکھیں یہ ۲۴ کروڑ ہندو بھائیوں میں سے کوئی اس سوال کو پورا کرتا ہے یا دس

کروڑ مسلمان بھائیوں میں سے تاکہ ہم بھی اُس کے نام کو اپنی کتابوں میں یوں محفوظ کردیں جس طرح سعدی علیہ الرحمۃ اپنی گلستاں کے دیباچے میں اپنے محسن بادشاہ اتابک اعظم کا نام یوں لکھ گئے ہیں کہ جو شخص بھی گلستاں پڑھتا ہے اُسے خواہ مخواہ پہلے بادشاہ اتابک کا نام پڑھنا پڑتا ہے،



اصل کتاب میں جن کمزوریوں کو آپ نے محسوس فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیویوں کی ترتیب کو دیکھ کر آپ کہنا شروع کردیں گے کہ واہ مُلّا رموزی صاحب اور وہ ایڈیٹر کی بیوی تو لکھی ہی نہیں اور وہ تھانیدار کی بیوی تو لکھی ہی نہیں، اور وہ ہمارے ایک دوست منشی بدھو خاں کی بیوی تو لکھی ہی نہیں اور ہاں مُلّا صاحب ذرا وہ ہمارے محلے میں ایک عجیب قسم کے قاضی صاحب رہتے ہیں اُن کی بیوی کو بھی لکھ دینا،

پس ایسے دماغ کے ناظرین سے عرض ہے کہ آپ مہربانی فرماکر اس قسم کے مشورے کا اظہار کسی ذی ہوش اور بالغ نظر انسان کے سامنے نکر دیجئے گا ورنہ آپ کو بہت زیادہ شرمندہ ہونا پڑیگا کیونکہ دنیا کی ہر بیوی لکھنے کے قابل نہیں ہوا کرتی اور اسی لئے اس کتاب میں اُن بیویوں کا تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح جماعت کو متأثر کرسکتی ہیں، اور بس، مثلاً کوتوال کی بیوی کا خیال تو لطیف ہے لیکن اسے اس لئے نہیں لکھا کہ اس کے حالات عوام و خواص سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے، وقس علی ہذا، البتہ دوسری اشاعت کے لئے ذیل کی بیویاں محفوظ ہیں جو بہت کم اثرات کے ساتھ جماعت کی طرف بڑھتی نظر آرہی ہیں مثلاً ایڈیٹر کی بیوی، لیڈر کی بیوی، ہندوستان کی

انگریزی بیوی، ڈاکٹر بیوی، اور بعض اور،
یہ بھی نہ کہئیے کہ وہ مُلّا صاحب فلاں بیوی کے حالات میں آپ نے یہ تو لکھا ہی نہیں، اور
وہ تو چھوڑ ہی گئے، کیونکہ اس قسم کے اعتراضات سے آپ ذہنی حالت کی پستی ثابت
ہوگی، کیونکہ "خاکہ کشی" میں جزئیات کی جو تفصیل درکار ہے اُس کے موافق کبھی آپ
نے اپنے مُلّا رموزی کو فکر معاش سے آزاد کر کے مہلت بھی دی کہ وہ دنیا کی ہر عورت
کی کافی نقل و حرکت کو اپنی "ذاتی آنکھوں سے"، دیکھ سکتا؟
اچھا اب اگر یہی ہے کہ ہندوستانی ہونے کے اثر سے ہمیں ہر چیز کے عیوب ہی عیوب
دیکھنا آتا ہے تو پھر آج یہ بھی دیکھئے کہ اس کتاب کی خوبیوں پر آپ کی ادبی انجمن ہمیں
کونسا خطاب عطا فرماتی ہیں، آپ کے دولت مند ہمیں کتنا انعام دیتے ہیں؟ کیونکہ
ذرا انصاف تو فرمائیے کہ ایک غبار آلودہ جھونپڑے میں بیٹھ کر اتنی بیویوں کی زندگی
کے جُزئی سے جزئی حالات و خواص پر اتنا لکھ دینا خدائے فیّاض و منعم کی نوازش
نہیں تو کیا مُلّا رموزی کی تیراندازی ہے؟
آخر میں بکمالِ ادب و نیک نیتی عرض ہے کہ جن ماں بہنوں کے حالات سے اس
کتاب کے حالات موافقت کریں اُنھیں چاہئیے کہ وہ ٹھنڈے دل اپنے حالات کی
اصلاح فرمائیں کہ اس کے سوا مُلّا رموزی کی کوئی اور غرض نہیں،
تالیف و تحریر کی نزاکتوں سے جو حضرات واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کسی حجاب انگیز
مفہوم کو شائستہ الفاظ میں ادا کرنا کس درجہ مشکل کام ہے، پس میں نے ایسے مقامات

میں جو کوشش کی ہے اُس میں اس حد تک تو احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے کہ ایک جگہ امراض کی تفصیل لکھتے ہوئے اُن امراض تک کے نام چھوڑ دیئے ہیں جو عموماً اخبارات اور رسالوں میں بے تأمل شائع ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح ہر بیوی کے ایسے حصّۂ زندگی کو ترک کر دیا ہے، جسے پڑھتے وقت ادنےٰ سے حجاب پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، اس پر بھی اسلامی آداب کلام کے موافق میں اپنے محترم ناظرین و ناظرات سے اپنے ہر قسم کے سہوِ کلام پر معافی چاہتا ہوں، اب کہیئے آپ کو وہ میرا امداد والا معاملہ یاد ہے؟

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝

وَصَلَّے اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

مُلّا رموزی



اخباری برادری کا شکریہ

اپنوں اور بیگانوں کی قابل صد لعنت ناقدردانی اور لائقِ نفریں وملامت بے اعتنائی اور طفلانہ اکڑفوں کے مقابل جب مُلّا رموزی ہندوستان کے جلیل القدر اور وسیع الاثر ہندو مسلمانوں، محترم خواتین اور لائق عظمت بیگمات کے ساتھ ساتھ ذی اثر سے ذی اثر اخبارات ورسائل کو اپنے حق میں ہر آن و ہر لحظہ وقف پاتا ہے، تو اسلامی آدابِ احسان شناسی اور مسرت و شادمانی کے جذباتِ بے پایاں سے اس کا دل و دماغ یوں لبریز و متأثر نظر آتا ہے گویا دنیا میں اُسے کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں پہونچی تھی، اور کچھ شک نہیں کہ یہی وہ شریف و عزیز برادری ہے جس نے مُلّا رموزی کے لئے ہمیشہ اپنی ہر مقدرت کو وقف رکھا، چنانچہ اس کتاب کے اشتہارات کے لئے اس برادری نے جس خلوص اور وسعتِ قلب سے اپنے صفحات بغیر کسی معاوضے کے مُلّا رموزی کو عنایت فرمائے مُلّا رموزی اُن کے لئے سراپا سپاس ہے، اور چاہتا ہے کہ اُن معزز و محترم پرچوں کی ایک فہرست بطریق یادگار و شکر کرم اپنی اس کتاب میں محفوظ رکھے،

نمبر شمار	نام اخبار یا رسالہ	مقام اشاعت	قسم اشاعت	حکمتِ عملی یا مقصدِ اشاعت	چندہ سالانہ	پتہ
۱	اخبار زمیندار	لاہور	روزانہ	انتہا پسند، اُردو میں سیاست اور بین الاقوامی مسائل و حالات پر سب سے بلند اور فاضلانہ بحث کرنیوالا اخبار، لطافت و صحت تحریر کا بے مثل نمونہ، ہندو مسلم اتحاد کا حامی، مالک مولینا ظفر علی خاں بی، اے	عہ	منیجر اخبار زمیندار لاہور
۲	اخبار انقلاب	//	//	انتہا پسند، خالص اسلامی قومیت کا محافظ، مسلمانوں کا سب سے جری بے باک خطیب، لطافت انشا، ظرافت نگاری اور جوش خطابت کا دماغ افروز نمونہ، ایڈیٹر مولینا سالک بی، اے، منشی فاضل،	//	منیجر اخبار انقلاب لاہور
۳	اخبار الجمعیۃ	دہلی	//	تمام ہندوستان علماء اور مشائخ کے خیالات کا ترجمان، ملک کے اہم سیاسی اور اسلامی حالات پر غایت درجہ بے باکی اور جرأت سے لکھنے والا، اسلامی شریعت کے امور اور مسائل کے حل اور تفریحات کا لاجواب ذریعہ، اس کا ایک پرچہ ہفتے میں دوبار بھی شائع ہوتا ہے، ایڈیٹر ہلال احمد زبیری بی، اے	لعہر	منیجر اخبار "الجمعیۃ" دہلی

نمبر شمار	نام اخبار یا رسالہ	مقام اشاعت	قسم اشاعت	حکمتِ عملی یا مقصدِ اشاعت	چندہ سالانہ	پتہ
۴	اخبار شیر	رنگون	روزانہ	صوبہ برہما کا سب سے اول اُردو روزانہ اخبار، اسلامی قومیت اور مسائل سیاسی کا نہایت پُرجوش مبلغ و محافظ،	عـہ	منیجر اخبار "شیر"، رنگون
۵	اخبار پارس	لاہور	ہفتہ وار	صوبہ پنجاب کے انتہا پسند، ہندو بھائیوں کا سب سے آزاد اخبار ادبیاتِ اُردو میں فسانہ نگاری کا دلفریب مجموعہ، زندہ دلی کا نمونہ،	للعہ/	منیجر صاحب اخبار پارس لاہور
۶	اخبار مدینہ	بجنور	ہفتے میں دو بار	لکھائی چھپائی اور کاغذ میں اس کا جواب نہیں، معتدل مگر اسلامی اور ملکی مسائل میں نہایت آزاد تصفیہ مسائل کیلئے سنجیدہ رائے دینے والا، نہایت مقبول، کثیر الاشاعت اور مسلّم الثبوت جریدہ، ایڈیٹر ملک نصر اللہ خاں، عزیز بی، اے،	ـــے	منیجر صاحب اخبار مدینہ بجنور یو، پی
۷	اخبار مشیر سلطنت	دہلی	ہفتہ وار	حد سے سوا متین، معتدل، اور دیسی ریاستوں کا خاص نمائندہ باتصویر بے حد حسین،	ـــے/	منیجر صاحب اخبار مشیر سلطنت دہلی
۸	اخبار نئی دنیا	کلکتہ	//	شرقی ہند کا سب سے نامور اسلامی جریدہ، بے باک اور عام مسائل پر عمدہ رائے دینے والا،	ـــے/	منیجر صاحب اخبار نئی دنیا کلکتہ
۹	رسالہ ادیب	پشاور	ماہوار	باتصویر رسالہ صوبہ سرحد میں ادب و زبانِ اُردو کا ناشر و مبلغ سال میں متعدد خاص نمبر شائع کرتا ہے لطیف تر مضامین ادبی و علمی موضوعات	ـہ/	منیجر صاحب رسالہ ادیب پشاور

نمبر شمار	نام اخبار یا رسالہ	مقام اشاعت	قسم اشاعت	حکمت علی یا مقصد اشاعت	چندہ سالانہ	پتہ
				ہر خاص مقالات شائع کرنیوالا، ملّا رموزی صاحب کے مضامین چھاپنے والا۔ ایڈیٹر مولینا حفیظ جالندھری،	صہر	منیجر صاحب رسالہ ادیب پشاور
۱۰	رسالہ ارمغاں	دہلی	رر	مولینا اشرف صبوحی ایڈیٹر، ادبیات اُردو میں نہایت درجہ خاص مضامین شائع کرنیوالا، دہلی کی کوثر میں دُھلی زبان اور یگانگی اُردو کا مجموعہ، نہایت حسین باتصویر اور کم قیمت پرچہ ملّا رموزی صاحب کے مضامین چھاپنے والا،	سےر	منیجر صاحب رسالہ ارمغاں دہلی
۱۱	رسالہ صوفی	گجرات پنجاب	←	تصوف اور اسلامیات پر بہتر مضامین لکھنے والا، جھوٹے پیروں اور مکّار مریدوں کا دشمن، طلبہ کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ملّا صاحب کے مضامین کو پابندی سے شائع کرنے والا،	عگر	منیجر صاحب رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین گجرات، پنجاب
۱۲	رسالہ سہیلی	لاہور	رر	خواتین اور لڑکیوں کی اصلاح و ترقی اور تربیت کا سب سے بلند رسالہ، باتصویر اور سالانہ نمبر خاص اہتمام سے شائع کرنیوالا،	صہر	منیجر صاحب رسالہ سہیلی لاہور
۱۳	رسالہ چمن	امرتسر	رر	ایڈیٹر ڈاکٹر ہزا نوری، ادبیاتِ اُردو اور زبانِ اُردو سے محبت رکھنے والی سکھ برادری کا سب سے پہلا اور شاندار رسالہ [illegible]		منیجر صاحب رسالہ "چمن" امرتسر